آخرت نمبر

رام پور

آسان اردو زبان میں لڑکوں لڑکیوں اور عورتوں
کے
پندرہ روزہ رسالے
الحسنات
کا
آخرت نمبر
مرتبہ
ابوسلیم محمد عبدالحی
دفتر رسالہ الحسنات رامپور یو۔پی
چندہ
سال بھر کے لیے

حوصلہ مندوں کے نام

جو دائمی کامیابی حاصل کرنے

اپنی پوری زندگی لگا دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں!

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آخرت نمبر

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ کے رسالے کا دوسرا خاص نمبر چھ مہینے بعد ہی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ توحید نمبر کے بعد اس قدر جلد ہمیں آخرت نمبر کی اشاعت کے قابل بنا دیا، یہ اس کا ہی کرم ہے۔

دُنیا آج بہت سی مصیبتوں میں مبتلا ہے، جنگ ہے، بدامنی ہے، لوٹ کھسوٹ ہے، خود غرضی اور بےایمانی ہے، رشوت اور چوری ہے، غرض یہ کہ انسانیت کے جسم میں لاکھوں پھوڑے ہیں اور علاج کوئی نہیں۔ جب دوا کو علاج سمجھ کر استعمال کیا جاتا ہے وہی اُلٹا مرض کو بڑھاتی ہے۔

پہلی جنگ کے بعد دُنیا کو یہ اُمید تھی کہ اب جنگ کی بربادی کا تجربہ ہو جانے کے بعد شاید کوئی قوم بھی جنگ کے لیے تیار نہ ہوگی۔ قوموں نے مل کر جنگ کی تباہی کا رونا رویا۔ اور یہ طے بھی کر لیا کہ اب آئندہ کبھی نہ لڑیں گے۔ انھوں نے ایک مجلس بنائی، اس کا نام لیگ آف نیشنز (مجلسِ اقوام) رکھا اور اسے ساری دُنیا میں امن قایم رکھنے کا ذمے دار مان لیا۔ پھر کیا ہوا؟ کیا دُنیا سے جنگ رُخصت ہو گئی؟ ایسا نہیں ہوا، اس مجلس میں پھوٹ پڑی، اس مجلس کے ممبر ایک دوسرے کے دُشمن ہو گئے، اور اسی مجلس کے ممبروں نے دُنیا کی ایک دوسری لڑائی لڑی۔ یہ لڑائی پہلی لڑائی سے سیکڑوں گنا بھیانک تھی۔ اس کا نقصان پہلی جنگ سے سیکڑوں گنا زیادہ تھا۔ اس جنگ نے ساری دُنیا کے امن کو ختم کر دیا، ساری دُنیا کو مصیبت میں پھنسا دیا۔

لڑنے والے جب تھک گئے تو مجبوراً صلح ہو گئی۔ کچھ قومیں بالکل فنا ہو گئیں اور کچھ ادھمری ہو گئیں۔ اور اب پھر ایک مجلس بنائی گئی اس کا نام رکھا "یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن" (مجلسِ اقوامِ متحدہ) اور اب یہ اُمید لگائی کہ اس مجلس کے ہوتے دُنیا میں لڑائی نہ ہوگی۔ لیکن ابھی کچھ بہت دن نہیں ہوئے ہیں کہ دُنیا کو یہ اندازہ ہو گیا کہ امن قایم کرنے کی یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہو سکے گی۔ اس مجلس کے سامنے اتنی مدت میں مختلف ملکوں کے درجنوں جھگڑے پیش ہوئے، لیکن اس سے ایک بھی حل نہ ہو سکا۔ قوموں کی آپس کی خود غرضیوں اور مکاریوں کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد ہی دُنیا کی تیسری بڑی لڑائی ہوگی اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ تیسری لڑائی انسانیت کے لیے کتنی تباہی اور کتنی بربادی لے کر آئے گی۔

ہمارے ملک کی دو بڑی قوموں میں تنازعہ اور جھگڑا تھا، روز کی لڑائی تھی، شہر شہر میں فساد تھا، اس مرض کو دور کرنے کا پہلا علاج یہ تھا کہ اس انگریز کو یہاں سے رخصت کرو، یہی لڑانے کا ذمہ دار ہے، یہ چلا جائے تو ان قوموں کو لڑانے والا کوئی نہ ہوگا اور ملک میں امن رہے گا۔ دوسرا علاج یہ تھا کہ ملک کے دو حصے ہو جائیں، ایک حصے میں ایک قوم راج کرے دوسرے میں دوسری۔ جب دونوں قومیں اپنے اپنے علاقوں میں آزاد ہوں گی تو پھر کوئی دنگا فساد نہ ہوگا ——

آج دونوں علاجوں کے نتیجے آپ کے سامنے ہیں، انگریز جا بھی چکا اور ملک کے دو حصے بھی ہو گئے لیکن لوگوں کو دیکھو تو پچھلے دنوں کو ہی یاد کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علاج سے پہلے مریض کا حال کچھ اچھا ہی تھا۔

لوگوں کی اصلاح کے لیے قانون بنتے ہیں لیکن قانون کو چلانے والے ہاتھ خود سب سے زیادہ اصلاح کے محتاج ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ سے بچنے کے لیے کنٹرول اور راشن سے مدد لی جاتی ہے تو جن ہاتھوں کے ذریعے کنٹرول اور راشن کی تجویز عمل میں آتی ہے وہ سرمایہ داروں سے بھی بڑھ کر تکلیف دہ ثابت ہوتے ہیں، امن کے محافظ خود امن کے ڈاکو بن جاتے ہیں —— اور یہاں بھی علاج مرض سے زیادہ تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔

ایک دو نہیں، اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہماری زندگی میں موجود ہیں اور پوری انسانیت اسی الجھن میں پھنسی ہوئی ہے۔ پورے کے پورے ملک پوری کی پوری قومیں اس مصیبت کا شکار ہیں اور کوئی علاج سمجھ میں نہیں آتا۔ جو علاج کیا جاتا ہے وہ الٹا ایک نیا مرض بن جاتا ہے۔

کیا دنیا یوں ہی تباہ ہوتی رہے گی؟ اس دنیا کے مالک نے دنیا کی آرائش اور بقا کے لیے سورج کو پیدا کیا، بارش برسانے کا پورا انتظام کیا، دریا بہائے، زمین کے پیٹ سے کروڑوں قسم کے درخت اور پودے اگائے، لاکھوں قسم کے جانور بنائے اور انسانوں کو ان سب سے فائدہ اٹھانے کا موقع بخشا —— کیا اس نے ایسا کوئی انتظام نہیں کیا کہ انسان کو انسانوں کی طرح رہنے کا ڈھنگ بھی سکھایا ہو۔ امن اور چین سے زندگی گزارنے کا طریقہ بھی بتایا ہو؟

اگر کچھ ایسے بچوں کو جنھوں نے ریل کبھی نہ دیکھی ہو، چلتی ہوئی ریل کے ایک ڈبے میں اکیلا چھوڑ دیا جائے اور انھیں ریل کے بارے میں کچھ بھی نہ بتایا جائے تو نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی نا کہ کوئی بچہ تو ڈبے کو مکان کا ایک کمرہ اور سامنے نظر آنے والے میدان کو اس کا صحن سمجھ لے گا اور بے دھڑک دروازہ کھول کر قدم باہر رکھ دے گا۔ کوئی سامنے نظر آنے والے پیڑوں اور تار کے کھمبوں کو پیچھے کی طرف بھاگتا ہوا دیکھ کر اپنے ساتھی سے کہے گا کہ پیڑ اور کھمبے [illegible] رہے ہیں، خود انھیں بھاگتے ہوئے دکھاتا ہے۔ کوئی ڈبے کو ہلتا دیکھ کر سمجھے گا کہ بھونچال آ گیا ہے اور اپنے [illegible]

[illegible] گھبرا کر اپنی بات کہے گا اور سب کو پریشان کرے گا ——— اب بھی ذرا سوچو تو [illegible] کی وجہ سے بچے ہلاک ہو جائیں یا بے وقوفی میں مبتلا ہو جائیں تو ان کا کیا قصور ؟ جس شخص نے انھیں [illegible] ریل کے ڈبے میں بٹھایا تھا، تو اُس کا فرض تھا کہ وہ انھیں اصل حقیقت سے خبردار تو کر دیتا۔ اب اگر کوئی بچہ جاننے اور سمجھانے کے بعد بھی کوئی حماقت کر بیٹھتا تو بات دوسری تھی ——— لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ بچوں کو اچھی طرح ریل کے ڈبے کی حقیقت سے باخبر کر دینا بہت ضروری ہے۔

یہ دُنیا کیا ہے ؟ ہماری زندگی کی حقیقت کیا ہے ؟ ہم مر کر کہاں چلے جاتے ہیں ؟ مرنے کے بعد کوئی زندگی ہے یا نہیں ؟ مرنے کے بعد والی زندگی میں کیا ہوگا ؟ یہ زندگی موت کے بعد والی زندگی پر کیا اثر ڈالتی ہے ؟ ——— یہ اور ایسے ہی بہت سے سوالات ایسے ہیں جن کا ٹھیک ٹھیک جواب جان لینا ہر انسان کے لیے ضروری ہے۔ اگر کوئی انسان ان سوالوں کے جواب جانتا ہی نہ ہو، یا غلط جوابات جانتا ہو تو ظاہر ہے کہ پھر وہ ایسی حماقتیں کرے گا، جیسے چلتی ہوئی ریل کے ڈبے میں بیٹھے ہوئے انجان بچے کر سکتے ہیں ——— آج کل کی دُنیا کی ساری مصیبت کی جڑ یہی ہے۔ لوگ یا تو ان سوالوں کے جواب جاننے کی پروا ہی نہیں کرتے۔ یا ان کے جوابات غلط جانتے ہیں، اور اگر صحیح جواب جانتے بھی ہیں تو ان جوابوں کے مطابق عمل نہیں کرتے ———
مثلاً اگر کوئی بچہ یہ جانتا بھی ہو کہ ڈبے کے باہر صحن نہیں ہے، لیکن وہ قدم باہر نکالے تو اُس کا جاننا کس کام آئے گا۔ ہلاک تو وہ بھی ہو ہی جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اُس نے ان سب سوالوں کے ٹھیک ٹھیک جوابات انسانوں کو بتا دیئے ہیں۔ اُس نے ان باتوں کو بتانے کے لیے خود انسانوں میں سے اپنے رسول بھیجے۔ ان رسولوں نے انسان کو بتایا کہ اس دُنیا میں اس کی حیثیت کیا ہے، اور اس دُنیا کے بعد اس کو کس قسم کی زندگی گزارنا ہوگی۔ اُنھوں نے بتایا کہ دوسری زندگی کی کامیابی یا ناکامی اس پر منحصر ہے کہ انسان اس دُنیا کی زندگی کو کس طرح گزارتا ہے۔ اُنھوں نے وہ طریقے بھی بتائے جن پر چل کر انسان دوسری زندگی کو کامیاب بنا سکتا ہے۔ اور ان باتوں سے بھی خبردار کر دیا جن کے کرنے سے اُس زندگی میں مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

آج دُنیا کے سامنے جو مصیبتیں ہیں ان کو دُور کرنے کے لیے سب سے پہلے ایک بات بہت ضروری ہے ——— آپ ہی بتائیے آخر یہ سارا فساد کیوں ہے ؟ اسی لیے ہے نا کہ لوگ اچھے نہیں ہیں۔ خود غرض ہیں [illegible] شرارت پسند ہیں ——— اگر کہیں بہت سے لوگ بھلے مانس بن جائیں، نیکی کو پسند کرنے [illegible] ہے کہ دُنیا میں سکھ اور چین ہی ہوگا۔ لہٰذا سب سے پہلے جس بات کی ضرورت

سوال یہ ہے کہ لوگوں کو بھلا اور نیک بنایا جائے ——— یہ کیسے ہو؟ کیا انھیں نیکی کا وعظ سنایا جائے؟ انھیں نصیحت کی جائے، یا انھیں زبردستی مار مار کر نیک بنایا جائے؟ ——— ان تدبیروں سے کام نہ چلے گا ——— کون ہے جو نیکی کو نیکی نہیں جانتا، کون ہے جو بھلے اور برے میں تمیز نہیں کر سکتا۔ رہ گیا زبردستی نیک بنانا، تو اس سے تو کبھی بھی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اگر ایسا ہوتا تو قانون، پولیس اور جیل خانوں کے ہوتے چوریاں اور ڈکیتیاں نہ ہوتیں۔

لوگوں کو نیک بنانے کے لیے انھیں اِس زندگی کی حقیقت بتانا ضروری ہے۔ انھیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے کاموں کے کیا نتیجے نکلیں گے اور در اصل کامیابی اور ناکامی کسے کہتے ہیں ——— یہ سب باتیں انھیں معلوم ہی نہ ہوں بلکہ ان کو ان پر پورا پورا یقین ہو، ان کا یقین جتنا پختہ ہوگا اُتنا ہی آپ انھیں بھلا اور نیک پائیں گے۔

اللہ کے رسول جو دُنیا کی اصلاح کے لیے آتے ہیں وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر یقین دلانے کے بعد سب سے زیادہ زور آخرت کی زندگی کے یقین پر دیتے ہیں۔ وہ جن لوگوں کو دُنیا کی اصلاح کے لیے تیار کرتے ہیں اُن میں آخرت کا یقین اور اُس زندگی کی کامیابی کا شوق زیادہ سے زیادہ پیدا کرتے ہیں۔ یہی یقین اور یہی شوق ہر انسان کے دل کو اندر سے نیکی اور بھلائی کے لیے تیار کرتا ہے۔ اس یقین اور شوق کے بعد پھر باہری دباؤ اور باہری قانون کی کچھ زیادہ ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس کے بعد ایسے انسان تیار ہو جاتے ہیں کہ اُن سے دُنیا کی اصلاح کا جو کام چاہے لے لیں۔ اگر ان کو حکومت مل جاتی ہے تو وہ بہترین حاکم ثابت ہوتے ہیں، اگر شہروں میں بستے ہیں تو بہترین شہری ہوتے ہیں، اگر میدانِ جنگ میں جاتے ہیں تو اعلیٰ درجے کے سپاہی نکلتے ہیں۔ علم، اخلاق، تمدن، سیاست، تجارت، سپہ گری غرض یہ کہ زندگی کے ہر میدان میں ان سے بہتر آدمی نہیں ملتے۔

آپ نے غور کیا کہ آخرت کا عقیدہ کچھ یوں ہی نہیں ہے، اللہ کے رسول اس پر جو اتنا زور دیتے ہیں وہ بلا وجہ نہیں ہے، وہ اصل زندگی کے سُدھار کے لیے اس کے علاوہ کوئی دوسری تدبیر ممکن نہیں ہے۔ فساد کی وجہ صرف ایک ہی ہے۔ جب تک انسان کے سامنے یہ زندگی اور اسی زندگی کی نعمتیں رہیں گی لڑائی جھگڑا ہوگا۔ جب انسان اپنی کوششوں کا بدلہ مادی صورت میں ہاتھوں ہاتھ لینا چاہے گا تو لازمی طور پر ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی تدبیریں کرے گا۔ اور اگر دیکھا جائے تو سارے فساد اور سارا [illegible]

ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی بھوک ہوتی ہے ـــــــ البتہ اگر انسان کی کوشش کا مقصد آخرت کی کامیابی بن جائے، اس کی سب سے بڑی تمنا اپنے مالک کو خوش کر لینا ہو جائے تو زندگی میں کوشش اور جد و جہد تو شاید کچھ اور بڑھ جائے لیکن اور جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

اللہ کے رسول آخرت کا یقین پیدا کر کے لوگوں کو بیدار تو کرتے ہیں لیکن اس یقین کی وجہ سے ان کی کوششیں فساد کے لیے نہیں بلکہ اصلاح کے لیے لگ جاتی ہیں۔ ان کی دوڑ دھوپ کا رُخ بدل جاتا ہے۔

اس مجموعے میں ہم نے یہی کوشش کی ہے کہ آپ کے سامنے کچھ ایسی باتیں آ جائیں جن سے آپ کو یہ اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ آخرت کے یقین کی ٹھیک ٹھیک اہمیت کیا ہے، یہ یقین آپ کی زندگی پر کیا اثر ڈالتا ہے اور اس یقین کی بُنیاد پر کس طرح ایک ایسا سماج پیدا ہو سکتا ہے جو دُنیا کو چھوڑ کر نہیں بلکہ دُنیا کو سنوار کر اپنی آنے والی زندگی کو کامیاب بنانے کی فکر کرتا ہے۔

آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ آپ کے "آخرت نمبر" کے لیے بہت سے ایسے مشہور لکھنے والوں نے بھی مضامین لکھے، جنہوں نے شاید کم عمروں کے لیے کبھی کچھ لکھا ہی نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ہماری اُمید سے کہیں زیادہ مضامین اور نظمیں اس نمبر کے لیے موصول ہوئیں۔ رسالے کی ضخامت ہم نے بڑی کوشش کے بعد تقریباً ساڑھے چار گنا کر دی، لیکن پھر بھی بہت سے اچھے مضامین رہے جا رہے تھے۔ اس لیے ہر صفحے میں سطروں کی تعداد بڑھا کر اور باریک خط میں کتابت کرا کر تقریباً ۸ رسالوں کی برابر مضامین دیئے جا رہے ہیں ـــــــ اور افسوس یہ ہے کہ اب بھی بہت سے مضامین جو قابلِ اشاعت اور مُفید تھے درج ہونے سے رہ گئے۔ ان سب مضامین کو رفتہ رفتہ شائع کیا جائے گا۔ بعض ایسے مضامین کے شامل نہ ہونے کا بھی افسوس ہے جو اگرچہ بہت اچھے تھے لیکن رسالے کی ترتیب ہو چکنے اور کتابت شروع ہو جانے کے بعد ملے اور اس لیے اب وہ انشاء اللہ کبھی آئندہ شائع ہوں گے۔

اور ایک ضروری بات اور نوٹ کر لیجیے کہ آخرت نمبر صرف تین رسائل کا قائم مقام رہے گا اور اب اگلا رسالہ فروری کا رسالہ ہوگا جو انشاء اللہ وقت پر آپ کے پاس پہنچ گا۔

مولانا سید ابوالحسن صاحب ندوی

اُس پار

انجام سے بے خبری سب سے بڑی ناکامی ہے

جیسے روز صبح ہوتی تھی اُس دن بھی صبح ہوئی، سورج نکلنے سے پہلے سارا شہر جاگ اُٹھا، بازاروں میں چہل پہل شروع ہو گئی، دکان داروں نے دکانیں کھولیں، چرانے والے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے گلّے میدانوں کی طرف لے چلے، خانۂ کعبہ سارے شہر کی زندگی کا مرکز تھا، اس کے چاروں طرف قریش کے سرداروں کی مجلسیں لگیں، اطمینان و فراغت کے ساتھ باتیں شروع ہوئیں، جیسے نہ کہیں آنا ہے نہ کہیں جانا ہے، زمانہ ٹھہرا ہوا ہے اور زندگی ایک جگہ جا کر رُک گئی ہے، برسہا برس کسی دشمن نے اس طرف رُخ نہیں کیا، امن و امان سے زندگی کے دن گزر رہے ہیں، کھانا کھانا بچوں کو پالنا، مزے سے زندگی گزارنا، سال کے سال حج کے موقع پر اللہ کے گھر والوں کی روزی یہیں بھیج دیتا ہے، سارا عرب یہیں آ کر جمع ہوتا ہے، مُنہ مانگے دام ملتے ہیں، عزت بھی ہے فراغت بھی اور کیا چاہیے، سب کے قافلے [illegible] دن دہاڑے لٹیں اور قریش کا قافلہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلا جائے کوئی نظر اُٹھا کر نہ دیکھے۔ قریش کے سرداروں کا دماغ آسمان پر ہے، وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ شرافت، بہادری، عزت، عقل و سمجھ کسی میں کسی کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتے۔ اِدھر ایک مجلس گرم ہے، شعر و شاعری کا دَور چل رہا ہے، گویا بیت بازی ہو رہی ہے، اُدھر عرب کی لڑائیوں کے پُرانے قصے چھڑے ہوئے ہیں، اور اپنے بزرگوں کے جنگی کارنامے بیان ہو رہے ہیں۔ اس طرف شام و یمن کی سیاحت اور وہاں کے عجائبات کا تذکرہ ہے، یہ صاحب آج سے پچاس برس پہلے ایک موقع پر عرب ریاست کے کسی چھوٹے موٹے دربار میں شریک ہوئے تھے اُس کے قصے ایسے ذوق و شوق کے ساتھ سُنا رہے ہیں جیسے کل کی بات ہے، لوگ حیرت سے ان کو دیکھ رہے ہیں [illegible] للچائی ہوئی نگاہیں بتاتی ہیں کہ انھوں نے کوئی بڑا شخص اور امیروں کی کوئی مجلس نہیں دیکھی۔ ابوجہل، عتبہ، ولید، اور دوسرے سردار اپنی اپنی مجلسوں میں اپنے دوستوں میں بیٹھے نظر آ رہے ہیں، کچھ لوگ طواف بھی کر رہے ہیں، اور کچھ قریش کے سب سے بڑے بت ہُبل کے آگے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں۔ ابولہب البتہ یہاں [illegible] نہیں آتا، وہ اپنی دکان پر ہوگا، اُس کا [illegible] بڑھانے اور دو کے چار کو سود پر لگانے [illegible]

یہ وقت آنے والے کا انتظار کا ہے۔

دفعتاً سب لوگ چونک پڑتے ہیں، بات دُھکی رہ جاتی ہے، جس نے ایک مصرعہ پڑھا ہے وہ شعر ادھورا چھوڑ کر سُننے لگتا ہے، یہ آواز کیسی؟ کیا دُشمن؟ کوئی فوج؟ کہاں سے؟! مگر دُشمن آسکتا ہے، برسوں سے کسی نے اس طرف کا رُخ نہیں کیا۔

واصباحاہ! آواز تو بہت صاف ہے معلوم ہوتا ہے یہیں صفا کی پہاڑی سے کوئی پکار رہا ہے خطرے سے خالی نہیں، دیکھو تو آخر کیا بات ہے؟

واصباحاہ یہ تو صاف محمدؐ کی آواز ہے، آج تک اُنھوں نے اس طرح نہیں پکارا، آخر دُشمن کا خطرہ کس طرف سے ہے، چلو دوستو اب یہاں بیٹھنے کا کوئی کام نہیں۔

مجلسیں درہم برہم ہو جاتی ہیں، سارے مکے میں ہل چل مچ جاتی ہے، دُکانیں بڑھائی جا رہی ہیں، سارا مکہ صفا کی طرف لپکا جا رہا ہے۔ ہر طرف سے آدمیوں کے غول آ رہے ہیں، ابولہب بھی تیز تیز قدم بڑھاتے آ رہا ہے، اپنے بھتیجے (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز خوب پہچانتا ہے۔ آواز ہر شخص کو چونکا دینے والی ہے۔ اگر خطرہ سر پر ہے، دُشمن گھات میں ہے تو کھانے پینے کا مزا کیسا، بستی ان سُنی نہیں کی جا سکتی۔

دیکھتے دیکھتے سارا شہر صفا کے دامن میں جمع ہو گیا، ہزار تدبیریں کی جاتیں تو جو آج جمع ہوئے ہیں وہ جمع نہ ہو سکتے

آنے والے کل کی مصیبت سے خبردار کردینے والا سب سے بڑا دوست ہے

اس مجمع میں ہر طبقے کے لوگ ہیں، امیر، غریب، بڑے چھوٹے سب موجود ہیں۔ وہ بھی ہیں جو ہزار خوشامد سے نہ آتے ایک دوسرے کے مخالف جو ایک مجلس میں جمع نہیں ہو سکتے کاندھے سے کاندھا ملائے کھڑے ہیں، بے قرار نگاہیں ہیں، تاب کان مشتاق، اس توجہ سے کب کسی کی بات کوئی سنتا ہے، دُنیا میں کب کوئی جلسہ اس انتظام کے ساتھ ہوا ہوگا، مقرر ایک بلند جگہ پر کھڑا ہے۔ سب کی نگاہیں اُس پر لگی ہوئی ہیں، کان متوجہ ہیں، تقریر سننے کے لیے سارا شہر حاضر ہے ایک ایک منٹ پہاڑ معلوم ہوتا ہے، اس دُھوم دھام کے ساتھ آخر کیوں بُلایا گیا ہے؟ کیا اطلاع مقصود ہے؟ دُشمن کون ہے اور کس طرف سے ہے؟ یہ سوالات ہیں جو ہر شخص کے دل میں ہیں۔

دفعتاً آواز بلند ہوتی ہے:

لوگو! تم نے مجھے آج تک کیسا پایا؟

سارے مجمع کی طرف سے جواب ملتا ہے:

"سچا اور امانت دار، آج تک آپ کی طرف سے کسی جھوٹ اور دھوکے کا تجربہ نہیں ہوا۔"

پھر سوال ہوتا ہے: "اچھا اگر میں تم سے کہوں کہ دُشمن اس پہاڑ کے پیچھے چھپا ہوا ہے اور وہ تم پر اچانک حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا یقین کرو گے؟"

مجمع نے موقع کو دیکھا، ایک شخص جو سچا اور امانت دار ہے پہاڑ پر کھڑا ہے، اس پار بھی دیکھ رہا ہے

اور اُس پار بھی دیکھ رہا ہے مجمع پہاڑ کے دامن میں ہے
اُس پار کا سارا حال اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہے
پہاڑ بیچ میں حائل ہے، اب عقل کا فیصلہ کیا ہے؟
جہاں تک دیکھنے کا تعلق ہے، اُس پار کچھ نظر
نہیں آتا، سامنے پہاڑ کھڑا ہے، دوسری طرف کچھ نظر
نہیں آتا، اگر دیکھنے پر کسی چیز کے ہونے نہ ہونے کا فیصلہ
ہے تو پہاڑ کے پیچھے دُشمن تو دُشمن نہ زمین ہے نہ دُنیا،
نہ آدمی نہ آدم زاد، اس لیے کہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔
کچھ نظر نہیں آتا۔

مجمع نے کہا: "یقین نہ کرنے
کی کوئی وجہ نہیں، اس لیے کہ آپ
بلندی پر ہیں، آپ اس پار بھی
دیکھ سکتے ہیں اور اُس پار بھی
ہم صرف اسی پار دیکھ سکتے ہیں
اس لیے ہمیں آپ کی بات ماننی چاہیے
اور آپ کے کہنے کا اعتبار کرنا چاہیے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زبان
سے سب کچھ کہلوا لیا، اپنا اور ان کا فرق بھی منوا لیا
یہ بھی اقرار کروا لیا کہ بلندی اور پستی میں زمین و آسمان کا
فرق ہے، پستی میں کھڑے ہونے والے کو بلندی پر کھڑے
ہونے والے کی اطلاع کے انکار کا کوئی حق نہیں۔

پیغمبر کو یہی مقام حاصل ہے، وہ اسی بلندی پر
کھڑا ہوتا ہے، جہاں سے وہ اللہ کے حکم سے اُس پار کی
دُنیا کو اسی طرح دیکھتا ہے، جیسے اِس پار کی دُنیا کو،
اللہ جب اُسے دکھاتا ہے تو دوزخ و جنت اس کو
اس طرح نظر آتی ہیں جس طرح دُنیا والوں کو یہ
سامنے کی چیزیں، دوسری زندگی کی اُس کو اس طرح
حقیقت معلوم ہوتی ہے جیسے ہمیں دن کو سورج
چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

یہی نبوت کا بلند مقام ہے جو اس مقام پر نہیں
اس کو نبی کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں، اس کو
اپنے نہ دیکھ سکنے کی بنا پر انکار کا کوئی حق نہیں، ایک
صاف اور موٹی سی بات تھی، عرب کے لوگ اتنے جاہل
نہ تھے کہ اس کا انکار کرتے۔ اُنھوں نے مان لیا کہ
آپ کو ایک ایسی بات کی اطلاع
دینے کا حق ہے جو ہم اپنی آنکھوں
سے نہیں دیکھ رہے ہیں۔

زندگی کے اُس پار کیا ہے؟ یہ معلوم کیے بغیر زندگی بسر کرنا تو خودکشی ہے

اب آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگو،
میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا
ہوں۔"

یہ تھا وہ حقیقی دُشمن جس سے ڈرانے اور ہوشیار
کرنے کے لیے آپ نے مکے والوں کو جمع کیا تھا، یہ دُشمن گھات
میں ہے، زندگی اوٹ بن گئی ہے اور وہ نگاہ سے
اوجھل ہو گیا ہے، زندگی کا پردہ ہٹا اور اُس سے
سابقہ پڑا۔

اس دُشمن کے سامنے کسی دُشمن کی کیا حقیقت
یہاں کا دُشمن زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتا ہے؟ مال
لے، جان لے سکتا ہے لیکن [illegible]
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب [illegible]

کوئی اور سکتا ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آگ میں جلا ڈالیں سکتی۔ یہ اس کے بس سے باہر ہے۔

لیکن اگر یہ زندگی چُوک گئی، دوسری زندگی کا خیال ہی نہیں آیا، یا خیال تھا مگر خدا کے قانون کے خلاف ہی کرتے رہے اور شیطان کے راستے ہی پر چلتے رہے تو وہاں لاکھوں کروڑوں برس کا عذاب ہے، اور ہمیشہ کی کوفت، پھر کچھ نہیں ہو سکتا، لے دے کر ایک تیر تھا وہ بھی خطا کر گیا۔ ایک زندگی تھی وہ بھی ضائع ہو گئی۔ اب حسرت و افسوس کے سوا اور کیا ہے۔

عرب کے لوگ نبوت کی حقیقت اور خدائی باتوں سے اتنے بے خبر ہو چکے تھے اور اتنے دُور جا پڑے تھے کہ ان کو بچوں کی طرح سمجھانے اور مثالوں کی ضرورت تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سمجھانے کے لیے بہترین طریقہ اختیار کیا، دُنیا اور آخرت، پیغمبر اور غیر پیغمبر کی پُوری مثال دے دی۔ جب تک آدمی پہاڑ کے نیچے کھڑا ہے اُس کو دوسری طرف کی دُنیا نظر نہیں آسکتی، وہ اسی پار کی دُنیا کو پُوری دُنیا سمجھتا ہے، لیکن وہ اگر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جائے تو وہ اس پار دیکھ سکتا ہے۔

اب جس کو اللہ نے اس بلندی پر کھڑا کر دیا اور اس کو دونوں طرف دکھا دیا، وہ کیسے اس کا یقین نہ کرے اور اگر وہ کوئی خطرے کی بات دیکھ رہا ہے، دُشمن گھات [illegible] ہے یا اپنے کاروبار [illegible]

کس طرح بھاگنے اور خطرے سے ڈراتے ہی نہ دیکھے جس کا یقین ہے اور یہی پیغمبر کی بے چینی اور بے قراری کی وجہ جو اُن کے زمانے کے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

اب اگر نیچے کھڑے ہونے والے جو دُشمن سے اوٹ میں ہیں سب ایک زبان ہو کر شور مچائیں کہ تم غلط کہہ رہے ہو، کسی خطرے کا وجود نہیں، اس لیے کہ ہم کو کچھ نظر نہیں آتا، اور وہ اپنی اس بات پر اصرار اور پیغمبر کی اطلاع کا انکار کریں تو کیا اس کو ایک منٹ کے لیے بھی اپنے مشاہدے میں شک ہو سکتا ہے، کیا اس کے یقین میں کمی آسکتی ہے، کیا شور مچانے والوں کی تعداد، ان کی دولت و امارت، ان کی عقل و سمجھ، ان کا علم و تجربہ، ان کی عزت و وجاہت، ان کی طاقت و حکومت کسی وجہ سے بھی اس پر کچھ اثر پڑ سکتا ہے؟ نہیں، اس لیے کہ ان میں سے کسی چیز کو بھی اس بات میں کچھ دخل نہیں، پہاڑ پر کھڑے ہو کر دیکھنے والا اگر چیتھڑے لگائے ہے، اس کے پاس کھانے کو بھی نہیں ہے، وہ کہیں کا رئیس، وزیر کچھ بھی نہیں ہے، اکیلا ہے اور بے یار و مددگار، تب بھی پہاڑ کے اُس پار کے معاملے میں اُس کا کہنا معتبر ہے اور اُس کی اطلاع سچی۔ اور نیچے کھڑے ہو کر دوسری طرف کا انکار کرنے والے چاہے سونے چاندی میں ڈوبے ہوئے ہوں، اپنے وقت کے قارون و ہامان ہوں، ہزاروں لاکھوں ہوں پھر بھی ان کا انکار معتبر نہیں یہ تو کچھ دیکھنے ہی کی بات ہے [illegible]
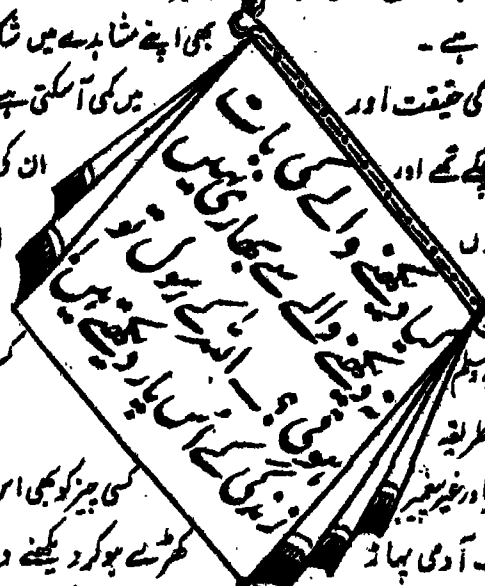
دیکھنے سے معذور' اس لیے اگر کوئی ان دولتمندوں کی دولت یا ان معززین کی عزت و حکومت کی وجہ سے ان کی بات کا اعتبار کرلے گا اور اس غریب تنہا خبر دینے والے کے لباس 'غربت' بے چارگی پر چلا جائے گا اور اُس کی اطلاع سے فائدہ نہ اُٹھائے گا' وہ نقصان اُٹھائے گا' اگر شہر ان معززین کی مانند مان کر پھر اپنے کاروبار میں مشغول ہو جائے گا' یا رات کو بیٹھی نیند پڑ کر سو جائے گا تو تباہ ہو جائے گا' دشمن ان غافلوں کو لوٹ لے گا' اور سارا شہر تاراج کر دے گا

پیغمبر نے اللہ کے عطا کیے ہوئے علم کی بنا پر جب اپنی قوم کو ایسے خطروں سے آگاہ کیا اور اُن کو اللہ سے ڈرنے اور دوسری زندگی کے لیے تیاری کرنے کی طرف متوجہ کیا' اور اُس عالم کی ان سے باتیں کرنی شروع کیں' تو اُس کی قوم کے لوگوں نے محض اس وجہ سے انکار کیا کہ ان کو کچھ نظر نہیں آتا تھا' پیغمبر نے ان کو سمجھایا اور اپنی بات یقین دلانا چاہا' مگر وہ کسی طرح نہ مانے اور یہی کہتے رہے کہ ہم کو تو کچھ دکھائی نہیں دیتا' تم کہاں کی باتیں کرتے ہو' اُنھوں نے چاہا کہ خود پیغمبر کو اس کے یقین سے ہٹا لیں' اور اس کو شک میں ڈال دیں وہ بھی ان کی طرح جاہلانہ باتیں کرنے لگے' مگر اُس کو اپنی کانوں سُنی اور آنکھوں دیکھی بات میں شک کیسے ہو سکتا تھا۔ تمھیں بھوک لگی ہے' بھوک کے مارے بُرا حال

اُس زندگی کی کامیابی کی فکر اس زندگی کو بھی کامیاب بناتی ہے

چند پڑھے لکھے لوگ جو بڑی بڑی کتابیں پڑھے ہوئے ہیں اپنے علم کے زور سے ثابت کریں کہ تمھیں بھوک نہیں ہے' تمھارا پیٹ بھرا ہوا ہے' کیا تم کو محض ان کی دلیلوں اور قابلیت سے اپنی بھوک میں شک ہو جائے گا۔

ایک آدمی درد سے تڑپ رہا ہے' کچھ فاضل یا ذہین لوگ اس سے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ تمھارے درد نہیں ہے' اور اس کا علمی ثبوت دیتے ہیں کیا وہ اپنے درد کا انکار کر دے گا؟

اسی لیے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی قوم کے ناسمجھ اور ضدی محض اپنی ناواقفیت کی بنا پر خدا کے معاملے میں بحث کرنے اور اُلجھنے لگے تو اُنھوں نے فرمایا:

اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰہِ وَ قَدْ ھَدٰىنِ (الانعام-ع ۹)

(تم اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہ صاف میری رہنمائی کر چکا ہے (مجھے اس کے بارے میں شک کیسے ہو سکتا ہے)

حضرت نوح علیہ السلام سے ان کی قوم نے کٹ حجتی کی تو اُنھوں نے یہی بات کہی:

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝ (ھود-۳) (میری قوم کے لوگو! بھلا دیکھو تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر قایم ہوں اور اُس نے مجھ کو اپنے پاس سے رحمت عطا کی ہے اور وہ تمھیں نہیں سوجھتی تو کیا ہم اس کو تمھارے گلے منڈھ دیں حالانکہ تم اس کو پسند نہیں کرتے

ہاں تو اس مجمع میں سے کسی نے ایسی صاف اور سمجھ میں آنے والی بات کا انکار نہیں کیا سب اپنی زبان سے کہہ چکے تھے کہ آپ سچے اور امانت دار ہیں، ہمیشہ آپ کا تجربہ اچھا رہا، کبھی آپ جھوٹ نہیں بولے، خیانت نہیں کی، اور یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ آپ بلندی پر کھڑے ہیں، آپ وہ چیزیں دیکھ سکتے ہیں جو ہماری نگاہ سے اوجھل ہیں اس لیے انکار کرنے کا کیا حق ہے، اتنا سب کچھ کہنے اور ماننے کے بعد وہ کس منھ سے انکار کرتے۔

مجمع خاموش رہا، لیکن ابولہب سے نہ رہا گیا، اس کے کاروبار کا بڑا حرج ہوا تھا، اتنی دیر میں وہ شاید سو پچاس کما لیتا، وہ تو اس گھبراہٹ میں دوڑا آیا تھا کہ کوئی دشمن آگیا ہے، وہ مکّے پر حملہ کرنے والا ہے، اگر دشمن کا حملہ ہوگیا تو اس کی دولت و سرمایہ لٹ لٹا جائے گا، اس کی عمر بھر کی کمائی خاک میں مل جائے گی، اس نے ایسے بیسیوں واقعات دیکھے تھے، جنگ میں لوگ روٹی کے ٹکڑوں کے محتاج ہو جاتے ہیں، وہ اس انجام سے ڈرتا تھا، اسے دراصل اپنی دولت کی حفاظت کی فکر ہی یہاں لائی تھی، وہ سمجھتا تھا کہ یہ سارا وقت اس کے کاروبار کے حساب ہی میں ہے اس لیے اس کو حرج نہیں معلوم ہوا، مگر اب اس کو سخت دھکا لگا، اس کو اپنے گاہکوں کے

آخرت سے بے نیاز ہو کر کامیابی کی امید ایک دھوکا ہے

منتشر ہو جانے اور اتنے وقت کے صرف ہو جانے کا صدمہ تھا، اسے موت زندگی کے مسئلے سے کوئی دلچسپی نہ تھی، کیسا آنا، کہاں کا جانا، بس یہ زندگی ہے، کماؤ کھاؤ مست رہو، یہ اس کی زندگی کا فلسفہ تھا، اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت غصہ آیا، بیٹھے بٹھائے اتنا وقت خراب کیا، اور مفت میں حیران کیا، دل کی بات زبان پر آگئی۔ بس اسی (وعظ) کے لیے جمع کیا تھا! نہ کہیں دشمن نہ کوئی خطرہ۔ یہ اچھا مذاق ہوا، گویا ابولہب کے نزدیک اتنی بڑی زندگی کا مسئلہ کوئی وقعت ہی نہیں رکھتا تھا۔ آخرت کا خطرہ، ہمیشہ کا عذاب، یہ کوئی بات ہی نہ تھی۔ وہ اپنے آنے پر پشیمان ہوا، اور اس کو اپنا وقت صرف کرنے پر بڑا غصہ تھا۔

یہ ہے مادہ پرست کی اصلی ذہنیت، یہ ذہنیت دنیا میں اب بھی پائی جاتی ہے اور شاید قیامت تک رہے۔ اسی لیے ابولہب کے قصے کو قرآن مجید نے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے، سورۂ لہب قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی، تم کو بھی یاد یاد ہوگی، اسی واقعے سے اس کا تعلق ہے +

مولانا جلیل احسن ندوی

قیامت کیوں ہوگی؟

یہ آسمان کی سبز چادر کس نے تانی؟ اور زمین کا یہ نرم فرش کس نے بچھایا؟ آسمان پر چاند، سورج اور اَن گنت ستارے کس نے پیدا کیے؟ وہ کون ہے جو اتنی باقاعدگی کے ساتھ چاند اور سورج اور ستاروں کی روشنی زمین پر پھینکتا ہے، جس سے ہماری کھیتیاں پکتی ہیں اور اندھیری رات میں چلنے والے مسافروں کو روشنی ملتی ہے، پھر وہ کون ہے جو ہوائیں چلاتا ہے، پانی برساتا ہے، اور زمین کے نیچے دبے ہوئے بیج کو پھاڑتا ہے، پھر وہ کون ہے جو ماں کے پیٹ میں بچے کی شکل بناتا ہے؟ وہ کون ہے جو پیٹ کی تین اندھیریوں کے بیچ بیچ بچے کو ہوا پہنچاتا ہے؟ اور ماں کے خون کو اس کی غذا بننے کے قابل بناتا ہے؟ وہ کون ہے جو بچہ پیدا ہونے سے پہلے ماں کی چھاتی میں صاف اور پاکیزہ دودھ کی نہریں جاری کر دیتا ہے؟ وہ کون ہے جو ماں کے سینے میں بچے کی محبت بھر دیتا ہے کہ وہ جان پر کھیل کر اسے جنتی ہے، پھر دو سال تک اپنے دودھ سے اس کی پرورش کرتی ہے؟ وہی دودھ [illegible] ہے ــــ پھر [illegible] وہ کون ہے جو گائے کے خون اور گوبر کے درمیان دودھ کی صاف شفاف نہر دوڑاتا ہے؟ اور وہ کون ہے جس نے

ہمارے چاروں طرف اَن گنت چیزوں کا ڈھیر لگایا جن سے ہم ہر طرح کے فائدے حاصل کرتے ہیں؟ ــــ خود اپنے اوپر غور کرو، تمھیں کس نے پیدا کیا؟ یہ جو تمھارے اندر ہر طرح کی جسمانی اور ذہنی قوتیں اور قابلیتیں پائی جاتی ہیں وہ سب کس کی بخشی ہوئی ہیں؟ ــــ ان سوالات کو یہیں پر اور اتنے ہی پر نہ ختم کرو بلکہ ان کو دُور تک پھیلاؤ، ــــ تو تمھاری رُوح کی گہرائیوں سے ایک آواز تمھیں سنائی دے گی، جس کی سچائی پر زمین و آسمان گواہی دیتے ہیں، اور وہ آواز یہ ہوگی:

وہ اللہ ہی ہے جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا، اور پیدا کرنے میں اس نے کسی سے مشورہ نہیں لیا، اور نہ کسی کو شریک کیا، نہ کسی فرشتے کو، نہ کسی دیوتا کو، اور نہ کسی پیغمبر کو، سب اسی کے پیدا کیے ہوئے اور سب اسی کے محتاج ہیں ــــ پھر جس طرح وہ اکیلا خالق ہے اور خلق میں اس کا کوئی شریک نہیں، اسی طرح وہ اکیلا ساری کائنات کا [illegible] وہ اکیلا [illegible] نہ وہ اپنے کسی کے مشورے کا محتاج [illegible] کسی کو شریک کار بناتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ اس نے کسی

قیامت
یا
اللہ کا رحم
اور انصاف

وہ کسی دیوتا یا فرشتے کو اپنی سلطنت کا انتظام سونپ دیا ہو اور ایسا بھی نہیں ہوا کہ وہ آسمان کا تو خود انتظام کرتا ہو اور دُنیا کا منتظم کسی اور کو اُسی نے بنا دیا ہو' نہیں' وہ بلاشرکتِ غیرے آپ تنہا انتظام کر رہا ہے ——— پھر اوپر کی دونوں باتوں کا یہ آپ سے آپ نتیجہ ہے کہ بادشاہی' فرماں روائی اور مکمل اقتدار اُسی کا ہو' وہی اپنی پُوری سلطنت کا حاکم اور بادشاہ ہو' یہاں قانون چلے تو صرف اُسی کا چلے' سلطنت کسی اور کی ہو اور قانون کسی اور کا چلے' یہ ایک سخت احمقانہ بات ہے ——— اگر اوپر کی تینوں باتیں کوئی مان لے تو وہ یہ بھی مانے گا کہ وہ اپنی پُوری سلطنت کا اور اس کی ہر چیز کا گہرا علم اور پُوری واقفیت رکھتا ہے اور اُس کے مہربان اور رحیم ہونے کی نشانیاں تو زمین و آسمان کے ہر گوشے میں اور ہر ہر قدم پر دیکھنے والی آنکھ دیکھتی ہے' بلکہ سچ یہ ہے کہ یہ پُوری دُنیا اُس کی رحمت کی ایک جھلک ہی ہے' اور اس پوری دُنیا کا انتظام رحمت ہی کی بُنیاد پر چل رہا ہے ——— پھر زمین و آسمان پر ذرا سا غور کرنے سے بھی یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ وہ انتہا درجہ کا عادل اور منصف ہے' [illegible] دُنیا اور اس کی ہر چیز اس بات پر [illegible] ظلم [illegible] کے [illegible] ہے

[illegible]

تمام اچھی صفتوں والا اور تمام خوبیوں کا مالک ہے! ——— یوں تو اُس کی ہر صفت ایسی ہے کہ تم اُس پر ٹھیر کر دیر تک غور کرو' اُس کی گہرائیوں میں اُترو' اور پھر اپنی رُوح کی گہرائیوں میں اُتار دو' لیکن آؤ آج کی فرصت میں اُس کی صفتِ عدل پر غور کریں' دیکھو ہمارا' تمہارا عقیدہ ہے کہ خدا عادل اور منصف ہے' اُس کا کوئی کام عدل و انصاف سے باہر نہیں ہے' بے انصافی اُس کی شان کے خلاف ہے! ——— یہ عقیدہ اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہے' اس میں کوئی غلطی نہیں پائی جاتی' واقعی خدا منصف ہے' انصاف اُس کی صفت ہے' اگر تمہارا یہ عقیدہ ہے تو میرے ایک سوال کا جواب دو' ہم اپنی بستی میں ایک آدمی کو دیکھتے ہیں کہ وہ خدا کی نعمتوں کا کبھی شکر نہیں ادا کرتا' ہم نے اُس کو کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا جو خدا کے شکر کا ایک صحیح اور بہتر طریقہ ہے' ہم نے اُس کو کسی نیکی کے کام میں دل چسپی لیتے نہیں دیکھا' کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اُس نے بستی کے لوگوں میں نیکی پھیلائی ہو ——— ان سب باتوں کے لیے اُس کی زندگی بالکل بنجر ہو کر رہ گئی تھی' ہاں بدی اور ظلم کی ہر راہ اُس کے لیے آسان تھی' اُس کے ظلم سے بستی کے سارے دبے اور پسے ہوئے لوگوں کا رواں رواں دُکھی تھا

[illegible]

دل دکھاتا اور دکھاتا ہی رہا، اس کی بدکاری نے بہت سی شریف عورتوں کی آبرو لوٹی، اور اس نے بستی کے بہت سے نوجوانوں کو اپنی بدکاری کی چھوت لگا دی! —— ادھر یہ سب کچھ ہوتا رہا، اور اُدھر یہ حال تھا کہ اُس کے گھر میں خوش حالی برستی رہی، اس کی صحت بہت اچھی تھی، اور برابر اچھی ہوتی جا رہی تھی، اس کے سر میں کبھی ہلکا درد بھی نہیں ہوا، یہاں تک کہ اسی حالت میں مر گیا! ——

ایک یہ شخص تھا جس کی زندگی کا یہ نقشہ تھا۔ اور دوسرا ایک اور آدمی اسی کے پڑوس میں نہایت نیک خدا سے ڈرنے والا، اور لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں نہایت کھرا، اس کی پوری زندگی نیکی پر قایم تھی، اس نے کبھی کسی بدی اور ناانصافی کے پھیلانے میں کوئی حصہ نہیں لیا، اور نہ بدی میں اپنے خاندان اور بستی کا کبھی ساتھ دیا، —— لیکن وہ غریب تھا، تنگ دستی کا مارا ہوا تھا، اور اسی حالت میں اس کو موت آئی، اور اس نے اپنے پیچھے نیکی کے سوا کچھ نہیں چھوڑا، —— ان دو مختلف قسم کے آدمیوں کی زندگی پر غور کرو، سوال یہ ہے کہ پہلے بدکار شخص کو اس کے ظلم اور بدی کی کوئی سزا نہیں ملی، وہ اپنے عمل کی سزا سے صاف بچ کر موت کی گود میں جا پہنچا، اور یہ دوسرا شخص بھی

کیا باغیوں اور فرماں برداروں کا درجہ برابر ہوتا ہے؟ — یہ کیسی باتیں کر رہے ہو!

اپنی نیکیوں اور بھلائیوں کے انعام سے محروم اس دنیا سے چلا گیا! —— حالات کا یہ تجزیہ ہم کو اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ اس بدکار کو اس کی بدکاری کی پوری سزا ضرور ملنی چاہیے، اور اس نیک مرد کو اس کی نیکیوں پر انعام بھی ضرور ملنا چاہیے کیونکہ زمین کا مالک —— اللہ —— عادل اور منصف ہے مہربان اور رحیم ہے، ضروری ہے کہ ایک دن یہ دنیا کی زندگی ختم ہو، اور لوگوں کے عمل کے کھاتے بند ہوں، تاکہ ہر ایک کے اچھے اور بُرے کاموں کا ٹھیک ٹھیک ریکارڈ سامنے لایا جا سکے، پوری واقفیت اور علم والے خدا کی طرف سے انصاف کی عدالت قایم ہو، اور پھر نیک و بد کو پوری پوری جزا و سزا مل سکے! ——

—— یہاں تک تو ہم کو ہماری عقل پہنچاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ہمارے سامنے دُنیا کے بہترین سچے انسانوں کا ایک بہت بڑا گروہ آتا ہے جو پوری قوت اور یقین کے ساتھ ایک زبان ہو کر کہتا ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے، اس دُنیا کے بعد ایک اور دُنیا ہے، یہ زندگی ضرور ختم ہوگی اور دوسری زندگی ضرور شروع ہوگی، قیامت ضرور ہوگی، حساب کا ایک دن لازماً آ[illegible]

> موت سے پہلے سرفرازی اور موت کے بعد کامیابی کا مدار آخرت کے پختہ یقین پر ہے

خدا کی عدالت انصاف سے ہر نیک و بد کو اس کے اپنے کیے کا پھل ضرور ملے گا ـــــ یہ گروہ جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، پیغمبروں کا گروہ ہے، اس گروہ کے کسی شخص کو کبھی کسی نے کسی معاملے میں جھوٹ بولتے نہیں دیکھا، اور اس کی زندگی کے دامن پر اس کے کٹر سے کٹر دشمنوں کو بھی باوجود تلاش کے کوئی دھبہ نظر نہیں آیا، بتاؤ ایسے پاک لوگوں کی بات پر کیسے یقین نہ کریں جبکہ اس بات کے ہونے کی ہماری عقل بھی گواہی دیتی ہے ـــــ

بات اتنی ہی نہیں ہے، بلکہ غافل انسانوں کو چونکانے کے لیے، بے ہوش آبادیوں کو ہوش میں لانے کے لیے، اور حساب کا دن یاد دلانے کے لیے، خدا کی طرف سے نشانیاں ظاہر ہوتی رہتی ہیں، کیا تم نے اپنے ملک میں ظاہر ہونے والی تازہ نشانی کا حال نہیں سنا؟ ـــ ہندوستان کے پچھمی حصے کے ایک علاقے میں پہاڑ اور اس کے قریب کا میدانی علاقہ اچانک ایک سخت دھماکے کے ساتھ پھٹ پڑا، اس میدان میں بائیس جگہ بڑے بڑے دہانے ہو گئے، زمین اور پہاڑ کے پھٹنے سے پانی کا ایک ایسا سخت طوفان آیا کہ ہر چیز کو تنکے کی طرح بہا لے گیا، پانی کا یہ دھارا تیس فٹ چوڑا اور آٹھ میل لمبا تھا، اور برابر چار گھنٹے تک اُبلتا رہا، انسان، حیوان، مکان، درخت اور ہر چھوٹی بڑی چیز جو بھی اس کے سامنے آئی تباہ ہوتی چلی گئی، لوگ اونچے درختوں کی طرف بھاگے اور اُن کی چوٹیوں پر جا بیٹھے، لیکن یہ طوفان اونچا ہوا اور پانی کا اتنا زور بڑھا کہ درختوں کی چوٹیاں بھی ڈوب گئیں، اب وہ سارا علاقہ ایسا ہو گیا ہے جیسے کہ قیامت آگئی ہو، ـــــ

ـــــ یہ خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اس بات کی کہ فیصلے کا دن آکر رہے گا، اسی طرح کا، بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ خوف ناک، زلزلہ پچھلے دنوں امریکہ میں آیا تھا اس کے بعد ایک اچھا خاصا شہر دھنس گیا اور ابھی پچھلے ہی سال تو صوبۂ آسام کا ایک پورا گاؤں زمین کے نیچے دھنس گیا ـــ اس طرح کے زلزلے اور طوفان خبر دیتے ہیں کہ قیامت کا بڑا زلزلہ بھی آنے والا ہے اور آ سکتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ آسمان و زمین کے اندر قیامت کا وجود ایسا ہے جیسے ماں کے پیٹ میں نو ماہ کا پورا بچہ کہ جس کو اس کی ماں چھپا بھی نہیں سکتی اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کب یہ بوجھل ماں اُسے جنم دے گی۔

جناب مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی

ایک انوکھی اطلاع

دُنیا میں انسانوں کا ایک گروہ گذرا ہے، جو کہتا رہا ہے کہ:

"ایک دن ایسا آئے گا جب دُنیا کا موجودہ نظام ختم ہو جائے گا، نہ یہ زمین رہے گی نہ یہ آسمان رہے گا، نہ یہ چمکنے والے تارے رہیں گے نہ یہ ٹھنڈی کرنیں برسانے والا چاند رہے گا اور نہ یہ گرمی اور روشنی لٹانے والا سورج رہے گا ــــــ غرض سب کچھ فنا ہو جائے گا۔

اور پھر ــــــ؟ پھر ایک نیا عالم نمودار ہوگا، جس کا رنگ ڈھنگ کچھ اور ہی ہوگا، جس کا آئین و قانون بالکل جُداگانہ ہوگا جس کا پورا انتظام بدلا ہوا ہوگا۔ اور اُس دن سارے انسان جو مر کر مٹی میں مل چکے ہوں گے دوبارہ پیدا کیے جائیں گے۔"

وہ دن کیوں آئے گا اور اس میں کیا ہوگا؟ [illegible]

وہ دن اس لیے آئے گا کہ دنیا کی [illegible]

زندگی میں انسانوں نے جو کچھ کیا ہے اُس کی جانچ ہو، اور اللہ تعالیٰ سارے جہان کا مالک اور بادشاہ ان کے عمل کا حساب کتاب لے۔ جو لوگ اُس کا نام لینے والے اور اُس کی مرضی کے مطابق کام کرنے والے ثابت ہوں اُنھیں شاباش کہے اور اپنی ایسی ایسی نعمتوں سے نوازے جس کا اس دُنیا میں کسی نے لطف تو کیا اُٹھایا ہوگا کسی بڑے سے بڑے نواب اور بادشاہ نے ان کا تصور تک بھی نہ کیا ہوگا، رہے وہ لوگ جو اس حساب کتاب میں اپنے حقیقی معبود کے ناشکرے اور نافرمان ثابت ہوں تو اُنھیں اپنی نوازشوں کا نااہل قرار دے کر ایسی سخت سزا دے گا جن کا نام ہی جسم کو تھرا دینے والا اور دل کو ہلا دینے والا ہے۔

یہ اطلاع جو گروہ دیتا رہا ہے [illegible]

ہر شخص کی کمائی الگ الگ ہے کسی کا نتیجہ آسانی اور آرام ہے اور کسی کا دُکھ اور تکلیف

کرتا ہے تو وہ کہاں تک دل کو لگتا ہے ؟

اس گروہ میں جو لوگ ہیں وہ سب کے سب اپنے وقت کے سب سے بڑے آدمی ہیں ——— سب سے بڑے آدمی کا مطلب وہ نہ سمجھنا جو آج کل عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ آج کل تو سب سے بڑا آدمی وہ ہوتا ہے جو وضع قطع تو شریفانہ رکھتا ہو مگر اندر سے انتہائی مکار، پرلے درجے کا فریبی، پوری ڈھٹائی سے جھوٹ بولنے والا اور بے ایمانی پر ایمان رکھنے والا ہو۔ اس کے برخلاف "سب سے بڑے آدمی" سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ سچا، سب سے زیادہ امانت دار، سب سے زیادہ قابلِ اعتبار اور سب سے زیادہ ایماندار ہو، جس کو جھوٹا اور بے ایمان کہنے کی جرأت اُس کے کٹر سے کٹر دشمن کو بھی نہ ہو سکے۔ چنانچہ انھیں میں سے ایک بڑے آدمی کا، جو ان بڑوں میں سب سے بڑا تھا، واقعہ ہے کہ اس کے سب سے بڑے کٹر دشمن (ابوجہل) نے ایک روز اس کے سامنے صاف صاف کہا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تمھیں جھوٹا نہیں کہتا، مگر جو بات تم پیش کرتے ہو وہ میری سمجھ میں نہیں آتی..."

یہ دریافت کیا کہ "تم لوگوں سے اُس نے اب تک جو معاہدے کیے ہیں اُنھیں پورا کیا یا نہیں؟" تو انتہائی جوشِ مخالفت کے باوجود اُسے یہ اقرار کرتے ہی بَن پڑا کہ "ابھی تک تو اُس نے کبھی کسی عہد کو توڑا نہیں۔"

اس گروہ میں سے ایک کا نام تو تم سُن چکے، چند نام اور سُن لو: آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسحاقؑ، اسمٰعیلؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ (اللہ ان سب پر اپنی رحمتیں نثار کرے) ویسے تو اس گروہ کے افراد کی تعداد ہزاروں سے اوپر پہنچتی ہے، مگر ہم نے یہ چند نام لے دیے ہیں، اس لیے کہ ان سے ساری دُنیا واقف ہے، اور تاریخِ عالم میں نیکی اور امن کے جتنے نقوش نظر آتے ہیں وہ سب انھیں پاک ہستیوں کا طفیل ہیں۔

کیا یہ ساری دُنیا یوں ہی بے کار پیدا ہو گئی ہے؟

اس کا کوئی انجام نہیں؟ ——

ہرگز ایسا نہیں ہے

اب اپنے دل سے پوچھو کہ ایسے لوگوں کی یہ اطلاع مانی جائے یا نہیں۔ کیا تمھارا دل یہ باور کرتا ہے کہ ان سب لوگوں نے جن کی پوری زندگی دیانت اور سچائی کا مکمل نمونہ تھی، اس ایک مسئلے میں متفقہ طور پر غلط بیانی اور دروغ گوئی کی ٹھان لی تھی؟ پھر یہ بات بھی جو ان لوگوں نے کہی، کچھ یوں نہیں کہی کہ یہ ہمارے غور و فکر کا نتیجہ ہے، بلکہ ان لفظوں میں کہ خدا نے ہمیں اس کی خبر دی ہے۔ خدا اب ...

کہ معاملہ کتنا اہم اور نازک ہو گیا۔ اب ان کی اس بات کے نہ ماننے کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے خیال میں وہ لوگ خدا کے نام پر بے تکان سفید جھوٹ بول سکتے ہیں جنھوں نے کبھی کسی انسان کے بارے میں بھول کر بھی غلط گوئی سے کام نہ لیا ہو ـــــــ اگر تمھاری عقل اس امر کو ممکن سمجھتی ہے تو شاید اُس کے لیے اس دُنیا میں مشکل ہی کوئی بات ناممکن ہو سکتی ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے لیے یہ امکان بھی کسی درجے میں تسلیم کر لیا جا سکتا تھا اگر ہم یہ دیکھتے کہ اس بات کے پیش کرنے سے انھیں کوئی دُنیوی فائدہ ہو گیا، کچھ عزت مل گئی، کچھ شہرت حاصل ہو گئی، کچھ راحت ہاتھ آ گئی، بخلاف اس کے ہم جانتے ہیں کہ اس طرح کی باتوں کا مُنھ سے نکلنا تھا کہ گویا ہر طرف سے ایک طوفان اُمڈ آیا۔ ان کا مذاق اُڑایا جانے لگا، اُن کو دیوانہ کہا گیا، وہ بسڑی اور پاگل قرار دیئے جانے لگے، انھیں برادری کا باغی اور سماج کا دُشمن ٹھہرا دیا گیا اور ایک ایک کر کے سارے انسانی حقوق سے محروم کر دیا گیا، یہاں تک کہ لوگ ان کے خون کے پیاسے ہو گئے اور آخر کار انھیں یا تو موت کی نیند سُلا دیا گیا یا دیس نکالا مل گیا۔

غور کرو اور دیکھو کہ ان حالات کے پیش نظر ... [illegible]

کتنی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

اچھا تھوڑی دیر کے لیے ان لوگوں کی نیکی اور سچائی کو بھی ایک طرف رکھ دو اور خود اس دعوے یا اطلاع کی معقولیت اور واقعیت پر نظر ڈالو اور تول کر دیکھو کہ اس میں کتنا وزن ہے؟ اس روز قیامت آنے کی ضرورت کیا ہے؟ کیا یہ مناسب نہ تھا کہ یہ دُنیا یوں ہی باقی رہتی، اور ہم لوگ پیدا ہوتے کھاتے پیتے اور مر کر ہمیشہ کے لیے ختم ہوتے رہتے؟ اس سوال کا جواب بڑی آسانی سے مل جائے گا اگر تم ایک ایسے آدمی کا تصور کر لو جو بڑے نظم اور اہتمام سے ایک نہایت موزوں اور عمدہ محل تعمیر کرتا ہے جس میں کہیں سے بدسلیقگی اور نقص کا وجود نظر نہ آتا ہو، اور پھر اسے یوں ہی چھوڑ دیتا ہو، پوچھنے پر بھی وہ اس کا کوئی مصرف نہ بتاتا ہو، اور اگر بتاتا بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ ایک دن اس میں ڈائنامیٹ لگا کر اُڑا دوں گا ـــــــ بتاؤ تو سہی ایسے آدمی کے بارے میں تم کیا رائے قائم کرو گے؟ کیا اسے کوئی عقل مند انسان کہو گے؟ ... کے دماغ میں حکمت اور تدبر کا وجود تسلیم کرو گے؟ ... بہت اونچی ... [illegible]

نہیں تیار ہو سکتے۔ اور چاہے اس کے ساتھ کتنی ہی رعایت کرو، مگر حکمت و دانائی کا سرٹیفکیٹ اسے کسی حال میں بھی نہیں دے سکتے۔ تو کیا دیانت اور انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ جو بات ایک معمولی مخلوق کے لیے بھی شرم کا باعث ہو، اُس کی خالقِ کائنات کی طرف بے تکلف نسبت کر دی جائے؟ کیا تم اس کے لیے تیار ہو کہ خدا کو اتنا بھی حکیم و دانا نہ تسلیم کرو جتنا اپنے کو سمجھتے ہو؟ اگر ایسا نہیں ہے تو کیسے کہہ سکتے ہو کہ اُس نے دُنیا کا یہ منظم کارخانہ پیدا تو کیا ہے اور انسان کو بہترین صلاحیتوں سے آراستہ کرکے اس کو دُنیا برتنے کے لیے بھیجا تو ضرور ہے مگر آگے نہ اس کا کوانجام ہے نہ مقصد و مدعا۔ تعالی اللہ عمّا یقولون۔

جناب شاکر صاحب گیاوی

آخرت
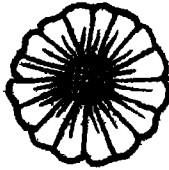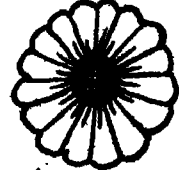
صاف ہر آغاز کا انجام ہے
یہ نظارہ روز صبح و شام ہے

ختم جب ہوتی ہے دُنیاوی حیات
ساتھ جاتی ہے عمل کی کائنات

لاتے ہیں گل سَڑ کے دانے بال جب
رائگاں جائیں گے یہ اعمال کب؟

ایک دن لاریب ایسا آئے گا
آدمی اپنے کیے کی پائے گا

ہم اُسے کہتے ہیں ”یوم آخرت“
جس میں دیکھیں گے عذاب و مغفرت

آخرت پر جس کو ہوتا ہے یقیں
اُس کے بن جاتے ہیں دُنیا اور دیں

آخرت آگاہ دُنیا کا امام
امن و حق صلح و سلامت کا پیام

کیا ہوگا؟

جس وقت

آسمان پھٹ جائے گا!

جس وقت،

تارے جھڑ جائیں گے!!

جس وقت،

سمندر اُبل پڑیں گے!!!

جس وقت،

مُردے قبروں سے جی اُٹھیں گے!!!!

ہاں اُس وقت!

ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا

کہ دُنیا میں اُس نے کیا کمایا تھا!
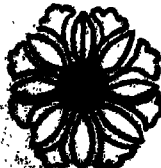
اُس نے اپنی آنے والی زندگی کے لیے

کیا بھیجا تھا!

اور وہ اپنے پیچھے اپنے کرتوتوں کا

کیا اثر چھوڑ گیا تھا!

اے انسان تو کس دھوکے میں ہے؟

تو کس بُھلاوے میں ہے؟

تو نے اپنے مہربان آقا کو کس طرح بُھلا دیا؟

وہ آقا!

وہ مہربان آقا!!

جس نے تجھے پیدا کیا۔

جس نے تیری ساخت کو [illegible]

جس نے تیری ساخت کو بہترین توازن بخشی۔

جس نے تجھے صورت عطا کی ۔

ایسی صورت جیسی اُس نے چاہی ۔

نہیں !

یہ صرف اُس مہربان آقا کی

نعمتوں کی ناشکری ہی نہیں ہے !

یہ صرف خدا فراموشی ہی نہیں ہے !

بلکہ یہ تو

جُھٹلانا ہے ــــ بدلے کے دن کا جُھٹلانا

سوچو !

کیا نیکی کا کوئی بدلہ نہیں ؟

کیا مجرموں کی کوئی سزا نہیں ؟

کیا ظالموں کی کوئی پکڑ نہیں ؟

نہیں ! نہیں !!

ایسا ہو تو انصاف نہیں ہے

ایسا تو ہو نہیں سکتا

تمہارا آقا تو بڑا انصاف والا ہے !

وہ ضرور بدلہ دے گا ۔

اچھائی کا بھی ! اور بُرائی کا بھی !!

سُن رکھو !

تم پر نگرانی ہو رہی ہے !

ہمارے فرشتے ــــ نگرانی کر رہے ہیں

انھیں سب کچھ خبر ہے

وہ سب کچھ جانتے ہیں کہ تم کیا کر رہے ہو

ایک دن بدلہ ملنا ہے

یقینی بدلہ !

اُس دن نیک لوگ جنت میں ہوں گے

اور گنہگار ـــــ دوزخ میں

اُس دوزخ میں جس سے وہ نکل نہ پائیں گے

ـــــ حکمت اسی کا نام ہے!

ـــــ انصاف کا تقاضا یہی ہے!!

اور ہاں تم کچھ سمجھے؟

تم نے جانا یہ روزِ جزا کیا ہے؟

ہاں بولو! کچھ جانتے ہو؟

یہ روزِ جزا کیا ہے؟

یہ دن!

یہ ہر ہر کام کے بدلے کا دن ہو گا

اس دن کوئی کسی کے کچھ کام نہ آئے گا

ـــــ اس دن سارے سہارے بے بُنیاد ثابت ہوں گے

سارے سہارے!

ـــــ اس دن کسی کو کچھ اختیار نہ ہو گا

ذرا بھی اختیار!!

فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہو گا

حکم بس اُسی کا چلے گا

صرف اُسی کا حکم

(سورۂ انفطار کی روشنی میں)

جانتے ہو ـــــ سب سے بڑا دیوالیہ کون ہے؟

وہ جس کی ساری دَوڑ دھوپ صرف دُنیا کے لیے رہی!!

وہ یہی سمجھا کیا کہ بڑا اچھا کام کر رہا ہوں۔

آخری امتحان

مولانا جلیل احسن صاحب ندوی

اگر تم کسی آدمی کو بہت سا اور طرح طرح کا تجارتی سامان دے کر کسی بڑے تجارتی شہر یا کسی بڑے میلے میں بھیجو تو جب وہ واپس آئے گا تو تم کیا کرو گے؟ اُس سے اپنا پورا حساب مانگو گے یا چھوڑ دو گے ؟

ہمیں یقین ہے کہ تم اُس سے پورے کام کی رپورٹ مانگو گے، اس سے پوچھو گے کہ اُس نے کیا کمایا اور کیا گنوایا ؟ تجارت میں نفع ہوا یا گھاٹا ؟ ——— پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ خدا جس نے ہم کو پیدا کیا، ہر طرح کی دماغی اور جسمانی قوتیں دیں، زبان کی قوت، قلم کی قوت، سوچنے اور سمجھنے کی قوت، بہترین صحت، بہترین جوانی، علم، دولت ——— اور ان کے علاوہ ہر طرح کی نعمتیں ہمارے اردگرد پھیلی ہوئی ——— اتنی اَن گنت نعمتیں دے کر اُس نے ہم کو زمین پر بسایا، کیا وہ ہم کو یونہی چھوڑ دے گا کچھ نہیں پوچھے گا؟ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا! ایسا ہونا انصاف کے خلاف ہے اور خدا تو منصف ہے ——— سچی بات یہ ہے کہ وہ حساب لے گا [illegible] ہم سے اور تم سے

پوری زندگی کا، زندگی کے ایک ایک لمحے کا، اور اُن تمام نعمتوں کا جن سے ہم فائدہ اُٹھا رہے ہیں، اور اُن تمام قوتوں اور قابلیتوں کا جو اُس نے ہم کو بخشی ہیں پورا پورا حساب مانگے گا، وہاں تمہارا مالک تم سے پوچھے گا کہ تم نے اپنی زندگی کس طرح گزاری، ہم نے تم کو زبان کی قوت دی تھی اُس کو تم نے کہاں استعمال کیا؟ ہم نے تم کو قلم کی قوت دی تھی وہ کس راہ میں صرف ہوئی؟ ہم نے تم کو دماغ کی قوت اور صحت اور جوانی دی تھی، ان کو تم نے کس راہ پر لگایا؟ ہم نے تم کو دولت بخشی تھی وہ کہاں خرچ ہوئی؟ اسی طرح ایک ایک چیز کے بارے میں پوچھ ہوگی، یہاں تک کہ یہ بھی پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنے دل میں کس قسم کے خیالات کی پرورش کی تھی ———

کونسا کام اچھا ہے؟

صرف وہ کام جسے اللہ اور اُس کے رسول اچھا بتائیں

یہ آخری امتحان ہے جس کے بعد کوئی امتحان نہیں، اور اس میں تیاری کے لیے اور کامیاب ہونے کے لیے یہ زندگی آخری حیات ہے جس کے بعد کوئی مہلت نہیں ہے اور نہ دی جائے گی ——— پس ہماری اور تمہاری

زندگی کا فیصلہ کن سوال یہ قرار پایا کہ اس امتحان میں کامیابی کی کیا شکل ہے، کیوں کر اور کس طرح کی تیاری کریں کہ اس امتحان سے بخیریت گزر جائیں، اس سوال کو یہیں اور ابھی حل کرنا ہے کیوں کہ امتحان کی گھڑی معلوم نہیں ہے، ہماری اپنی تیاری کی مہلت کتنی ہے، یہ ہم نہیں جانتے !!!

آخرت میں کامیاب ہونے کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ہماری زندگی کے کارنامے خدا کی نگاہ میں کیسے ثابت ہوتے ہیں، ہمارا عمل کھوٹا سکہ ثابت ہوگا یا اس کی کوئی قیمت لگے گی، اس بارے میں خدا کی کتاب جو کچھ کہتی ہے اور اس کی جو کچھ تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں آدمی کی کامیابی کی تین شرطیں ہیں، اور تینوں ایک ایک دوسری سے بڑھی ہوئی ہیں، اگر ان میں سے کوئی ایک نہ پائی گئی تو مشکل ہے کہ حساب کی میزان (ترازو) میں اس کا عمل وزنی ہو سکے، اور اس کی کوئی قیمت لگ سکے ! ——

پہلی شرط یہ ہے کہ اسلام جو قرآن و حدیث ہے جو فہرست نیک کاموں کی بناتا ہے اور جو فہرست برے کاموں کی وہ پیش کرتا ہے اسے آدمی لے، اور جوں کا توں قبول کرے، اپنی طرف سے اس میں کمی بیشی نہ کرے اور پھر یہ طے کرے کہ اسی نقشے کے مطابق وہ اپنی زندگی کی عمارت اٹھائے گا، جو گوشے بنے ہیں مگر غلط اور ٹیڑھے بنے ہیں انھیں ڈھا دے گا چاہے اس میں کتنا ہی مالی نقصان ہو، اور جو گوشے نہیں بنے ہیں، انھیں "اسلامی نقشے" کے مطابق بنائے گا، چاہے اس میں پوری عمر کھپ جائے ——

یہ پہلی شرط لازمی ہے، پس جو شخص ان دونوں فہرستوں کو نہیں لیتا، اور اپنی طرف سے نیکی اور بدی کی فہرستیں بناتا ہے وہ حساب کے دن دیکھے گا کہ اس کی پوری دنیا کی زندگی اکارت گئی، اسی طرح اس کی زندگی بھی برباد ہی سمجھو جو ان میں دونوں میں یا ایک میں، اپنے جی سے کچھ کمی بیشی کرتا ہے ایسے لوگوں کے دنیا کے کارنامے کتنے ہی شان دار ہوں لیکن ان کی کوئی قیمت نہ لگ سکے گی ۔

کونسا کام اچھا ؟ —— صرف وہ جو اللہ کے قانون اور اُس کی ہدایت کے مطابق کیا جائے ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ فہرست میں دیے ہوئے نیک کاموں کو اس طرح کیا جائے جس طرح خدا کے پیغمبروں نے بتایا ہے اور جس طرح کر کے دکھایا ہے، جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اور کر کے دکھایا ہے، پس جو شخص کسی نیکی کو اختیار کرے، مگر اسے خدا کے پیغمبر کے بتائے ہوئے طریقے سے ہٹ کر کسی اور طریقے سے کرے، تو اس کی اس نیکی کے لیے حساب کی میزان میں کوئی وزن نہ ہوگا، آخرت کے بازار میں اس کے اس نیکی کی [illegible]

—— دوسری لازمی شرط ہے جو کسی عمل کو وزنی بناتی ہے، اور تیسری شرط یہ ہے کہ دُنیا کی زندگی میں آدمی نیکی کا کام کرنے سے پہلے اپنے دل کو اچھی طرح ٹٹولے، اسے پُوری بے رحمی کے ساتھ کھنگالے، اس کے ایک ایک گوشے کو جھاڑے اور صاف کرے، وہ نیکی کا کام صرف خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرے، اس کے دل میں دوسروں کو دکھانے اور خوش کرنے اور اُن کے نزدیک بھلا آدمی بننے کی خواہش نہ ہو، اس کو اس کام پر اُبھارنے والا صرف یہ جذبہ ہو کہ خدا کو یہ کام پسند ہے ——

اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر کسی شخص نے کوئی بڑے سے بڑا نیک کام دکھاوے کے لیے نام و نمود کے لیے، یا کسی کو خوش کرنے کے لیے، یا لوگوں کی نظروں میں پارسا بننے کے لیے کیا، تو خدا کے یہاں اسے اس پر کوئی انعام نہ ملے گا، بلکہ اُلٹا اس پر جعل سازی کا دوہرا مقدمہ چلے گا، کہ اس نے اپنے بارے میں انسانوں کو فریب دیا، اور خدا کو بھی فریب دینے کی کوشش کی —— یہ نیت کی صفائی بڑی چیز ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بہت تاکید فرماتے تھے، آپ نے اپنے صحابیوں کو اور اُن کے واسطے سے ہر زمانے اور ہر ملک کے ایمان والوں کو بتایا کہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے

جیسی نیت ہوگی ویسا ہی اس کے ساتھ قیامت کے دن معاملہ ہوگا، اور اسی حقیقت کو آپ نے ایک دن یوں بیان کیا:

"قیامت کے دن خدا کے سامنے تین آدمی لائے جائیں گے ایک عالم، دوسرا مالدار، تیسرا خدا کی راہ میں اُس کے دین کے دُشمنوں سے جنگ کرنے والا۔ عالم سے پوچھے گا تم نے دین کا علم کاہے کے لیے سیکھا؟ وہ کہے گا خدایا اس لیے تاکہ لوگوں کو تیرا راستہ بتاؤں، خدا کہے گا تو جھوٹ کہتا ہے تیری نیت تو یہ تھی کہ لوگ تجھے عالم کہیں، سو تو دُنیا کے لوگوں کی طرف سے اس کا بدلہ پا چکا، جا تیرے لیے میرے پاس کوئی بدلہ نہیں ہے، اسی طرح مالدار کو وہ جھٹلا دے گا، اور کہے گا تو نے غریبوں کو اس لیے دیا کہ لوگ تجھے سخی کہیں، جا میرے پاس تیرے لیے کچھ نہیں ہے، اسی طرح تیسرے کی بات بھی اس کے منہ پر مار دے گا اور کہے گا تو جھوٹا ہے، تو نے اس لیے جان لڑائی کہ لوگ تجھے بہادر کہیں، جا تیرے لیے بھی میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"

حضور کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ صرف انھیں تین آدمیوں کے ساتھ قیامت کے دن یہ معاملہ ہوگا، نہیں، بلکہ آپ لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہر شخص کے ساتھ یہی معاملہ ہوگا، ہر شخص سے پوچھ ہوگی۔ ہر شخص کی نیت جانچی جائے گی اور ہر دل کا کھوٹ اُس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔

—— اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں کے بعد یہ دعا مانگتے تھے:

"اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور کھوٹ سے پاک دل کا سوال کرتا ہوں"

کون سا کام اچھا ہے؟
صرف وہ جو محض اللہ کی
خوشنودی حاصل کرنے کے لیے
کیا جائے

مولانا ابواللیث صاحب ندوی اصلاحی

زندگی پر عقیدۂ آخرت کا اثر

قیامت یا آخرت کے الفاظ تم نے بارہا سُنے ہوں گے اور ممکن ہے تم اپنی ماں یا دادی کے علاوہ کسی اور سے سُن کر یہ بھی جانتے ہو کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے قیامت پر ایمان لانا ہمارے لیے ضروری ہے، لیکن معلوم نہیں تم نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا ہے یا نہیں کہ اس کے ماننے کا ہماری زندگی سے کیا تعلق ہے۔ آیا قیامت کے ماننے کا فائدہ یا غرض بس اتنی ہی ہے کہ ہمارے علم میں ایک نئی بات آجاتی ہے، یا یہ کہ اس ماننے کا ہماری زندگی پر بھی کچھ اثر پڑتا ہے۔

اس زمانے میں لوگ عام طور سے مذہب کی باتوں پر زیادہ غور و فکر نہیں کرتے، اس لیے بہت سے لوگ اپنی ناواقفیت کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] لیکن اگر تم غور کرو
تو تمہیں پتہ چلے گا کہ ان کا یہ سمجھنا بالکل غلط ہے
مذہب نے جن باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے
[illegible] باتیں ہیں جن کا ہماری زندگی سے بہت

گہرا تعلق ہے اور ان کے ماننے یا نہ ماننے سے ہماری اس دُنیا کی زندگی اور اس کے معاملات پر پوری طرح اثر پڑتا ہے، اور یہی حال اس عقیدۂ قیامت کا بھی ہے کہ اگر اس کو مان کر زندگی بسر کی جائے تو ہمارے اخلاق و معاملات اور ہماری زندگی کا رنگ ڈھنگ کچھ اور ہوگا، اور اگر اس کو کوئی تسلیم نہ کرکے زندگی گزارے تو اُس کے معاملات و اخلاق کا طرز کچھ اور ہوگا۔ آؤ تھوڑی دیر کے لیے ہم اس مسئلے پر غور کریں، اس کے لیے سب سے پہلے ہمیں قرآن مجید ہی کو سامنے رکھنا چاہیے کیونکہ قرآن مجید نے صرف یہی نہیں بتایا ہے کہ قیامت کو ماننا ضروری ہے اور کیوں ضروری ہے بلکہ یہ بھی واضح کیا ہے کہ اس کے ماننے یا نہ ماننے سے زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ لیکن قرآن مجید نے اس مسئلے کو [illegible]
[illegible] بیان نہیں کیا جا سکتا اس لیے قرآن [illegible]
عقیدۂ قیامت کے جو اثرات انسان کی [illegible]
پڑتے ہیں ان کا صرف ایک پہلو آج تمہارے سامنے رکھنا ہے، اور وہ یہ کہ انسان کے نیک ہونے [illegible]

اس حیثیت کو کیا دخل ہے۔

اس بارے میں قرآن مجید نے جو کچھ کہا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس دُنیا میں نیکی اور بھلائی کا دار و مدار صرف دو باتوں پر ہے:

پہلی بات تو یہ ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ اس دُنیا میں اس کی حیثیت یہ نہیں ہے کہ وہ خود بخود پیدا ہو گیا ہے اور وہ اس کے لیے آزاد ہے کہ جو اس کے جی میں آئے کرے، جس کو جی چاہے مارے، جس کا مال چاہے ہڑپ کرے، جس کو چاہے گالی دے، اور جس پر چاہے ظلم کر بیٹھے، بلکہ اس کی حیثیت یہ ہے کہ اس کا ایک پیدا کرنے والا ہے اور اُس کے پیدا کرنے کی کوئی نہ کوئی غرض و غایت ہے، اور اس پیدا کرنے والے نے یہ آزادی تو اسے ضرور دیدی ہے کہ ایک خاص دائرے میں جو کچھ چاہے کر سکتا ہے لیکن یہ نہیں ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے اُسے وہ پسند بھی کرتا ہے۔ بلکہ اُس نے انسان کو بُری یا بھلی باتیں بتا دی ہیں [illegible] اچھی باتوں کو پسند اور بُری باتوں کو [illegible] ہے اور ہر انسان سے وہ اس بات کی توقع رکھتا ہے کہ وہ اُس کی ٹھہرائی ہوئی پسندیدہ باتوں کو اختیار کرے اور ناپسندیدہ باتوں سے بچے، قرآن [illegible]

اپنے ہر کام میں اللہ کی خوشی یا ناخوشی کو پیش نظر رکھتے ہیں ان کا حال دُنیا میں اُن لوگوں سے مختلف ہوتا ہے جو اپنے کو کسی کا پیدا کردہ نہیں سمجھتے یا خود اپنے نفس کو اپنا بادشاہ سمجھتے ہیں اور جو جی میں آتا ہے کرتے رہتے ہیں، پہلی طرح کے لوگ یہ سمجھ کر زندگی گزارتے ہیں کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے اُس کے ان پر حقوق ہیں اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اُس کے فرماں بردار بن کر زندگی گزاریں، اور جن باتوں کا اُس نے حکم دیا ہے اُس کے خلاف نہ چلیں یہاں تک کہ بہت سے ایسے کام بھی جن کو یہ لوگ آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں محض اس لیے نہیں کرتے کہ ان کا کرنا پیدا کرنے والے کی خوشی کے خلاف ہوتا ہے گویا ان کے پیدا کرنے والے نے ہر طرح کے کام کرنے کی چھوٹ اور آزادی ان کو دیدی ہے اس سے وہ از خود یہ سمجھ کر دست بردار ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علاوہ اور احسانوں کے ان کو جو یہ [illegible] عطا فرمایا ہے کہ وہ دُنیا کی اور مخلوقات کی طرح مجبور نہیں ہیں، بلکہ ان کو ان سے ممتاز [illegible] اُس نے انسانوں کو ایک خاص طرح کی آزادی [illegible] دیدی ہے تو خود اس نعمت کا [illegible] ہے کہ وہ اپنے اس حق کو اُس کی مرضی کے مطابق استعمال کریں [illegible]

اگر تمہارا ہر کام اللہ کی رضا کے لیے اور اُس کی ہدایت کے مطابق ہے ـــــ تو تم سے بڑھ کر کامیاب کون ہو سکتا ہے؟

[illegible] چاہتی ہے' اور ہر انسان کی فطرت بھی اسی کا مطالبہ کرتی ہے کہ انسان اپنے منعم و محسن کی شکر گزاری کرے' چنانچہ اسی بنا پر جو لوگ ایسا نہیں کرتے اُن کو عام طور سے بُرا کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ہمارا سب سے بڑا منعم و محسن ہے اُسی نے ہم کو پیدا کیا' ہمارے زندہ رہنے کے لیے ہر طرح کے سامان فراہم کیے' ہمیں عقل و فہم عطا فرمائی اور ان سب سے بڑھ کر ہمارا درجہ اپنی بے شمار مخلوقات سے بہت اونچا اور بلند بنایا' تو کیا ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ ہم اُس کی اطاعت و فرماں برداری کریں' اور اُس کی مرضی کے مطابق اپنی زندگی گزاریں؟ اس کا جواب ایک ہی ہو سکتا ہے کہ بلاشبہ یہی ہمارا فرض ہونا چاہیے' چنانچہ خود قرآن مجید بھی اسی بنیاد پر انسان سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اسے خدا کا مطیع و فرماں بردار بن کر دُنیا میں رہنا چاہیے کیونکہ وہ ان کا خالق اور حاکم ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ (میں نے جن و انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں' میں اُن سے [illegible] رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ

چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں پلائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی سب کو رزق دینے والا ہے' قوت والا ہے' زبردست ہے)

اور اسی بنا پر جو نیک اور سمجھ دار لوگ ہوئے ہیں وہ دُنیا میں اپنا فرض یہی سمجھتے ہیں ——— حضرت لقمانؑ خدا کے ایک نہایت نیک بندے گزرے ہیں' ان کا دل بھی خدا کے انعامات کے تصور سے اُس کے آگے جھکا ہوا تھا' چنانچہ وہ خود بھی خدا کی اطاعت کے ساتھ زندگی گزارتے تھے اور اپنی اولاد سے بھی وہ یہی چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ

اے پیارے بیٹے اللہ کے ساتھ شرک نہ کر'

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝

بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

ایسے ہی حضرت سلیمانؑ ایک اور خدا کے چہیتے بندے تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت اور شوکت و حشمت بہت کچھ دے رکھا تھا۔ چنانچہ وہ یہ نعمتیں پاکر اترائے نہیں تھے' اور نہ اُن کو پاکر وہ خدا سے غافل ہو گئے تھے' بلکہ اللہ تعالیٰ نے جتنا بھی ان کو اپنے فضل سے نوازا تھا اتنا ہی ان کا دل خدا کے حضور میں جھکا ہوا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ [illegible] کے ساتھ کہیں جا رہے تھے [illegible]

جس کو اللہ سے ملاقات کا شوق ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔

ان کا گذر ہوا تو وہاں چیونٹیوں نے آپس میں گفتگو کی، جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمجھ لیا۔ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر خاص فضل ہوا تھا، اس لیے اس کا تصور کرکے وہ خدا کے حضور میں جھک گئے اور اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں دعا کی:

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ۝

(اے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو بخشیں، اور مجھے اس کی توفیق دے کہ ایسے نیک کام کروں جنہیں تو پسند فرمائے۔ اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے صالح بندوں میں شامل فرما)

اس آیت میں دیکھو کہ خدا کے فضل و انعام کا تصور آنے سے ان کے دل میں کس طرح اس کی شکر گزاری کا جذبہ پیدا ہوا، اور اس جذبے نے کس طرح ان کے دل میں نیک بننے کا جذبہ پیدا کر دیا۔ ایسے ہی قرآن شریف میں اور بہت سے نیک بندوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، جن کا طریقہ یہی تھا کہ خدا کے انعامات و احسانات کے تصور سے ہمیشہ [illegible] رہتے تھے اور اس کی مرضی

کے خلاف کوئی بات کرنے کے لیے کسی حال میں آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ اب اس کے برعکس جو لوگ نہ اپنے لیے کسی خالق کا تصور رکھتے ہیں اور نہ وہ اپنے اوپر اپنے نفس کے علاوہ کسی کا حق سمجھتے ہیں، ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ دُنیا میں جو کچھ چاہتے ہیں بے جھجک ہو کر کرتے رہتے ہیں — ظاہر ہے ایسے لوگ کسی ضابطۂ اخلاق وغیرہ کی پابندی کسی حال میں نہیں کر سکتے۔ وہ کوئی نیک کام اگر کریں گے بھی تو اس میں ان کی اپنی کوئی نہ کوئی غرض چھپی ہوئی ہوگی۔ ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ اپنے خالق و مالک کی ناشکری کرکے اپنی حد درجہ اخلاقی و عقلی پستی اور کمینے پن کا اظہار کرتے ہیں، بلکہ ایسے لوگ حقیقت در دُنیا میں فتنے و فساد کا بھی باعث بنتے ہیں کیونکہ ایسے لوگوں کے لیے برائی سے روکنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جو اپنے سب سے بڑے منعم و محسن کا کوئی حق نہیں سمجھتا وہ بھلا اوروں کے حقوق کا کیا لحاظ کر سکتا ہے وہ تو بس دُنیا میں اپنا بھلا چاہے گا اور کسی کا بھی نہیں۔ ان کو اگر قانون وغیرہ سے پکڑ کر بھی کوئی ٹھیک کرنا چاہے گا تو وہ نہیں ہو سکیں گے بلکہ وہ خود قانون کو توڑنے کے لیے مختلف طریقے اور بہانے بنا لیں گے اور ان کا کچھ نہیں کر سکے گا جیسا کہ تم آج کل دیکھ رہے ہو کہ خدا کے باغی [illegible]

شرک اور بدعملی سے وہی بچتا ہے جس کو اپنے رب کی ملاقات کا یقین ہوتا ہے

کے تقاضوں کی موجودگی میں سب کچھ کر رہے ہیں اور روکنے والے ان کو روکنے سے عاجز ہیں۔ بہرحال اس دُنیا میں انسان کے نیک بننے اور رہنے کے لیے جن دو باتوں کی ضرورت ہے اُن میں سے ایک بات تو یہی ہوئی کہ اس کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ یہ دُنیا اور اس کے ساتھ وہ آپ سے آپ پیدا نہیں ہوگئے ہیں بلکہ اس پوری کائنات کا ایک خالق ہے، جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور وہ اس کے ہر اچھے یا بُرے کام کا نگراں ہے اور وہ اس کی اچھی باتوں کو پسند اور بُری باتوں کو ناپسند کرتا ہے

اور دوسری بات یہ ہے کہ اسی کے ساتھ وہ یہ عقیدہ بھی رکھے کہ انسان کی زندگی بس اتنی ہی نہیں ہے کہ وہ اس دُنیا میں چند روز رہ کر ختم ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ہی وہ تمام کچھ جو اس نے کیا ہے خاک میں مل جائے گا اس پر اس کو کوئی جزا یا سزا نہیں ملے گی۔ بلکہ قرآن یہ بتاتا ہے کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب ہمارے ہر بُرے بھلے کام کا ہمیں بدلہ ملے گا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا کو بالکل بے کار اور عبث پیدا کیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی مقصد اور حکمت پوشیدہ ہے، اور اس کے

> جس زندگی میں موت کے بعد والی زندگی کے یقین کا کوئی اثر نہ دکھائی دے وہ موت ہے

تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس دُنیا میں اگر انسان کا کام بس یہی ہو کہ وہ چند روز اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اُٹھا کر اور جو بُرے بھلے کام کر سکتا ہے کر کے ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو جائے اس طرح سوچنے کے معنی صرف یہ ہو سکتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو حکیم اور رحیم نہیں مان رہے ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے ہونے پر جو دلیلیں دی ہیں ان میں ایک ایسی بھی ہے کہ وہ اُس کو اپنی رحمت و حکمت کا صریح تقاضا قرار دیتا ہے

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ

(تمہارے آقا نے رحمت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے (لہٰذا) وہ تمہیں ضرور ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا۔)

اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت میں اللہ کے جو اوصاف بیان کیے ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت اور رحمت بیان کرنے کے بعد اس کے مالک یوم الدین ہونے کا اظہار کیا گیا ہے، جس کی وجہ یہی ہے کہ اس کی ان صفات کے تسلیم کر لینے کے بعد [illegible]

چنانچہ اسی بنا پر قرآن میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ کائنات کی خلقت پر غور کرتے ہیں وہ خود بخود اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ یہ دُنیا بے غرض و بے مقصد نہیں پیدا کی گئی ہے اور پھر اس سے ان کا ذہن خود بخود اس طرف مُڑ جاتا ہے کہ پھر ہم جو کچھ بیان کرتے ہیں اور جس کا بسا اوقات کوئی نتیجہ اس دُنیا میں ہمارے سامنے نہیں آتا اس کا انجام ہمارے سامنے ضرور آئے گا:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

(زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں، اور رات و دن کے آنے جانے میں بلاشبہ ان عقل مندوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہر حال میں یاد کرتے ہیں، اور زمین اور آسمانوں کی پیدائش کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے مالک تو نے یہ سب کچھ بے کار نہیں پیدا کیا ہے تیری ذات اس سے پاک ہے کہ تو کوئی کام بے کار کرے اور جب ایسا ہے تو ایک نہ ایک دن تو اپنی مخلوقات کا حساب بھی لے گا۔ اس حساب کے دن تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچانا۔)

اس تفصیل سے یہ بات تمھاری سمجھ میں آگئی ہوگی کہ درحقیقت خدا کے تسلیم کر لینے کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہم ایک یوم الدین بھی تسلیم کریں۔ بہرحال چاہے عقیدۂ آخرت کو ایمان باللہ کا ایک جزو سمجھو یا اس کو الگ ایک عقیدہ مان لو کہنا یہ ہے کہ جس طرح خدا کو تسلیم کر لینے اور اُس کا اپنے اوپر حق مان لینے کے بعد انسان خود اپنی خوشی سے اپنی آزادی سے دست بردار ہو جاتا ہے، اور اب وہ وہی کچھ کر سکتا ہے

دُنیا سے بیزاری میں آخرت کی کامیابی نہیں ہے

جس کے کرنے کی اُس کے خالق نے اجازت دیدی ہو اور اسی طرح وہ ان اصولوں کا پابند بن جاتا ہے جو سب کے فائدے کے لیے سب کے پیدا کرنے والے نے ٹھہرا دیے ہیں۔ بالکل اسی طرح یہ جزا و سزا کا عقیدہ بھی انسانوں کو ان خدائی احکام کا پابند بنا کر رکھتا ہے۔ بلکہ سچ پوچھو تو اگر یہ عقیدہ انسان کے دل میں پُوری طرح بس نہ جائے تو وہ محض خدا کو مان لینے سے بھی پُوری طرح اُس کے احکام کا پابند نہیں بن سکتا، کیونکہ وہ اس صورت میں خیال کر سکتا ہے کہ زندگی جب یہی دُنیا کی زندگی ہے تو چلو جی کھول کر عیش اُڑا لیں؛ بس زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی فہرست میں ہمارا نام ناشکروں میں لکھا جانے لگا، سو اس سے ہوتا کیا ہے؛

اللہ نے تو خود ہی آزادی دے رکھی ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر انسان یہ سمجھے کہ وہ جو کچھ کرے گا اس کا انجام سامنے آئے گا، اور اللہ نے جو آزادی ہمیں بخشی ہے وہ اسی لیے ہے کہ ہم اپنے اختیار سے اس کی اطاعت و بندگی کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیں تو وہ ہر حال میں بُرائیوں سے بچنے اور اچھائیوں کے اختیار کرنے کی فکر کرے گا۔ ایسے لوگ ہر طرح بھلائی کے کام کریں گے۔ لیکن اس لیے نہیں کہ ان کو دُنیا میں نام نمود حاصل کرنے کا شوق ہے، یا ان کے ذریعے خود اپنا کوئی کام نکالنا چاہتے ہیں، بلکہ محض اس لیے کہ ان کے خالق نے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے اور اُس کے حکم پر عمل کرنے میں ان کو آخرت کی بھلائیاں نصیب ہوں گی۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کا حال قرآن مجید میں بتایا گیا ہے:

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ (اپنی منتوں کو پورا کرتے ہیں، اور اُس دن سے ڈرتے ہیں جس کی تکلیف ہر طرف پھیلی ہوئی ہوں گی۔ اور وہ اللہ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں، اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں ہم تمھیں صرف اللہ کی خوشی کے لیے کھلاتے ہیں۔ تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کسی شکر گذاری کے طلب گار ہیں)

اور یہ لوگ بُرائیوں سے بالکل دُور دُور رہیں گے اس لیے نہیں کہ ان کو بدنامی کا یا پولیس کی دھر پکڑ کا اندیشہ ہوگا کیونکہ اس اندیشے کے تو سو علاج ممکن ہیں بلکہ محض اس لیے کہ اللہ کی نگاہیں ان کو دیکھ رہی ہیں، اور وہ جو کچھ کریں گے اس کا انجام ان کے سامنے آئے گا۔

قرآن مجید میں ایک موقع پر دو بھائیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سے ایک بھائی حسد میں مبتلا ہو کر اپنے دوسرے بھائی کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن دوسرا بھائی محض اللہ اور آخرت کی باز پُرس کے خوف سے اُس پر کوئی دست درازی کرنے سے ڈرتا ہے:

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ [illegible]

موت یقینی ہے
موت کے بعد زندگی
کا یقین پیدا کرو
ساری مشکلات کا حل
یہی ہے۔

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝
(اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو
میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا
میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا
ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور
اس طرح دوزخی بن کر رہے۔ ظالموں کے ظلم کا
یہی ٹھیک بدلا ہے)

اور یہی نہیں کہ آخرت سے ڈرنے والے برائیوں
میں عملاً حصہ نہیں لیں گے، بلکہ اگر یہ
خوف پوری قوت سے انسان
کے دل میں جم جائے تو وہ برائی
کا خیال بھی نہیں کرسکتا
کیونکہ:

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ
اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ
يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ
(جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے
چاہے تم اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ اللہ
تم سے اس کا حساب لے گا)

کے اندیشے سے وہ برے خیالات سے بھی گھبرائے گا، اور
اگر کبھی برے خیالات اس کے دل میں آئیں گے بھی
تو وہ انجام کا تصور کرکے ان کو دور پھینک دے گا۔

وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ
مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ
مُّبْصِرُوْنَ ۝ (اور وہ لوگ جو اللہ سے ڈرنے
والے ہیں جب شیطان کا کوئی وسوسہ ان کے دل میں
آتا ہے تو وہ چونکتے ہوجاتے ہیں اور اس کے بعد ان
کا راستہ ان پر روشن ہوجاتا ہے)

غرض اللہ پر ایمان اور قیامت کا یقین ہی نیکی کی بنیادیں
ہیں، جب تک یہ دل میں پیدا نہیں ہوں گی آدمی بے ایمانی،
دغابازی، رشوت، فریب اور جھوٹ وغیرہ سے بچ
نہیں سکتا، اور نہ ان کے مقابل کی اچھی صفتوں کو
اختیار کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں
اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصلاح
کرنے والے آتے ہیں تو سب
سے پہلے وہ انھیں بنیادی
باتوں کو پیش کرتے اور
ان کو ہر شخص کے دل میں
بٹھلانے کی کوشش کرتے
ہیں، چنانچہ جب یہ باتیں دل
میں بیٹھ جاتی ہیں تو ہر طرح
کی برائیاں اس طرح مٹ
جاتی ہیں گویا وہ تھیں ہی نہیں۔ ہماری تاریخ
میں جو اچھا زمانہ گزرا ہے اور اس میں جو اچھے
لوگ پیدا ہوئے تھے، وہ انھیں باتوں پر ایمان
لانے کی وجہ سے اچھے ہوئے تھے آج بھی ہم اگر اچھے
بننا چاہتے ہیں تو خدا کا خوف اور آخرت کی جوابدہی
کا اندیشہ ہر وقت ہمارے دل میں ہونا چاہیے اور اگر ہم چاہتے
کہ دنیا کی موجودہ حالت بھی بدلے اور اس میں نیکی اور
بھلائی پھیلے تو ہمیں دوسروں کو بھی انھیں باتوں کی دعوت دینی

**دنیا سے
امن اور چین اُسی
مقدار میں کم ہوگا جس مقدار میں
لوگوں کے دلوں سے جزا اور سزا کا
یقین کم ہوگا**

مولانا جلیل احسن صاحب ندوی

خوفناک مقدمہ

حساب کے دن — خدا کی عدالت میں

ایک دن کی بات ہے، ہم اپنے چند ساتھیوں
کے ساتھ بیٹھے مختلف چیزوں پر گفتگو کر رہے تھے،
اس بات چیت کے بیچ میں ہمارے ایک دوست
نے ایک بڑے لیڈر کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"ہم نے تو ان کے پیچھے
چلنے کا فیصلہ کر لیا ہے، ہم تو
انھیں کے پیچھے چلیں گے
چاہے وہ جدھر لے جائیں،
ہم جائیں گے، تم کہتے ہو کہ
وہ کسی کھڈ میں گرائیں تب بھی؟
میں کہتا ہوں ہاں تب بھی۔"

اور ابھی تازہ جو واقعہ کشمیر میں پیش آیا وہ تم نے
نہیں سنا؟ وہاں کے سب سے بڑے لیڈر شیخ عبداللہ
ہیں، اُن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک گاؤں
کے لوگوں نے کہا:

"وہ ہم کو اگر جہنم میں لے جانا چاہیں، تو ہم اُن
کے ساتھ جہنم میں جانے کے لیے تیار ہیں۔"

اسی طرح ایک نوجوان کو — جن کے بڑے
بھائی جماعت اسلامی کے رکن ہیں — یہ
کہتے ہوئے سُنا گیا کہ:

"میں جماعت اسلامی کو حق پر سمجھتا ہوں اور
اسی میں داخل ہوں گا کیونکہ میرے بڑے بھائی
اس میں داخل ہو چکے ہیں۔"

اور اسی طرح میرے
ایک ساتھی جمعیۃ العلماء سے
چمٹے ہوئے ہیں، ان کا حال
عجیب ہے، وہ جمعیت کی
موجودہ روش کو پسند نہیں
کرتے، وہ صاف صاف
کہتے ہیں کہ اُس کی راہ پیغمبر
کی راہ نہیں ہے، —
یہ سب کچھ ہے پر اب تک وہ اُسی راہ پر پورے
جوش کے ساتھ چل رہے ہیں، میں نے آخر تنگ آ کر
ایک دن اُن سے کہا، بھائی جب تمھیں جمعیت کا
راستہ پسند نہیں ہے اور روز اُس پر اعتراض
کرتے ہو تو پھر اُس پر چلتے کیوں ہو؟ ایک چیز کو غلط
بھی جانتے ہو اور اُس کو دانتوں سے پکڑے ہوئے
بھی ہو؟ اس پر انھوں نے جواب دیا:

"اس دل کا کیا کروں ...

جھوٹے چھٹکارا نہیں ہوتا"

میں حسناتی برادری کے لوگوں سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ جواب صحیح ہے ؟ کیا کسی کے لیے یہ بات جائز ہے کہ وہ اپنے لیڈر کی اندھی پیروی کرے ؟ کیا ہم اپنے لیڈر کے کہنے سے کھڈ میں گر جائیں اور جہنم میں چلے جائیں ؟ کیا یہ بات جائز ہے کہ میں اپنے بڑے بھائی کی محبت میں اندھا دھند جماعتِ اسلامی میں شامل ہو جاؤں ؟ کیا یہ بات خدا کو پسند آئے گی کہ میں کسی غلط راستے پر چلوں، صرف اس وجہ سے کہ فلاں بزرگ اس راستے پر چل رہے ہیں اور میرے دل میں ان کی عزت و محبت ہے ؟ سچائی کو آدمیوں کے ذریعے پہچاننا ٹھیک ہے یا سچائی پر ہر آدمی کو تولنا ؟ ———

دُنیا میں جتنے پیغمبر آئے اور جتنی کتابیں اُتاری گئیں، اُن سب کی متفقہ آواز یہ ہے کہ حق اور سچائی پر سارے انسانوں کو تولو، جانچو اور پرکھو، اور خدا کی کتاب اور پیغمبر کی روشن زندگی حق اور سچائی کی ترازو ہیں، جو اس پر پورا اُترے اُسے مانو، اور اُس کے پیچھے چلو، اور جو پورا نہ ہو، جو اس راہ پر ناک کی سیدھ نہ چلے، جو تمھیں چھوڑ کر اس راہ پر چلے بجز کسی اور راہ پر چلے، اُس کا ساتھ چھوڑ دو، اس کے دامن سے اپنا ہاتھ کھینچ لو، اور خدا کی پسندیدہ راہ پر اپنا سفر شروع کر دو ——— جب خدا کے آخری پیغمبر نے لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف، نجات اور کامیابی کی راہ کی طرف، خدا کی مقرر کی ہوئی اور اُس کی پسندیدہ راہ کی طرف بُلانا شروع کیا اور لوگ اس پکار کی طرف کھچنے لگے، تو غلط کار لیڈروں اور بابوں نے اُن سے یہ کہنا شروع کیا کہ تم آنکھ بند کر کے ہمارے پیچھے چلو، اسی میں تمھاری بھلائی ہے، ہمارے پیچھے چلنے میں کوئی گناہ نہیں ہے جیسا کہ یہ شخص کہتا ہے، اور اگر گناہ ہوا بھی تو حساب کے دن ہم اس کے ذمے دار بن جائیں گے، ہم تمھارے سارے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لے لیں گے، تب اکیسویں پارے میں سورۂ عنکبوت کی یہ آیتیں اُتریں:

آخرت کی کامیابی کے لیے دُنیا میں کامیاب زندگی کا طریقہ معلوم کرو

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ وَمَا هُمْ بِحَامِلِيْنَ مِنْ خَطَايَاهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

ان دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں ان کی بات سچائی سے دُور ہے، یہ اپنے پیچھے

چلنے والوں میں سے کسی کے گناہ کا کوئی حصّہ اپنے ذمے
نہیں لے سکتے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ قیامت کے دن خدا
کی عدالت سے کسی مجرم کی سفارش کر کے چھڑا لیا جائے
بس یہ لوگ اپنی بات میں ـــــ جس انداز سے بھی وہ
کہتے ہیں ـــــ بالکل جھوٹے ہیں، ہاں البتہ یقینی
ہے کہ یہ لوگ اپنے ساتھ دوہرا بوجھ لیے ہوئے جہنم
میں گریں گے، یہ دوہرے جرم میں پکڑے جائیں گے
ایک جرم تو ان کا یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
بتائی ہوئی خدا کی راہ پر
خود نہیں چلے، دوسرا
جرم یہ کہ اپنے ساتھ دوسرے
بہت سے لوگوں کو غلط
راہ پر چلایا، ان لوگوں
سے قیامت کے دن
ضرور پوچھا جائے گا کہ
تم کو خدا نے کوئی پروانہ
لکھ کر دے دیا تھا کہ تم پیچھے
چلنے والوں کے گناہ
معاف کرا لوگے، تم نے آخر کیوں خدا کے خلاف
یہ سارے جھوٹ گڑھے؟

یہ آیتیں انسانوں کو یہ سبق دیتی ہیں کہ آدمی
[illegible] میں گرفتار نہ ہو، اور [illegible] میں اس سے سب کچھ پوچھے
[illegible]

> کسی کے پیچھے چلنے سے پہلے یہ د[illegible]
> کہ وہ [illegible] راہ پر لیے جا رہا ہے جو
> اللہ اور اس کے رسول کی راہ آخر [illegible]
> کامیابی تک پہنچتی ہے۔

خدا کی خوشنودی کی راہ کیا ہے، اور کس راہ پر چلنے
سے وہ ناراض ہوتا ہے، جب قرآن کی کھولی ہوئی
باتیں جان لے اور یہ بھی سمجھ لے کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے اپنی پاک زندگی سے قرآن کی راہ کس طرح
کھولی ہے، تب اس کے بعد خود چلے یا کسی کے پیچھے
ہو کر اس راہ پر چلے، اور جس کے پیچھے چلے اس کو
دیکھتا رہے کہ کہیں راہ سے ہٹ تو نہیں رہا ہے
اس کو اسی ترازو پر ہر وقت تولتا رہے، اور جیسے ہی
اسے معلوم ہو کہ میرا
راہبر راہ سے ہٹ گیا ہے
یا ہٹ رہا ہے، فوراً اس
کو ٹوکے، اور سیدھی
راہ پر نہ آئے تو اپنا دامن
جھاڑ کر اس سے
الگ ہو جائے، لیکن اگر
کوئی خدا کے دین کا علم
حاصل نہیں کرتا۔ خدا کی پسند
و ناپسند کو نہیں معلوم کرتا
اور کسی کے پیچھے ہو لیتا ہے، اس کے دامن سے اپنے
کو باندھ لیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں تو اپنے کو
فلاں کے حوالے کر دیا تھا، خدا کو چاہیے کہ میرے
[illegible]
[illegible]

جو قیامت کے دن خدا کی عدالت میں کچھ لوگوں کی طرف سے دائر ہوگا۔ اس مقدمے کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن جب خدا سارے انسانوں کو حساب کے لیے اکٹھا کرے گا تو ان کو چھانٹ کر دو حصوں میں الگ الگ بانٹ دے گا۔ ایک طرف سارے نیک لوگ، اور دوسری طرف تمام بُرے لوگ، پھر ان میں سے ہر ایک کی بہت چھوٹی چھوٹی تقسیمیں ہوں گی، انھیں تقسیموں میں سے ایک تقسیم یہ ہوگی کہ ایک طرف اچھے اور نیک لیڈر اور سردار ہوں گے اور اُن کے ساتھ اُن کے پیچھے نیکی کی راہ پر چلنے والے، اور دوسری طرف بُرے لیڈر اور اُن کے پیچھے بدی کی راہ پر چلنے والے، اچھے لوگ اپنے اچھے لیڈروں کو دعائیں دیں گے، اُن کا شکریہ ادا کر رہے ہوں گے، اور بُرے لوگ جو دُنیا میں اپنے لیڈروں کے گلے میں ہار پہنا تے اور "زندہ باد" کے نعرے لگاتے تھے، یہ لوگ اُس دن، آنکھیں کھُل جانے کے بعد، آنکھوں سے عذاب دیکھ لینے کے بعد، گلا پھاڑ پھاڑ کر "مُردہ باد" کے نعرے لگائیں گے کہ انھیں لوگوں نے ہم کو آج اس مصیبت میں پھنسایا، اگر ان لوگوں نے ظلم اور بدی کو خوبصورت بنا کر ہمارے سامنے نہ پیش کیا ہوتا تو ...

اگر آج اللہ کے رسول ہمارے درمیان ہوتے تو وہ ہمیں کس راہ کی طرف بلاتے ——؟ اس کا جواب آپ کی راہ واضح کرسکتا ہے

کا نعرہ لگاتے اور اپنے لیڈروں پر لعنت کی بوچھار کرتے ہوئے عدالت میں حاضر ہوں گے، اور عدالت کے حاکم —— خدائے احکم الحاکمین —— سے انتہائی پریشانی کی حالت میں، حسرت و افسوس کے لہجے میں کہیں گے: "اے خدا ہمارے وہ لیڈر کہاں ہیں جنھوں نے ہم کو تیری راہ سے دُنیا میں بھٹکایا تھا، ہم آج ان کو اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالنا چاہتے ہیں —— اور جب یہ بُرے لیڈر اور اُن کے پیرو دونوں خدا کی عدالت میں کھڑے ہوں گے تو ان کی آپس میں جو گفتگو ہوگی اُس کا ذکر قرآن کے بائیسویں پارہ میں سورۂ سبا کے اندر آیا ہے اور وہ یہ کہ گمراہ کرنے والے لیڈروں اور سرداروں سے اُن کے پیچھے چلنے والے کہیں گے:

"اگر تم نے ہماری راہ نہ ماری ہوتی تو ہم مومن ہوتے ایمان لاتے اور خدا کی راہ پر چلتے۔"

اس پر ان کے لیڈر کہیں گے:

"کیا ہم نے تمھیں خدا کی راہ پر چلنے سے زبردستی روک دیا تھا؟ سچائی تو تمھارے پاس آئی تھی، پھر نہیں تم آپ مجرم تھے۔"

اس پر وہ کہیں گے:

"... تو ٹھیک ہے تم نے ...

لیکن دن رات پوری مکاری سے یہ بہکانا بھلانا کیا تھا؟ آخر تمہارے شب و روز کے مکر و فریب کا ہم پر کہاں تک اثر نہ ہوتا۔"

آخرکار دونوں پر فردِ جرم لگ جائے گی، اور جب دونوں کے سامنے خوفناک عذاب آئے گا تو دونوں اپنے اپنے دل میں پچھتائیں گے، ہر ایک اپنے کو دل میں مجرم سمجھے گا، مگر شرم کے مارے کچھ نہ بول سکے گا —— اسی طرح بہت سی آیتیں قرآن میں آئی ہیں جو انسانوں کو یہ بات سمجھاتی ہیں کہ آدمی پہلے خدا کا راستہ معلوم کرے، یوں ہی اندھی پیروی کسی کی بڑائی اور محبت کی وجہ سے نہ کرے اپنا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں دے تو اندھیرے میں نہ دے، خدا کے چراغ کی روشنی میں دے۔

ہماری اتنی لمبی گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں ساری دُنیا میں بدی کا زور ہے، اور نیکی اپنی ادھ موئی حالت میں کہیں کونے میں سر چھپائے پڑی ہے، اور ہر گلی کے نکڑ پر کوئی نہ کوئی ہم کو اپنی طرف بلا رہا ہے، ہر ایک ہم کو بتاتا ہے کہ اس کا راستہ سیدھا راستہ ہے، ہم کو کانگریس بلاتی ہے اور کہتی ہے جمہوریت کی راہ بھلائی کی راہ ہے، ہم کو سوشلسٹ بلاتے ہیں اور اپنی راہ کو جنت کی راہ کہتے ہیں، ہم کو جمعیۃ العلماء پکارتی ہے اور پیچھے چلنے والوں کو نجات کی خوش خبری دیتی ہے، ہم کو جماعت اسلامی پکارتی ہے اور پیچھے چلنے والوں کو خدا کی خوشنودی کی بشارت دیتی ہے! ——

سخت اندھیاری ہے، فضا میں بڑا دھند ہے، خدا کا چراغ لیے بغیر کسی طرف لپکو، پہلے خدا کی پسند و ناپسند معلوم کرو، پھر جو خدا کی راہ پر چل رہے ہوں، اُن کے ساتھ خدا کی طرف چل پڑو، اور ادھر اُدھر کی بھانت بھانت کی بولیوں کے لیے اپنے کان بند کر لو —— اور خدا کا چراغ خدا کی کتاب ہے اور اُس کے آخری پیغمبر کی صاف شفاف روشن زندگی! —— یاد رہے کہ خدا قیامت کے دن کسی کا یہ عذر قبول نہ کرے گا کہ اُس کی راہ معلوم کرنے کی اُسے فرصت نہیں ملی۔

اُس دن کی فکر کرو

جب کوئی کسی کے کام نہ آئے گا ——،
جب بھائی بھائی کو بھول جائے گا ——،
جب ماں بیٹے کو نہ پہچانے گی،
جب باپ اپنی اولاد سے بیزار ہوگا،
جب ہر شخص اپنی ماں اور اپنے باپ سے بھی دُور بھاگے گا،
جب شوہر اپنی محبوب بیوی کی بات تک نہ پوچھے گا،

اُس دن ہر ایک کو بس اپنی اپنی پڑی ہوگی

"وہ دن"!!

ذرا وہ دن تو یاد کرو!!

وہ دن ——— جب تم حاضر کیے جاؤ گے

وہ دن جب تمھارے آقا کے سامنے

تمھاری پیشی ہو گی ——— اور تمھاری

کوئی بات اُس سے چھپی ہوئی نہ ہو گی۔

تمھارے سارے کام تمھارے سامنے

ہوں گے،

تمھاری زندگی بھر کے کاموں کا ریکارڈ

خود تمھارے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔

پھر کوئی تو ایسا ہو گا جس کا اعمال نامہ

اُس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا،

وہ اپنی زندگی بھر کے بھلے کاموں کو

اپنے سامنے دیکھے گا،

وہ خوشی سے پھولا نہ سمائے گا،

"لو یہ میرا اعمال نامہ دیکھو" وہ ہر ایک

سے خوشی خوشی کہتا ہو گا۔

"مجھے تو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن

میرے کاموں کا حساب میرے سامنے ہو گا۔

میں تو اس دن کا منتظر ہی تھا ———"

غرض کہ وہ شخص بڑے عیش میں ہو گا ———

ایسا عیش جسے وہ پسند کرے،

وہ اونچے اونچے باغات میں ہوگا ——

ایسے باغات جس کے میوے اس کے

قریب ہوں گے،

اس سے کہا جائے گا،

"لو کھاؤ پیو اور مزا کرو!

خوب آرام سے رہو —— یہ سب کچھ بدلا ہے

بدلا ہے ان اچھے کاموں کا جو تم نے

دُنیا میں کیے ——"

اور،

وہ شخص!

وہ شخص جس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ

وہ اپنے زندگی بھر کے بُرے کاموں کو

اپنے سامنے دیکھے گا،

وہ رنج و غم سے بے تاب ہو جائے گا،

چلّائے گا اور کہے گا "کاش! ——

کاش مجھے میرا یہ اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا!!

مجھے میرے کاموں کا کوئی حساب معلوم ہی نہ ہوتا!!

کاش مجھے موت ہی آجاتی!!

موت ہی آکر میرا قصہ پاک کر دیتی!!

میرا کام تمام کر دیتی!!!

ہائے! آج میرا مال میرے کسی کام نہ آیا!!

میری سرداری ختم ہو گئی۔!!

میری حکومت مٹ گئی ——!

یہ بہت آسان ہے!

ذرا اوپر تو آنکھیں اُٹھاؤ ـــــ یہ تمہارے سروں پر ان گنت تارے کیسے قایم ہوگئے؟ ان کو وہاں کون روکے ہوئے ہے؟ یہ گر کیوں نہیں پڑتے؟ کیا یہ ہمیشہ ایسے ہی تھے؟ ـــــ نہیں ایسا تو نہیں ہو سکتا! ان کو کس نے بنایا؟ وہ کیسی قُدرت والا ہے؟ کیا وہ انھیں توڑ پھوڑ کر فنا نہیں کر سکتا ـــــ کیوں نہیں، وہ تو بڑی قدرت والا ہے؛ جب چاہے گا انھیں فنا کر دے گا۔ پھر جب چاہے گا دوبارہ بنا دے گا۔ اُس کے لیے یہ بہت آسان ہے۔

انسان بنایا، کیسی کاریگری سے بنایا۔ دیکھتا ہے! سُنتا ہے!! سوچتا ہے!!! جیتا جاگتا انسان! ـــــ ایک دن مر جائے گا۔ موت کا انکار آج تک کسی نے نہیں کیا۔ سب کو مرنا ہے، سب جانتے ہیں۔ مگر ـــــ موت کے بعد؟؟ ـــــ پھر زندہ ہونا ہے، پھر جی اُٹھنا ہے۔ جو ایک بار پیدا کر سکتا ہے وہ اگر چاہے تو ہزاروں بار مارے اور جلائے، وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ ہم کو، آپ کو، سب کو ـــــ اُس کے لیے یہ بہت آسان ہے۔

سُورج نکلتا ہے، روز نکلتا ہے۔ ایک مقررہ وقت پر ڈوب جاتا ہے۔ چاند نکلتا ہے، بڑھتا ہے گھٹتا ہے، ہر مہینے اس کا یہی کام ہے۔ کیا سُورج اپنی خوشی نکلتا ہے؟ کیا چاند اپنے ارادے سے گردش میں ہے؟ تم بھی روز مدرسے جاتے ہو، لیکن کبھی کچھ منٹ پہلے اور کبھی کچھ منٹ بعد ـــــ اور کبھی پڑھنے کو جی نہیں چاہتا تو ناغہ بھی کر دیتے ہو، تمھیں اختیار ہے جب چاہو جاؤ ـــــ لیکن چاند سُورج کو یہ اختیار نہیں۔ اُن کے لیے اُن کے مالک نے ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے، یہ اُسی کے مطابق گردش کرتے رہیں گے ـــــ کیا چاند سُورج ہمیشہ ہمیشہ گردش میں رہیں گے؟ ـــــ ایسا نہیں ہے۔ ان کی گردش بھی ایک دن ختم ہو جائے گی۔ ایک دن یہ بھی آپس میں ٹکرا جائیں گے، ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، جس نے بنایا ہے وہ بگاڑ بھی سکتا ہے ـــــ اُس کے لیے یہ بہت آسان ہے۔

کرے اور اُسے سزا نہ ملے یا کوئی اچھے کام کرے اور کوئی بدلہ نہ پائے تو یہ تو بڑا ظلم ہوگا، بڑی ناانصافی ہوگی، کیا اس جہان کا مالک ظالم ہے؟ ناانصاف ہے؟ ——— نہیں، ایسا نہیں ہے، وہ تو رحیم ہے، کریم ہے، انصاف کرنے والا ہے۔ اُس کے رحم کا تقاضا ہے کہ ایک دن سب انسانوں سے حساب لے، اور یہ دیکھے کہ اس کے بخشے ہوئے اختیار سے کس نے کس طرح کام لیا ہے، وہ اس دن سب انسانوں کو ان کے کاموں کا پورا پورا بدلہ دے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ اُس کی حکمت کے خلاف ہے، اُس کے انصاف کے خلاف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دن اس سارے عالم کو درہم برہم کر دے گا، نیکی کرنے یا بدی کرنے کا وقت ختم ہو جانے گا، ایک دوسرا نظام قایم ہوگا، جہاں قوانین کچھ اور ہوں گے، جہاں نیکیوں اور برائیوں کو ناپا اور تولا جا سکے گا، جہاں ہر شخص کو اپنے کاموں کا بدلہ ملے گا، جہاں نیک اعمال ہی دولت ہوں گے، ——— یہ نیا عالم ضرور بنے گا، یہ نئی دُنیا ضرور قایم ہوگی، ہمارے تمہارے اور اس جہان کے مالک کے لیے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں **اُس کے لیے تو ایسا کرنا بہت آسان ہے۔**

رِزق

لوگو! میں نے تمھیں اُن تمام کاموں کے کرنے کا حکم دے دیا ہے جو تمھیں جنّت سے قریب کر سکتے ہیں اور دوزخ سے بچا سکتے ہیں، اور اُن سب کاموں کے کرنے سے منع کر چکا ہوں جو دوزخ سے قریب کرنے والے ہیں اور جنت سے دُور پھینک دیتے ہیں ———

جبرئیلِ امین نے اللہ کی طرف سے یہ بات میرے دل میں ڈال دی ہے کہ کوئی سانس لینے والا اُس وقت تک مر نہیں سکتا جب تک وہ اپنے حصّے کا رزق پورا نہ کر لے۔ تم رزق کی طرف سے اطمینان رکھو۔ اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو اور صرف نیک راہوں سے رزق حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ تم رزق ملنے میں تاخیر سمجھ کر اللہ کی نافرمانیوں کے ذریعے اُسے حاصل کرنے پر آمادہ ہو جاؤ ———
اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالےٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ اُس کی اطاعت ہی کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(ارشاداتِ نبوی)

سید شاہ محمد اسحٰق (ر) بنگلوری

جھوٹا دعویٰ

میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں برا کر رہا ہوں، گناہ گار ہوں، لیکن بھئی اللہ تو بڑا غفور الرحیم ہے۔ بڑے بڑے کافروں کے لیے اُس کی ایک نظرِ کرم کافی ہے۔ وہ بڑا نکتہ نواز ہے، چاہے تو ایک پل میں بیڑا پار کر دے ——— اور بھئی یہ بھی ٹھیک ہے کہ آپ حق کی طرف ہی بلا رہے ہیں لیکن کیا کیا جائے یہ راہ بڑی کٹھن ہے، ہمیں تو آپ ہمارے حال پر ہی چھوڑ دیں، ہمارا سہارا تو بس اللہ کا کرم ہے

اگر ایسے خیالات موجود ہیں تو ——— آخرت پر ایمان کا دعویٰ جھوٹا ہے

یار! یہ تو میرا تجربہ ہے، گناہ میں جو لذّت ہے وہ نیکی میں کہاں، زاہدِ خشک ہونا ٹھیک نہیں، یہ عذاب و ثواب کی بحث بس، رہنے ہی دو ——— یہ تو میں جانتا ہوں کہ اللہ اور رسول برحق ہیں، ان کے احکام ماننا چاہییں، لیکن یہ تو سوچو کہ اگر آدمی گناہ نہ کرے تو پھر توبہ کیسی؟ اور توبہ تم جانو سب سے بڑی عبادت ہے۔ جس نے جُرم ہی نہ کیا وہ آخرت میں اللہ کے کرم اور رسول کی شفاعت کے مزے کیسے لوٹے گا!

اگر ایسے خیالات باقی ہیں تو ——— آخرت پر ایمان کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

ابھی میری عمر ہی کیا ہے؟ دین داری کا بھی ایک وقت آتا ہے، ابھی سے سر کھپنے سے فائدہ؟ وقت بہت کافی ہے، دیکھا جائے گا نمازیں بھی پڑھیں گے، روزے بھی رکھیں گے، ذرا وقت آنے دو ———

اگر ایسے خیالات باقی ہیں تو ——— آخرت پر ایمان کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

کون کہتا ہے نماز مت پڑھو، اپنے اپنے مذہب کی رسوم سب کو ادا کرنا ہی چاہییں۔ لیکن اگر روز نہیں تو ہفتے میں ایک دن تو میں بھی پڑھ ہی لیتا ہوں، آگے اللہ مالک ہے۔ وہ توفیق دے گا تو روز بھی پڑھنے لگیں گے ——— رہ گیا جنّت کا سوال تو بھئی تم بڑی والی جنت لے لینا ہم کسی کونے میں ہی پڑے رہیں گے

اگر ایسے خیالات باقی ہیں تو —— آخرت پر ایمان کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

نیک بننا بُرا نہیں۔ ایمان داری کو سب اچھا کہتے ہیں، لیکن آخر رہنا تو اسی دُنیا میں ہے۔ اگر یہاں رہیں گے تو "یہ" بھی کریں گے۔ ایسا ہی ہے تو کسی جنگل میں جا بسیں، نہ دُنیا کے دھندے ہوں گے اور نہ نیکی بدی کا سوال پیدا ہوگا —— مانا کہ یہ اللہ کا حکم ہے، ہمیں بھی انکار نہیں، اُس کا فرمانا حق ہے، لیکن آخر مصلحت بھی تو کوئی چیز ہے، اس زمانے میں اگر کوئی پُورا مسلمان بن جائے تو اس کا زندہ رہنا بھی محال ہے ——

اگر ایسے خیالات باقی ہیں تو —— آخرت پر ایمان کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

میں تو حضرت .... صاحب کا مرید ہوں۔ بڑی مشکل سے ایک مردِ کامل کا دامن ہاتھ آیا ہے اب مجھے یہ آپ کی نصیحتیں کام نہ دیں گی۔ یہ راہ جو تم بتاتے ہو شریعت کی راہ ہے۔ یہ تمھیں مبارک ہو، طریقت کی راہ دوسری ہے۔ بزرگوں کا سہارا اسی لیے ڈھونڈھتے ہیں کہ قیامت کے میدان میں کام آئے۔ ہم گناہگاروں کے دستگیر اور مشکل کُشا تو بس حضرت .... صاحب ہیں۔ ہمارے سارے گناہ ایک طرف اور حضرت کی نظرِ کرم ایک طرف —— آن کی آن میں بیڑا پار ہے۔

اگر یہ خیالات باقی ہیں تو —— آخرت پر ایمان کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

میاں عاشقانِ رسول کے مُنھ نہ لگو۔ "عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں"! جس دل میں رسولِ پاک کا عشق ہو اُسے قیامت کا کیا غم —— رہ گئے اعمال تو بھئی سارے اعمال ایک طرف اور عشقِ رسول ایک طرف۔ جب دل میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عشق کی آگ سُلگ رہی ہو، تو پھر ان ظاہری اعمال کی فرصت کہاں۔ یہ نماز، یہ روزے، یہ دینی کام بُرے نہیں، سب کرنے کے کام ہیں، ضرور کرنا چاہییں، لیکن بھئی ہم "رندوں" کا مشرب اور ہے۔ جب اس منزل میں آؤ گے تو سارے راز کُھل جائیں گے ——

اگر یہ خیالات باقی ہیں تو —— آخرت پر ایمان کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

میاں ہم کلمہ گو ہیں، ہم پہ دوزخ کی آنچ حرام ہے۔ رہ گئے ہمارے بُرے اعمال تو اگر ان کی سزا بھگتنا ہی پڑی تو بس چند روز، آخر کار مومنین کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔ عمل سے کچھ نہیں ہوتا اصل چیز ایمان ہے۔ جب تک

[illegible]

اگر یہ خیالات باقی ہیں تو ـــــــ آخرت پر ایمان کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

میاں آخرت کا وعظ تو بہت کہہ لیا اب کچھ اس دُنیا کی بھی خبر لو۔ اگر یہاں زندہ رہنا ہے تو مذہب کو روزانہ کے کاموں میں روڑا مت بناؤ، ہر جگہ مذہب کی ٹانگ اڑانا ٹھیک نہیں۔ یہ معاملات دوسرے ہیں، ان کو مذہب سے کیا واسطہ ؟ اللہ کا قانون برحق ــــ لیکن آج کل کی ضروریات کے پورا کرنے کے لیے تو ہمیں خود ہی کوئی راہ نکالنا پڑے گی ـــــــ اسلام اور قرآن کو مانتا میں بھی ہوں، لیکن آخر انسان کو اپنی عقل سے بھی تو کام لینا چاہیے ـــــــ

اگر یہ خیالات باقی ہیں تو ـــــــ آخرت پر ایمان کا دعویٰ جھوٹا ہے

---

(۱) ذرا آپ بھی غور کیجیے، کیا آخرت کا یقین آپ کی روزانہ زندگی پر بھی کوئی اثر ڈال رہا ہے یا نہیں ؟

(۲) کیا آپ کی روزانہ زندگی اُن لوگوں کی زندگی سے کچھ مختلف ہے جو آخرت کی زندگی کے انکاری ہیں ؟

(۳) کیا آخرت پر یقین کی وجہ سے آپ نے کچھ چھوڑا اور کچھ قبول کیا ہے ؟

جناب اسلام اللہ صاحب [illegible]

نفیس ڈائری کے چند اوراق

صحرا نورد اپنی کتاب "عبرت" کے گیارھویں باب میں لکھتا ہے کہ "دورانِ سفر میں ایک سیلاب زدہ مقام پر مٹی اور بوسیدہ چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی "نفیس ڈائری" ملی۔ جس کے چند ہی اوراق حوادثِ روزگار سے محفوظ رہ سکے تھے۔ میں نے اُس مضمون کو "عبرت" کا ایک باب اس لیے بنا دیا کہ شاید کچھ دنوں تک اور یہ مضمون محفوظ رہ سکے۔

اپنے نیک ہونے کا امتحان خود کر لو، ذرا سوچو تو سہی موت کے خیال سے موت تو نہیں آتی۔

۳۰ رمارچ — آپا زہرا نے ابا میاں سے شکایت کی ہے کہ میں روز کے جیب خرچ کو الٹے تلے کر دیا کرتا ہوں، اس لیے اُسے پتنگ ڈور میں پیسے پھینکنے کو خرچ ہی نہ دیا جائے۔ ابا میاں نے خرچ تو نہیں بند کیا لیکن یہ حکم لگا دیا ہے کہ ہر آٹھویں دن چھٹی کے روز یعنی ہفتے بھر کا حساب اُن کے سامنے پیش کیا کروں — بڑی مشکل ہے — میں حساب میں کچا ہوں — اور آپا زہرا اپنی ناک [illegible] شکایت پر اُتر آتی ہیں —

۱۹ رمارچ — میں نے ابا میاں سے شکایت کی کہ جب آپ مجھے پیسے دے دیتے ہیں تو پھر حساب لینے کی تکلیف کیوں کرتے ہیں، آخر آپ مجھے خرچ ہی کرنے کو تو پیسے دیتے ہیں، اور میں اُنھیں خرچ کر دیتا ہوں — تو ابا میاں نے کہا: "میاں نفیس! یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ پیسوں کو تم خرچ کر دیتے ہو، لیکن جب میں تمھیں جیب خرچ دیتا ہوں تو مجھے حق ہے کہ اُس کا حساب بھی معلوم کرتا رہوں — علاوہ اس کے جب خرچ تمھیں اس لیے دیا جاتا ہے

کہ تم اس کو صحیح ضرورتوں میں صرف کرو۔ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ پیسوں کو تم پتنگ ڈور میں برباد کرو — میں نے کہا بھی کہ اب میں ڈور پتنگ میں پیسے نہیں صرف کرتا، لیکن وہ نہیں مانے۔ کہنے لگے — پھر بھی اور بہت سی باتیں ہوسکتی ہیں جن میں تم پیسے برباد کرکے مجھے ناخوش کر دو گے۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ تم باقاعدہ مجھے حساب دیا کرو — اور پھر تم آخر حساب دینے سے اس قدر گھبراتے کیوں ہو۔ حساب دینے سے تو وہی بھاگتے ہیں جن کے دل میں چور ہوتا ہے۔ لیکن اگر تم حساب سے ایسا گھبراتے ہو تو اپنا روز کا خرچ ختم کردو پھر آئندہ تم سے کچھ نہ پوچھا جائے گا۔

۲۲ مارچ — آنکھ تو کھل گئی تھی، مگر میں بستر پہ پڑا رہا۔ میں آج ایک الجھن میں پھنسا ہوا تھا۔ مجھے رہ رہ کر ابا میاں کا حساب لینے کا تقاضا یاد آ رہا تھا — ابا میاں نے پیسے کیا دیے مصیبت میں ڈال دیا۔ "لاؤ حساب دکھاؤ، کہاں خرچ کیے؟ کیوں خرچ کیے؟ یہ کیوں کیا؟ وہ کیوں نہیں کیا؟" واہ خوب! پیسے خرچ کرنے کے لیے ہوتے ہیں خرچ کر دیے۔ خرچ کرتے ہیں، ان سے کوئی حساب نہیں مانگتا — کیا اچھا ہوتا، میں بھی "ابا میاں" ہوتا۔ مجھ سے بھی کوئی حساب نہ مانگتا — یہ حساب تو نری مصیبت ہے — اچھا میں آج امی سے کہوں گا وہ ابا میاں کو سمجھا دیں۔ یہ سب آفت آپا زہرا کی لائی ہوئی ہے، جب دیکھو ناک مروڑا کرتی ہیں اور ابا میاں سے میری شکایت جڑ دیتی ہیں — امی سے کہوں گا، ابا میاں حساب نہ مانگا کریں — مگر اوہ — امی سے میرا کام نہ ہوگا وہ تو کہتی ہیں ایک دن سب کو حساب دینا ہے۔ ہر ہر بات کا حساب دینا ہے۔ اللہ میاں کو حساب دینا ہے — واہ واہ یہ خوب ہوا — ابا میاں کو بھی حساب دینا ہوگا! — اللہ میاں کو حساب دینا ہوگا!! — بس! بس!! اب ابا میاں نے حساب مانگا تو کہہ دوں گا "آپ اپنے حساب کی فکر کریں۔ آپ کو میرے حساب سے کیا مطلب"، امی کہتی ہیں آپ کو بھی حساب دینا ہے اللہ میاں کو حساب دینا ہے ....

..................ابھی یہ خیالات دماغ میں آ ہی رہے تھے کہ آپا زہرا کی تیز اور باریک آواز

"کامیاب وہ ہے جو کہے گا: مجھے تو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن میری پوری زندگی کا حساب میرے سامنے ہوگا"
(قرآن)

"پھک ٹنگ ہو رہا ہو ا ——" آنکھ کھول کر دیکھا تو آپا زہرا میرے سرہانے کھڑی اپنی ناک مروڑ رہی تھیں ۔

۲۹ر مارچ —— کل بھائی رئیس کو اُن کے دوست نصیر صاحب کھانے پر بُلانے آئے تھے کہتے تھے اللہ کا شکر ہے کہ کامیاب ہوگیا اور مقدمے سے نجات ملی ۔ اُس وقت تو میں کچھ نہ سمجھ سکا لیکن جب شام کے وقت امی کو بھائی نے سب قصّہ سُنایا کہ نو برس سے نصیر صاحب کا یہ مقدمہ چل رہا تھا، تو مجھے بڑا تعجب ہوا۔ بھائی کہتے تھے کہ نصیر صاحب کے والدین کی زمین کا کچھ جھگڑا تھا، اس دوسرے فریق سے مقدمے بازی شروع ہوگئی۔ ابھی فیصلہ نہ ہو پایا تھا کہ ایک دن فوجداری ہوگئی، دو آدمی اُدھر کے اور ایک اِدھر کا مارا گیا۔ اب ایک دوسرا مقدمہ کھڑا ہوگیا چھ سال تک نصیر کے والد صاحب لڑتے رہے۔ ایک دفعہ تو ہار بھی گئے، مگر پھر اپیل دائر کر دی، یہاں تک کہ خود اُن کا انتقال ہوگیا۔ ادھر تین سال سے نصیر صاحب لڑ رہے تھے، ہزاروں روپیہ برباد کیا تب کہیں جیتے۔ اب نصیر صاحب حرجے خرچے کا دعویٰ کریں گے لیکن انھیں وصول ہونے کی اُمید کم ہے
[illegible]

نیکی اور بدی کا نتیجہ
یہاں نہیں مل سکتا، اس کے
لیے تو ہمیشہ رہنے والی زندگی کی
ضرورت ہے

شاید گھر میں کچھ زیور جوں تو ہوں ۔

امی کہتی تھیں جو لوگ تھوڑے پر صبر نہیں کرتے وہ زیادہ پر بھی نہیں کر سکتے۔ آخر نصیر کے والد لڑتے لڑتے مر گئے، مگر اپنے ساتھ کیا لے گئے، اور تین آدمیوں کی جانیں جو گئیں وہ الگ، خدا جانے ایسے لوگ اللہ کو کیا مُنہ دکھائیں گے۔ اور اپنا حساب کیسے چکائیں گے۔

—— آپا زہرا حساب کا نام سُن کر چونکیں، اور رومال سے اپنی ناک مروڑتے ہوئے مجھے دیکھ کر مسکرائیں میں ان کی حرکتوں کو خوب سمجھتا ہوں اب وہ یوں نہ مانیں گی، مجھے ابّا میاں سے شکایت کرنی ہی پڑے گی وہ بھی تو ان کی حرکتوں کا حساب لیں۔

۷ر اپریل —— کل بھائی رئیس نصیر صاحب کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھے ریڈیو پر خبریں سُن رہے تھے کہ میں بھی پہنچ گیا۔ خبروں کا پروگرام ختم ہوا تو نصیر صاحب نے ریڈیو کی سوئی گھما دی۔ کہیں پر کوئی ریکارڈ میں غالب کی وہ غزل گا رہا تھا جس کا آخری شعر ہے :

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اَور ہے

نصیر صاحب نے کہا —— کیا خوب گانے والا ہے
[illegible]

ر؛ سہگل ہی کا ہے۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ
ں آج دُنیا میں موجود نہیں ہے پھر بھی تم اُس کی
ا زش ن رہے ہو ــــ اور اُس کی موت کا واقعہ
بالکل اس غزل کے آخری شعر کی تفسیر ہے ــــ
میر صاحب نے پوچھا وہ کیسے؟ ــــ بھائی نے کہا
شراب کی بلا سے مسٹر سہگل نے رشتہ جوڑا تھا، خوب
چے اور نالیوں میں لڑھکتے پھرتے، ایک دن بمبئی کے ایک
مشہور مقام پر رات کو پی کر جھومتے جا رہے تھے کہ ایک
نالی میں گر پڑے اور وہیں ختم ہو گئے۔ کتنی عبرت کی بات
ہے کہ آج اس کے مُنھ کا ایک ایک بول محفوظ ہے۔
لیکن خود وہ کس حال میں ہے ــــ؟ اس کا کسی
کو پتہ نہیں۔ نصیر صاحب نے کہا ــــ اس میں پتے کی
کیا بات۔ انسان مر گیا، ختم ہو گیا۔ اب کیا تم یہ چاہتے
ہو کہ جس مرگ ناگہانی کی آرزو میں اُس غریب نے زندگی
تائی، وہی موت پھر کسی دوسری زندگی کا پیش خیمہ بن جائے۔
بھائی نے کہا ــــ مجھے تمہاری بات ماننے
سے انکار ہے ــــ موت کسی چیز کا قالب تو بدل دیتی
ہے اُسے مٹا نہیں سکتی۔
نصیر صاحب نے کہا ــــ مانا کہ تمہارا
کہنا صحیح ہے مگر اس سے فائدہ کیا؟ ایک چیز ہٹ جاتی
ہے، ہماری نظروں سے ہٹ جاتی ہے۔ اب ہم
خواہ مخواہ یہ کیوں فرض کریں کہ وہ چیز زندہ ہے یا
ہو سکتی ہے۔

بھائی نے کہا ــــ فرض کرنے کا یہاں
سوال نہیں، یہ تو دل و دماغ سے یقین کرنے کا معاملہ
ہے۔ آخر نو سال تک تم دونوں فریقوں نے ایک
دوسرے کے گڑے مُردے اکھیڑ اکھیڑ کر کیوں عدالت
میں پہنچائے، جو لوگ مر چکے تھے اُن کے خاندانی حالات
اُن کا نسبی سلسلہ، کب آئے، کہاں سے آئے، کب زمین
کے مالک ہوئے، کس کس نے اُس سے فائدہ اُٹھایا!
اور نہ جانے کیا کیا ساری ہی باتیں تو ڈھونڈھ کر نکالیں،
پرانے کاغذات تلاش کیے، بڑے بوڑھوں کی گواہیاں
دلوائیں اور ڈھکی چھپی باتوں کو بھی تم عدالت میں
برملا کہہ دیا ــــ کیا اس موقع پر تم لوگوں
کی یہ خواہش بے جا بھی ہو سکتی تھی کہ کاش یہ لوگ زندہ
مل جاتے تو سارے بکھیڑوں سے نجات مل جاتی اور
عدالت خود ان لوگوں سے حالات معلوم کر لیتی
ــــ مگر بات یہ ہے کہ تم مظلوم نہیں ہو
ــــ یہ بات کسی مظلوم سے پوچھو، وہ جانتا
ہے کہ اس دُنیا کے مالک کے انصاف کا تقاضا ہی
یہ ہے کہ ایک نہ ایک دن انصاف ہو، سب مُردے
زندہ ہوں اور ہر ایک کو اُس کا حق دلایا جائے۔
نصیر صاحب کچھ شرما سے گئے ــــ بولے بھئی تم تو
ذاتیات پر اُتر آئے، کہاں کی بات کہاں پہنچا دی، بھائی نے مسکرا کے
کہا یہ ذاتیات کی بات نہیں یہ تو زندگی اور موت کا مسئلہ ہے
اس جملے پر وہ خود بھی مسکرا دیے۔

شوکت علی صاحب نیازی

انعامِ آخرت

(۱)

اے میرے پیارے بچّو
یہ زندگی ہے فانی
اس کا نہیں ٹھکانا
یہ عمر چند روزہ
بے کار مت گنوانا
اک دن وہ آئے گا جب
اس کا حساب ہوگا
غافل اگر رہے تم
پھر کیا جواب ہوگا

(۲)

اے میرے پیارے بچّو
دُنیا ہے جیسی اک پُل
اُس سے ہے بس گزرنا
یاں گھر بنانے کا تم
ہرگز نہ قصد کرنا
اک اور ہی جہاں ہے
اصلی وطن تمھارا
سامان اُس جہاں کا

(۳)

اے میرے پیارے بچّو
دُنیا کی زندگی یہ
دراصل امتحاں ہے
خواہش پرستیوں کا
موقع یہاں کہاں ہے
جس نے یہ زندگی دی
مالک ہے وہ تمھارا
ڈرتے رہو اُسی سے
ہر وقت تم خدا را

(۴)

اے میرے پیارے بچّو
احکام پر اگر تم
اُس کے عمل کرو گے
اُس کی خوشی کی خاطر
گر تم جیو مرو گے
دربار میں جب اُس کے
اک روز جاؤ گے تم
خوشنودیٔ خدا کا

جناب نسیم صدیقی صاحب

ایک لیڈر

قاضیٔ حقیقی کے سامنے

یہ محاسبے کی گھڑی تھی! ——— آج جو جتنا بڑا تھا، اتنا ہی زیادہ مصیبت زدہ تھا "حسابًا یسیرا" کی سعادت کو بعض شہدا و صالحین کے بعد اگر کچھ لوگ حاصل کر سکے تو یہ وہ سیدھے سادہ اور ان پڑھ لوگ تھے جن کی عمر پیٹ بھر بکریاں چراتے، بل چلاتے، یا محنت کرتے گذری تھیں، لیکن جنہوں نے اپنے علم و فہم کی حد تک خدا پرستی اور انسان دوستی کا حق ادا کیا تھا۔ ان کے اختیارات بھی محدود تھے، لہذا ذمے داریاں بھی محدود تھیں اور نتیجۃً محاسبہ بھی سہل تھا۔

پہلا حال اگر تھا تو علم و فکر کی دُنیا کے رہنماؤں کا، یا سیاست و قانون کے ناخداؤں کا! علمائے دین، ائمہ و خطبا، معلمین، ادیب، شاعر، صوفی، لیڈر کے بجو مرو، طاقتوں کے رئیس، سیاسی جماعتوں کے [illegible] حکومت کے وزرا، اسمبلیوں کے ارکان، عدالتوں کے [illegible] مختلف محکموں کے ڈائرکٹر [illegible] کے [illegible] گذشتہ کی [illegible]

"ہیجین" کی حوالات میں بند "ٹرائل" کے منتظر، بالکل بے حس و حرکت مجسمے بنے بیٹھے تھے، ——— جیسے برف کے تودے ہوں، آدمی نہ ہوں، یہ جو دماغ میں کبر کے کیڑے کو پالا کرتے تھے آج اپنے آپ کو کتوں سے بھی پست تر محسوس کر رہے تھے، یہ جن کے قدم شہرت چوما کرتی تھی، آج دنیا کے کمینہ ترین لوگ یہی تھے، یہ جن کے پاس اختیارات کا بے پناہ طاقتیں تھیں، آج گوبر کے ایک کیڑے جتنا اختیار بھی نہیں رکھتے تھے، یہ جو روپے کے زور سے بڑی سے بڑی قوتوں کو شکست دیتے چلے آئے تھے آج کسی حمایت، ہمدردی اور سفارش کے خریدنے کے لیے ان کی جیبیں میں کچھ نہ تھا، اس حادثہ اسیری کے پہلے ——— خود اپنی نگاہوں میں انسانیت پر ظلم کرنے والے مجرم ——— محاسبے سے پہلے محاسبے کے نتائج کو سمجھنے والے! ——— یہ زندگی کی کسی [illegible] ملامت کے بغیر زندہ بیٹھے تھے ہر [illegible] سے ایک ایک [illegible]

اور ایک ایک آدمی کے محاسبے کے سلسلے میں کئی کئی لاکھ افراد، سیکڑوں جماعتیں اور بعض اوقات پوری پوری قومیں شہادت کے لیے پیش ہو رہی تھیں۔

اس وقت ایک آزاد مسلم قوم کا سب سے بڑا "رہنما" جواب دہی کے لیے کھڑا تھا، لرزہ براندام، پریدہ رنگ، دہشت زدہ، جرم کے احساس سے پسا ہوا —— کھڑا کر دیا گیا تھا، اس لیے کھڑا تھا۔

مقدمہ خود کائنات کی آخری سرکارِ عالیہ کی طرف سے شروع ہوا۔ "ملزم" کے سامنے ابتدائی سوالات یہ رکھے گئے تھے کہ:

"کیا تم نے خدا کی مخلوق خدا کا عبد اور خدا کی رعیت ہونے کے احساس کے ساتھ زندگی بسر کی، اور اسی شعور کے تحت ایک قوم کی قیادت سنبھالی؟

کیا تم نے خدا کے ضابطے سے معلوم کیا کہ کسی قوم کی لیڈری کرنے کے لیے کم سے کم کن اوصاف کی ضرورت ہے؟ کیا تم نے اپنے اندر ان اوصاف کو موجود پایا؟

کیا تم نے اپنے سے بہتر آدمی بھی دیکھا ہے جو تمھاری قوم کی لیڈری کے لیے درحقیقت زیادہ موزوں تھا؟ —— اور کیا تم نے بے لوثی سے اپنی مسند اس کے لیے خالی کی؟

اُس دن کی فکر کرو! جب مال، دولت، اولاد اور حکومت کچھ کام نہ آئے گی۔

کیا تم نے جن لوگوں کو اپنا رقیب قرار دے کر اپنے اثر و رسوخ کو اُن کے کچلنے میں استعمال کیا ہے، اُن کے علم و اخلاق کو اپنے علم و اخلاق کے مقابلے میں رکھ کر یہ اندازہ کرنے کی کوشش کی کہ ان میں کون تم سے بہتر ہے؟

کیا تم نے محض اپنی لیڈری کو قایم رکھنے کے لیے زبان، قلم اور جاہ و منصب کی طاقتوں کو غلط طریقوں سے استعمال نہیں کیا؟

کیا تم نے ضابطۂ الٰہی کی روشنی میں اپنے حلقۂ اختیارات کے اندر امن، عدل اور راستی کا نظام قایم کرنے کی مخلصانہ کوششیں پوری طرح سرانجام دیں اور کیا تم نے باطل کی طاقتوں کو شکست دینے کے لیے پوری سرگرمی سے کام لیا؟

کیا کبھی ایسا تو نہیں ہوا کہ اقتدار کی الٰہی امانت کو جو ایک عارضی مدت کے لیے تم کو سونپی گئی تھی، تم نے اپنے شخصی آرام کے لیے اپنے قبیلے اور برادری اور اپنے ساتھیوں اور ملنے والوں اور آلۂ کار بننے والے خوشامدیوں کو ناجائز فائدے کے لیے استعمال کیا ہو؟

کیا تم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ قیادت و حکومت کی ذمے داریاں تمھارے آقا کے قانون کے مطابق کیا ہیں، اور ان کو پورا کرنے میں تم سرگرم رہے؟ تمھاری تقریر و تحریر اور تمھارے احکام اور

ایک نوجوان لڑکی تخت عدالت کے روبرو آ کھڑی ہوتی ہے۔ اُس نے اپنا استغاثہ پیش کیا کہ اس لیڈر نے اور اس کی بیگم نے بے پردگی اور رقص و سرود میں عورتوں کو مبتلا کرنے کی جو مہم شروع کر رکھی تھی، میں اپنی سادگی اور ناواقفیت کی وجہ سے اس کی شکار ہو گئی، کیونکہ ان کا پروپیگنڈا یہ تھا کہ اسلام کا تقاضا عین یہی ہے۔ میں شرم و حیا سے کوسوں دُور ہو گئی اور زندگی کی متاع کو زمانے کے کچھ ہوسناکوں کے ہاتھوں لٹا کر آج یہاں تہیدستانِ قسمت کی صفوں میں شریک ہوں۔

اس لڑکی کے جلو میں کئی ہزار لڑکیاں باری باری آ کر اسی سے ملتے جلتے استغاثے پیش کرتی چلی گئیں۔

ایک سرکاری افسر پیش ہوا۔ اُس نے فریاد کی کہ اس لیڈر کی طرف سے مجھے بار بار ضابطے اور قاعدے کے خلاف غلط حرکات کرنے کی ہدایات ملی ہیں، اور ان ہدایات کے مطابق میں نے کتنے ہی حق داروں کے حقوق مارے ہیں اور کتنے ہی غیر مستحق لوگوں کو دوسروں کے حقوق چھین کر دیے ہیں ——— صرف اس لیے کہ میری نوکری اور میرا روزگار، میری ترقی دُنیا کے اس ایک ترین شیطان کی خوشنودی پر منحصر تھی۔ اس نے مجھے آج کی جواب دہی سے پُوری طرح غافل رکھا ہے!

ایک ——— ایک کے بعد دوسرا، تیسرا، چوتھا، سیکڑوں، ہزاروں ملازم بھی شکایت پیش کرتے رہے۔

ایک پٹواڑی ہانپتا ہوا حاضر ہوا۔ اُس نے فریاد کی کہ اس شخص کی حکومت میں اس کے کارکنوں نے مجھ پر بھاری ٹیکس لگایا، وہ رشوت مانگتے تھے اور میں ان کو حرام کھلانے کی حیثیت رکھتا ہی نہیں تھا۔ اس پر انھوں نے بدلہ لینے کے لیے میرے پچاس روپے کے کاروبار کو پانچ سو روپے کا کاروبار شمار کیا اور اسی حساب سے ٹیکس لگا دیا۔ میں نے بیسوں عرضیاں دیں، اخباروں میں چٹھیاں شائع کرائیں، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر میں نے فیصلہ کر لیا کہ خود اس لیڈر سے ملوں۔ اتفاق سے میرے شہر میں اس کی آمد ہوئی، میں خوشی خوشی اس جلسہ گاہ میں پہنچا، جہاں اس کی تقریر ہونے والی تھی۔ جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ کتنی ہی سڑکوں پر پہرہ لگا ہے اور مجھے اُن سڑکوں کی طرف جانے کی اجازت نہ مل سکی۔ جلسہ گاہ میں میں نے کوشش کی کہ سب سے اگلی قطار میں جا بیٹھوں، لیکن اس لیڈر کی پُوجا کرنے والی پولیس نے مجھے بار بار دھکے دے کر ہٹا دیا، میرے روبرو جب اس لیڈر کی تعریف کرتے ہوئے جھوٹے سپاسنامے پڑھے جا رہے تھے تو میرا خون کھول رہا تھا، جب خوشامدیوں کا یہ فقرہ میرے کانوں میں پڑا کہ "عالی جاہ! آپ کے دورانِ عہدِ سعادت میں رشوت خوار اور بددیانت افسروں نے جس تیزی سے

> تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور اُس سے اُس کے زیرِ اثر لوگوں کے بارے میں سوال ہوگا۔
> (حدیث)

ٰ اصلاح کرلی ہے' ہم اہالیان شہر اس کا اعتراف
رتے ہیں؟

تو میں نے بے اختیار "جھوٹ جھوٹ" کی آواز
لند کی' لیکن مجھے پاس بیٹھنے والوں نے دونوں طرف
سے کھینچ کے بٹھا لیا' ایک چودھری نے تو میرے منہ
ہاتھ رکھ لیا۔ اُدھر سے ایک سپاہی لپکا ہوا آیا اور
س نے میری گردن پر ایک ایسا مکا رسید کیا کہ سَر
ھنا گیا۔

بِھا ڑی کے ان گنت ساتھی کے بعد
لگ سے اس قبیل کے استغاثے پیش
رنے لگے۔

اب ایک عورت
در ایک بچہ پیش ہوئے
س عورت نے بیان کیا کہ میرا
شوہر ملک اور قوم کا اوّلین
خیر خواہ تھا اور ٹھیک اسلام کے
ضابطے کے مطابق حکومت اور عوام کی
اصلاح کی کوشش کر رہا تھا' اُس نے اس لیڈر اور
اس کی سیاسی ٹولی کے دوسرے لوگوں کی سیاسی غلطیوں
اور اخلاقی کوتاہیوں پر تاکید کی' تاکہ یا تو ان لوگوں کی
اصلاح ہو' یا رائے عام ان کو مناصب سے الگ کر کے
بہتر کارکنوں کا انتخاب کرلے ——— لیکن اس
[illegible] وقت نے کوئی جرم ثابت کیے بغیر میرے شوہر کو
[illegible] داخل کر دیا۔ میرا شوہر جیل میں پڑا سڑتا رہا۔
[illegible]

مصیبتوں کا سامنا کرنے پر مجبور کر دی گئی اور یہ میرا بچہ
عملاً یتیموں کی صف میں شامل کر دیا گیا۔

اب جوق در جوق ایسی ہی مائیں اور بچے آ آ کے
اپنی مظلومی کی داستانیں دُہرانے لگے۔

ایک انسانی جوڑا اپنے دو بیٹوں کو لے کر
سامنے آیا۔ یہ مظلوم اپنا استغاثہ پیش کرتے ہوئے کہنے
لگے کہ یہ ہمارے دو بیٹے ہمارا سرمایۂ حیات تھے۔ ہم نے
ان کو بچپن سے تیرے دین کے منشا کے مطابق صحیح تربیت
دینے کی کوشش کی' ماحول سخت مخالف تھا'
لیکن ان میں بہترین افکار اور پاکیزہ
اخلاق پیدا کرنے میں ہم کامیاب
ہو گئے۔ آخر انھیں تعلیم کے
لیے ہم نے وقت کے
نظامِ تعلیم کے حوالے کیا
جو اس "لیڈر" کی حکومت کی
سرپرستی میں چل رہا تھا۔ دس سال
کے اندر اندر اس نظامِ تعلیم نے ہمارے
دونوں بچوں کی کایا پلٹ دی۔ اور یہ دونوں اسلام
سے دُور اور دُنیوی مفاد کے پجاری بن گئے۔ ہم نے
ان کو اچھے خیالات اور اچھی عادات کی جو پونجی پشتہا
پشتوں سے جمع کر کے دی تھی' اُس کو اس لیڈر کی حکومت
نے لوٹ لیا۔ ہمارے دل ٹوٹ گئے اور اسی غم میں
گھل گھل کے ہم نے جانیں دے دیں۔ آج ہم اپنا فریاد
لے کے حاضر خدمت ہیں۔
[illegible]

> جن کو اپنے رب کی ملاقات کا یقین ہے وہ حکومت کو اللہ کی امانت اور ایک اہم ذمے داری سمجھتے ہیں۔

...کے پیش ہوئے۔

اب قاتلوں کا ایک گروہ پیش ہوا، اُنھوں نے بیان کیا کہ اس لیڈر نے اور اس کے ساتھیوں نے ہمارے دلوں میں ساتھ رہنے والی ایک قوم کے خلاف نفرت کے الیے بیج بوئے اور اُن کی مسلسل اس طرح پرورش کی کہ ایک وقت ہم بالکل پاگل بن گئے اور اندھا دُھند ہم نے اس قوم کی عورتوں اور معصوم بچوں کو تہِ تیغ کرنا شروع کر دیا بعد میں جب ہمیں ہوش آیا تو اپنی اس کارروائی کی وجہ جواز ہمیں دل سکی۔ حالانکہ ہم اس کو پاگل پن کے زمانہ میں "جہاد فی سبیل اللہ" سمجھتے تھے۔ کیونکہ اس لیڈر نے اور اس کے حواریوں نے ہمیں یہی تعلیم دی تھی۔ ہم آج قاتلوں کی صف میں کھڑے کیے گئے ہیں۔ مُنصفِ حقیقی! ہم یقیناً قاتل ہیں مگر ہم سب قاتلوں کا سردار یہ شخص ہے جو اس وقت ہمارے سامنے کھڑا ہے۔ اس نے ہمیں قاتل بنایا اور ہم نے قتل کیے، ہم سے مقتولوں کا حساب یقیناً لیا جائے گا، لیکن ہمارا حساب اس شخص سے لیا جائے۔

اس قسم کے ہزاروں مجرم اپنے "مجرم اکبر" کے خلاف مدعی بن کے پیش ہوئے۔

پھر ایک ہجوم کی طرف سے یہ استغاثہ پیش ہوا کہ ... [illegible]

...کے زور سے نکالے گئے تھے، ہمارے بچے ذبح کر دیے گئے، ہماری عورتیں چھین لی گئیں، ہمارے مال لُٹ گئے، ہمارے مکان جل گئے ——— چنانچہ ہم اس لیڈر کی "اسلامی حکومت" کے سائے میں پناہ لینے کے لیے دو دو سو میل پیدل چل کر چپے چپے پر اپنے ساتھیوں کی لاشیں چھوڑتے ہوئے پہنچے۔ اس شخص کی حکومت نے ہم کو دردر دھکّے کھانے کے لیے چھوڑ دیا، اس کے نیچے کام کرنے والوں نے ہم سے رشوتیں طلب کیں اور ہمیں دفتروں کا طواف کرنے پر مجبور کر دیا ——— ہم فاقے اور بیماری کا شکار ہوتے رہے، ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ہم کو قبروں سے بھی بدتر قیام گاہوں میں رکھا گیا۔ ہم میں اور مقامی آبادی میں رقابتیں اُبھار دی گئیں، یہ سب کچھ ہوتا رہا، مگر اس لیڈر کو ہماری مشکلات کے حل کی کوئی توفیق اس کے سوا نہ ہوئی کہ یہ تقریروں میں ہمیشہ اعلان کرتا رہا کہ میری حکومت نے ان مظلوموں کو زندگی کی تعمیرِ جدید کے لیے پورے ذرائع و وسائل فراہم کر دیے ہیں۔ آج ہم عرض کرتے ہیں کہ اس شخص کے دعووں کا باقاعدہ حساب لیا جائے اور پورا انصاف ہم کو ملے۔

اب ایک خوب رو نوجوان کی باری آئی اس نے اپنا ... [illegible]

اس دن سے ڈرو جب اللہ کی بے شمار مخلوق اور خود تمہارے ہاتھ پیر تمہارے خلاف گواہی دیں گے!

ں نے اپنی جوانی کو عیش و عشرت کے ہنگاموں سے بچا کر
رسے دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا' میری دن
ت کی سرگرمیوں کا محور صرف یہ آرزو تھی کہ تیرا قانون
ین پر عملاً جاری ہو تاکہ ساری دُنیا کے سامنے نظامِ زندگی
ایک بہترین نمونہ پیش کیا جاسکے۔ لیکن اس لیڈر کی حکومت
میری نقل و حرکت پر نگرانی قایم کر دی' میری ڈاک پر
نسر بٹھایا' مجھے تقریروں سے روکا' میری تحریروں کو
بط کیا' مجھے گرفتار کیا اور قید رکھا' میرے خلاف
نے ملازمین میں نفرت پھیلائی'
ں میں مجھے بدنام کیا' میرے
ف غداری کے الزام لگائے
ا اس لیے کہ دینِ حق زور نہ
سکے۔ ایک قوم کی قوم کو
ی زندگی سے محروم کرنے کی
ی کوشش پر دُنیا میں یہ شخص
زاؤں سے بچ نکلا اور آج
پ کی عدالت میں حاضر ہے۔
ر' اس کا' اور مظلوم قوم کا
ب آپ کے سوا اور کوئی چکا نہیں سکتا۔
کئی اور نوجوان اُس لیڈر کے خلاف یہی شکایت
کر حاضر ہوئے۔
پھر ایک اور کلرک آگے بڑھا' اُس نے شکایت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

کھا یا ہے کہ میرے چہرے پر تیس ہی سال کی عمر میں جھریاں
پڑگئیں' آنکھوں کے گرد نیلے حلقے بن گئے' بینائی کمزور
ہوگئی' کھانا ہضم کرنے کی قوت نہ رہی' ہمیشہ قبض یا
اسہال میں مبتلا رہا' کمر میں درد رہنے لگا' پیٹھ کبڑی
ہوگئی' طبیعت پر ایک دوامی اُداسی ہوگئی' تفریحات
سے مزاج کو [illegible] ہوگیا —— لیکن ساری قوتیں ایک
کام میں کھپا دینے کے باوجود مجھے اپنے اہل وعیال کے لیے
کبھی کافی معاوضہ نہیں ملا۔ میں جانتا تھا کہ اس لیڈر کی
تنخواہ پر' اس کے سفروں پر' اس کی
دعوتوں اور ضیافتوں پر' اس کے
علاج معالجے پر' اس کے فرنیچر پر
ایک ایک مہینے میں نو نو' دس دس
اور بارہ بارہ ہزار روپے
صرف ہوا —— جس کا
حساب بارہا میں نے اپنے
قلم سے درج کیا ہے' لیکن میں
دوسروں کے لیے جوڑے حساب
درج کرنے والا کلرک اپنی آمدنی و
خرچ کا حساب کبھی برابر نہ کرسکا۔ میں بچوں کی صحتیں حسرت
خراب چھوڑ کر دُنیا سے رُخصت ہوا' وہ یقیناً سوسائٹی
میں ترقی کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ پھر گئے ان کا
نسلوں پر ان حالات کا جو بُرا اثر پڑا ہوگا اُس کا حساب
حالت پر واضح ہے' میں چاہتا ہوں کہ [illegible]
کے بارے میں اس ظالم انسان سے [illegible]
اس کلرک کے بعد [illegible]

جس زندگی میں
آخرت پر یقین کا اثر جس قدر
نمایاں ہے وہ اُسی قدر
قابلِ اعتماد
ہے

الیسی گاڑیاں دو ڑ کرائے رہے۔

یوں ہی نہ معلوم کتنی مُدت دراز تک گروہ در گروہ لیڈر صاحب کے کارناموں کی شہادت دیتے چلے گئے۔

ان شہادتوں اور دعووں کے بعد اس مقدس سی آئی ڈی کی رپورٹیں پیش ہوتی رہیں، جو ہر انسان کی پوری نقل و حرکت کی دیانت دارانہ طریق سے نگرانی کرتی ہے اور گفتار و کردار کا پورا ریکارڈ رکھتی ہے۔

آخر میں اس لیڈر کی ساری زندگی کے واقعات مجسم کر کے خود اس کے سامنے رکھ دیے گئے۔ گویا تاریخ کا فلم حرکت میں تھا اور اس میں لیڈر صاحب کا پورا پارٹ ــــ خلوت کا بھی جلوت کا بھی ــــ برسرِ عام پیش کر دیا گیا۔ ہنستے ہوئے، مشورے کرتے ہوئے، سازشیں گانٹھتے ہوئے، تقریریں نشر کرتے ہوئے، رقص و سرود کی مجالس کا افتتاح کرتے ہوئے، شرابیں اُڑاتے ہوئے، بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر قسم کے حالات میں دُنیا کے اس ذلیل ترین کردار کو عدالتِ عالیہ میں فاش کر دیا گیا۔

بے چارہ "لیڈر" بے ہوش ہو کر گر پڑا، بس یکایک اُس کی آنکھ کھل گئی۔

اگلے دن اخبارات اس خبر کو نشر کر رہے تھے کہ ... صاحب نے وزارتِ عظمٰی سے استعفٰے دیدیا اور اب وہ سیاسیات میں حصہ نہیں لیں گے +

بیزاری کا اعلان

اُس دن کو یاد کرو!

وہ دن!!

جب گمراہ کرنے والے لیڈر!

بیزاری کا اعلان کریں گے!

اپنے پیروؤں سے!!

اپنے پیچھے چلنے والوں سے!!!

عذاب ان سب کے سامنے ہوگا،

اللہ کی سزا کو سب دیکھ رہے ہوں گے،

غلط راہ چلانے والے بھی!

اور غلط راہ چلنے والے بھی!!

اُس وقت!

سارے رشتے ٹوٹ چکے ہوں گے!

سارے تعلق ختم ہو چکے ہوں گے!!

نہ لیڈروں کو پیروؤں سے کوئی [illegible]

[illegible] اللہ کا [illegible] گے!!

اُس وقت یہ پیچھے چلنے والے،

آنکھیں بند کر کے پیچھے چلنے والے،

کہیں گے! ــــــ حسرت سے کہیں گے!!

کاش کسی طرح،

ہم ایک بار پھر دُنیا میں چلے جاتے،

پھر ایک بار ہمارا اور اس لیڈر کا ساتھ ہوجاتا،

اُس وقت ہم اسے بتاتے،

اُس وقت ہم اُس سے بیزاری کا اعلان کرتے،

بیزاری کا اعلان!

اُسی طرح!

جس طرح یہ آج،

ہم سے الگ ہو بیٹھا ــــــ اور

ــــــ بیزاری کا اعلان کر رہا ہے

(سورۂ بقرہ۔ آیات ۱۶۶ و ۱۶۷ کی روشنی میں)

مولانا سید حامد علی صاحب

خدا ظالم نہیں ہے!

(۱)

تری دُنیا عجب دُنیا ہے مالک!

یہاں ہر سمت فتنے ہیں مچلتے ضعیفوں ناتوانوں کو کچلتے
یہاں بدکار پھلتے پھولتے ہیں ہوس رانی کے جھُولے جھُولتے ہیں
یہاں نیکی کی راہیں پُر خطر ہیں یہاں پاکیزہ باتیں بے اثر ہیں
یہاں آسان ہے شیطان بننا یہاں دُشوار ہے انسان بننا
جفاکاروں کو اذنِ عام بھی ہے! یہاں صیّاد بھی ہے دام بھی ہے!
یہاں نیکی کا پھل ملتا نہیں کیوں؟ بدی سے ظلم سے پُر ہے زمیں کیوں؟
یہاں نیکی، بدی سے زیر کیوں ہے؟ تری دُنیا میں یہ اندھیر کیوں ہے؟
رحیمی کا تقاضا کیا یہی ہے؟ کہ مقہورِ جفا ہر آدمی ہے؟

مری آہوں کا طوفاں بے اثر ہے!
ترا انصاف کیا کچھ بے خبر ہے!!

(۲)

مرے بندے تری فریاد سُن لی بدی کی، ظلم کی رُوداد سُن لی
حقیقت تیری نظروں سے نہاں ہے مرے بندے! یہ دُنیا امتحاں ہے
یہاں آزاد ہے ہر ایک انساں مہیّا ہیں بدی، نیکی کے ساماں
کہ جو چاہے بدی سے دل لگائے جہاں والوں پہ، خود پہ ظلم ڈھائے
پسند آئے جو نیکی، نیک بن کر بنے چاہے جو، انسانوں کا رہبر
یہ عمرِ چند روزہ کی بہاریں وہ ہیں آزاد، جیسے بھی گزاریں
بدی کو ہم یہ قوت روک دیتے مگر پھر امتحاں کس طرح لیتے

پھر اس کے بعد ایسا دن بھی آئے
کہ ہر کوئی اپنے عمل انسان پائے

(۳)

فنا ہو جائیں گے اک دن یہ سارے — زمین و کوہ، سورج، چاند، تارے
فنا ہو جائے گی اولادِ آدم — جہاں کا نظم ہو جائے گا برہم
اسی حالت پہ گذریں گے زمانے — ہزاروں سال یا کتنے؟ نہ جانے!
پھر ایسا وقت آئے گا کہ دُنیا — خدا کے حکم سے پھر ہوگی پیدا
زمین و آسماں پھر سے بنیں گے — تمام انسان جی جی کر اُٹھیں گے
نکل کر آئیں گے قبروں سے مُردے — اکیلے، بےکس و بےبس، نہتّے
کسی کے پاس کچھ دولت نہ ہوگی — سفارش یا کوئی طاقت نہ ہوگی
ہر اک پاس بس اعمال ہوں گے — بُروں کے حق میں جو جنجال ہوں گے
خدا والوں کا نیکی کا خزانہ — بنے گا رحمتِ حق کا بہانہ
خدائے کائنات و نوعِ آدم — شہنشاہِ جہاں، خلاقِ عالم
حسابِ خیر و شر لے گا بشر سے — کیا ہوگا جو کچھ، آئے گا آگے
بدی، اُس سے چھپی ہوگی نہ نیکی — خبر ہوگی اُسے ہر ہر عمل کی
فرشتوں نے لکھی تھی بات ایک ایک — لکھے تھے کام اور حالات ایک ایک
وہی اعمال نامہ پیش ہوگا — کوئی اُس دم نہ یار و خویش ہوگا
یہ پوچھا جائے گا، کیسے گزاری — جہاں میں مہلت اپنی زندگی کی
حساب ایک ایک نعمت کا بتاؤ! — سبب اپنی بغاوت کا بتاؤ!
یہ پاؤں ہاتھ اور اعضا ہمارے — گواہی دیں گے یہ بارے کے سارے

ہمارا حال کہہ دیں گے خدا سے چھپائیں گے ہم اپنا جُرم کیسے!
زمیں و آسماں دیں گے گواہی گواہی دے گی ہر ہر شے جہاں کی
سُنی جائے گی مظلوموں کی فریاد کہی جائے گی ہر ظالم کی بیداد
خداوندِ جہان و عدل گُستر تمام حالات کو بندوں کے سُن کر
جزا دے گا، جو ہوگی عادلانہ روش اُس کی نہیں ہے ظالمانہ!
عطا فرمائے گا نیکوں کو جنّت جہاں پائیں گے وہ ہر ایک نعمت
وہ ساری نعمتیں جو کوئی چاہے جنھیں انساں کبھی بھی سوچ پائے
کسی انساں نے آنکھوں سے نہ دیکھا کبھی کانوں سے جن کو سُن نہ پایا
تصوّر تک نہ جن کا دل میں آیا وہ ساری نعمتیں ہیں واں مہیّا
سزا مجرم کی کیا ہوگی؟ جہنم! خدا کا قہر! جو ہوتا نہیں کم
جہاں سے بچ نکلنا! غیر ممکن! سکوں اور چین پانا! غیر ممکن!
جہنّم! اُف وہ ہیبت ناک شُعلے! تصوّر ہی سے جن کے جان نکلے
اُمنڈتی ہیں جہاں ہر سو بلائیں جنھیں سُن کے کلیجے مُنہ کو آئیں
سزائیں! جو کبھی ہم نے نہ دیکھیں! وہ تکلیفیں جو دل نے بھی نہ سوچیں!
یہ سب ساماں جزا کا یا سزا کا کبھی بھی خاتمہ اس کا نہ ہوگا
وہ راحت بھی ہمیشہ کے لیے ہے وہ کُلفت بھی ہمیشہ کے لیے ہے
وہاں کا عیش و غم کیا؟ جاودانی! ہے اس دُنیا کا غم اور عیش فانی!
وہ ناکامی ہو یا ہو کامیابی حقیقت میں ہے وہ بس اُس جہاں کی
اُسی دن کے لیے کوشش ہے کرنا!

مولانا خلیل احسن صاحب ندوی

عقیدۂ آخرت میں بگاڑ

پہلے جو کچھ اُس دوسری زندگی کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں، صرف خدا کے آخری پیغمبر ہی نے نہیں پیش کیا، بلکہ آپ سے پہلے خدا کے جتنے رسول مختلف قوموں اور زمانوں میں آئے، سب نے قیامت کے ہونے کی خبر دی، سب نے بتایا کہ جزا و سزا کا ایک دن آنے والا ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ اس آخری امتحان میں آدمی کامیابی کی منزل پر کس طرح پہنچ سکتا ہے، اور کون لوگ وہاں کمل تباہی سے دوچار ہوں گے۔

لیکن ایسا ہوا کہ ان رسولوں کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کے ماننے والوں نے یا تو بالکل اس سبق کو بھلا دیا، یا اس میں کچھ بگاڑ پیدا کر دیا، ایسا کر دیا کہ اُس کی شکل ہی کچھ سے کچھ ہو گئی، اور اس سے بالکل اُلٹا نتیجہ برآمد ہونے لگا، پہلے یہ عقیدہ اگر لوگوں کو کھینچے جاتا تھا، تو اب یہی عقیدہ اپنی بگڑی ہوئی شکل میں تیزی کے ساتھ انھیں [illegible] لیے جا رہا ہے اور [illegible]

چلے جا رہے ہیں ——— ایسا کیوں ہوا کہ لوگوں نے اپنے پیغمبروں کی تعلیم کو بدل ڈالا؟ بات یہ ہے ——— میرے بھائی ——— کہ جزا و سزا کا عقیدہ ہی انسان کو ٹھیک راستے پر چلاتا ہے جزا و سزا کا صحیح علم ہی انسانی طبیعت کے سرکش گھوڑے کی لگام ہے، اس علم کے سوا کسی دوسری تدبیر سے اس گھوڑے کو قابو میں رکھنا بالکل ناممکن ہے، آخرت کا یقین انسان کے دل و دماغ کا بہترین سنتری ہے، اس کے سوا کسی دوسرے پہرے دار اور سنتری کے لیے ممکن نہیں جو چوروں کو گھسنے کا موقع نہ دے! ———

> قیامت کا انکار وہی کرتا ہے جو اللہ کی حدود کو توڑتا اور گناہوں میں سرشار رہتا ہے۔ (قرآن)

چونکہ آخرت کی زندگی انسان کی آنکھوں کے سامنے نہیں ہے اس لیے لوگ اس اَن دیکھی بات کا یقین پیغمبروں کی زندگی میں تو خوب اچھی طرح کر لیتے ہیں لیکن پیغمبروں کے بعد کے زمانے میں یہ یقین مدھم پڑتا جاتا ہے، ادھر لوگوں کے نفس خواہشات کی آزادی [illegible]

نفس کے گھوڑے کی وہ لگام جو پیغمبروں کی تعلیم کے زمانے میں بہت مضبوط ہوتی ہے، ڈھیلی ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ لوگوں کو نفس کی آزادی میں لذت آنے لگتی ہے ، دُنیا اور اُس کے مزے ان کی نظروں میں زیادہ عزیز ہو جاتے ہیں، انتہا یہ کہ نفس کی یہ لگام ڈھیلی ہوتے ہوتے ٹوٹ جاتی ہے اور نفس کا گھوڑا بالکل آزاد ہو جاتا ہے۔
اچھا ہم اب اس بات کو ذرا صاف صاف لفظوں میں بتاتے ہیں۔

جب خدا کے آخری پیغمبر — اُن پر رحمت اور سلام ہو — عرب کے ملک میں بھیجے گئے، اور اُن پر قرآن اُترنا شروع ہوا، تو اُس وقت وہاں تین بڑی قومیں بستی تھیں، یہود یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے، دوسرے نصاریٰ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے، اور تیسری بڑی قوم بنو اسمٰعیل یعنی حضرت اسمٰعیل کی نسل کے لوگ۔ ان میں سے یہود پڑھے لکھے لوگ تھے۔ ان کو حضرت موسیٰ کے ذریعے خدا نے اپنی کتاب تورات دی تھی، تاکہ خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گزاریں۔ اس آسمانی

> جس شخص کو اپنے رب سے ملاقات کا یقین ہو، اُس کے لیے لازم ہے کہ وہ نیکی کی راہ اختیار کرے اور اُس سچے آقا کے علاوہ ہر ایک کی غلامی سے انکار کر دے
> (قرآن)

گئے تھے جس طرح قرآن میں بیان ہوئے ہیں، حضرت موسیٰ کے اُمتی اور پیرو حضرت موسیٰ کی موجودگی میں، اور اُن کے بعد بھی کچھ مدت تک صحیح عقیدے پر قایم رہے، پھر رفتہ رفتہ اُن کے اس یقین میں کمزوری آنا شروع ہو گئی۔ اس لیے کہ آخرت کے سچے عقیدے پر قایم رہتے تو نفس کی خواہش کیسے پوری کر پاتے، حرام حلال کی قید سے بے پروا ہو کر ہر جائز و ناجائز پر مُنھ کیسے مارتے، —— عقیدہ کمزور ہوتا گیا اور نفس کی اندھی بہری خواہشوں کا زور بڑھتا گیا یہاں تک کہ اُن پر ایسا وقت آیا کہ اپنے کو ٹھیک کرنے کے بجائے خدا کی کتاب میں سے ہر اُس چیز کو کھُرچ کھُرچ کر پھینک دیا جو نفسانی خواہشوں کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی تھی۔ اُنھوں نے توحید کا چہرہ بگاڑا، اُنھوں نے رسالت کی صورت بگاڑی، اُنھوں نے عقیدۂ آخرت کا ورق ورق [illegible]، اُنھوں نے اپنے تمام پیغمبروں کی روشن زندگیوں پر پوری بے دردی سے سیاہی مل دی، اُنھوں نے تورات کے ایک ایک خدائی حکم کو ہاتھ سے مَسل ڈالا۔

اُنھوں نے اپنی تاریخ میں کیا کچھ کیا، اس کی تفصیل لمبی اور بے حد دردناک ہے، جسے بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں، اس وقت تو صرف یہ بتانا ہے کہ انھوں نے عقیدۂ آخرت میں کس قسم کا بگاڑ پیدا کیا، اس سلسلے میں یہ بات جاننے کی ہے کہ اس وقت یہودیوں کے ہاتھوں میں جو تورات ہے، اُس کو شروع سے لے کر آخر تک پڑھ جائیے اس میں کہیں آخرت کا ذکر آپ کو نہیں ملے گا، انھوں نے اس مسئلے کو اپنی کتاب سے بالکل کھرچ دیا ہے، آخرت کی ساری نعمتوں کو دُنیا ہی میں اُتار لائے ہیں، اب ان کی کتاب میں یوں کہیں لکھا ہوا نہیں ملتا کہ نیکی کا بدلہ آخرت میں ملے گا، بلکہ یوں ملتا ہے کہ یہود اگر نیک بنیں گے تو خدا ان کو فلسطین کی سرزمین میں بسائے گا جہاں دُودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں —— خلاصہ یہ کہ انھوں نے اپنی کتاب سے یہ عقیدہ بالکل نکال پھینکا، جو اُن کے جی کی خواہشوں کی راہ میں رُکاوٹ بنا ہوا تھا، قرآن —— آخری آسمانی کتاب نے —— یہود کے بارے میں جہاں بحث کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخرت کے قائل تو تھے مگر ان کا خیال یہ تھا کہ یہود اللہ کے چہیتے اور پیارے ہیں، پیغمبروں کی اولاد ہیں، اس لیے

یہودیوں پر مہربان خدا اُنھیں جہنم میں نہ ڈالے گا بھلا کوئی اپنے پیاروں کو بھی دُکھ دیتا ہے؟ —— اور اگر ڈالے گا بھی تو صرف چند دنوں کے لیے اور وہ بھی یوں کہ تم نے مصر میں گائے کی پوجا چند دن کی تھی، اس لیے آگ میں ڈالے جائیں گے تاکہ یہ گناہ جھڑ جائے پھر پاک صاف ہو کر نکلیں گے اور سیدھے جنّت میں پہنچ جائیں گے، قرآن کہتا ہے کہ اسی وجہ سے یہ بڑے بڑے گناہ کرتے اور ذرا نہ شرماتے، ذرا سا بھی نہ جھجکتے، وہ اس اطمینان پر جی رہے تھے کہ ہم تو یعقوبؑ پیغمبر کی اولاد ہیں، موسیٰ کے اُمتی ہیں، آسمانی کتاب رکھتے ہیں، خیرالامم ہیں، ہمارے اپنے خاندان میں سیکڑوں پیغمبر ہیں، ہزاروں اولیاءاللہ ہیں، یہ لوگ ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیں گے، ہمارے گناہ بخشوا لیں گے، —— انھیں یہ بات یاد نہیں رہی کہ خدا رحیم و رحمٰن ہونے کے ساتھ ساتھ عادل و قہار بھی ہے! ——
نصاریٰ کا بھی یہی حال تھا، وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰؑ نے سولی پر چڑھ کر خدا سے اس بات کا پروانہ حاصل کر لیا ہے کہ اُن کے ماننے والوں کے لیے بالکل چھوٹ ہے، وہ دُنیا میں جو کچھ بھی کریں، کتنے ہی بڑے گناہ کریں وہ بہرحال

اس دن کی فکر کرنا
سب سے بڑی عقل مندی ہے جب
انسان کی نیکیاں ہی اس کا سب سے
بڑا سرمایہ ہوں گی

...اور یہی حال حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد یعنی اُس
...حضورؐ پیدا ہوئے تھے، اُنھوں نے
...بتوں کی مورتیاں اپنے ہاتھوں سے بنائیں
...خدا کے گھر (کعبے) میں رکھا، اور اُنھیں پوجا
...کیا، ان میں سے کوئی دولت کا دیوتا تھا کوئی
...کی دیوی تھی، اسی طرح اُنھوں نے مختلف چیزوں
...الگ الگ دیوی دیوتا بنائے تھے۔ اسی کے ساتھ
...ظالموں نے اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت
...اسمٰعیلؑ کی قد آدم تصویریں خدا کے گھر میں کھڑی کی تھیں،
...نہیں پوجتے، اُن پر نذریں نیازیں چڑھاتے ——
...کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ ہمیں دُنیا میں فائدہ پہنچاتے
...ہیں اور مرنے کے بعد —— اگر حساب کتاب ہوا ——
...ہمیں بخشوا لیں گے، یہ خدا کے یہاں اتنا زور رکھتے
...ہیں اور خدا کے اتنے پیارے ہیں کہ جس چیز کے لیے
...اڑ جائیں گے، مچل جائیں گے، خدا سے کرا ہی لیں گے،
...جیسے کہ باپ اپنے پیارے بیٹے کی ضد پر اس کی خواہش کے
...سامنے جھک جاتا ہے، اور اپنی رائے اور فیصلے کو مجبوراً
...بدل دیتا ہے —— قرآن نے ان تینوں کی تردید
...کی جن جن چیزوں پر اترا رہے تھے قرآن نے اس پھکنے کی
...ساری ہوا نکال دی، اور اُن کے سارے ہوائی قلعوں کو

اپنی دلیلوں کی ڈائنامیٹ سے اُڑا دیا، اس نے
اُن کو بتایا کہ خدا بے لاگ منصف ہے، تم جس شفاعت
(سفارش) پر پھول رہے ہو اُس کا آسمان و زمین میں
کہیں وجود نہیں، اس کا خدا کی عدالت میں کہیں گذر
نہیں، کسی کو جزا دینے اور کسی کو سزا دینے کا فیصلہ صرف
خدا کے ہاتھ میں ہے، کوئی فرشتہ اور کوئی پیغمبر
حساب کے دن اُس کی عدالت میں اکڑ نہیں سکتا،
مچل نہیں سکتا اور خدا کو فیصلہ بدلنے پر مجبور نہیں کرسکتا،
اور نہ وہ مجبور ہو سکتا ہے۔ کوئی فرشتہ اور پیغمبر صرف
اُسی وقت بول سکے گا جب خدا اُسے بولنے کی اجازت
دے گا، اور صرف اُسی شخص کے بارے میں وہ خدا کی جناب
میں درخواست (دُعا) کرے گا جس کے بارے
میں وہ درخواست کرنے کی اجازت دے گا
—— یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنی پھوپی صفیہؓ اور اپنی بیٹی فاطمہؓ کو مخاطب
کرکے فرمایا:

"اے صفیہ اور اے فاطمہ! تم پیغمبر کی پھوپی اور بیٹی
ہونے کی وجہ سے عمل سے غافل نہ ہونا، وہاں
ہر شخص کو اپنی آپ جواب دہی کرنی ہے، وہاں
کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔"

إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ
أَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ ۔
(ترمذی)

قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے
یا دوزخ کے گڑھوں میں کا ایک گڑھا ہے۔
(ارشادِ نبوی)

زندگی اُس مہلت کا نام ہے جب تم خود قبر کو

یوم الحق

اُس دن کو یاد کرو !

وہ دن !!

جب روح الامین اور سارے فرشتے

کھڑے ہوں گے،

شہنشاہِ کائنات کے حضور

—— صف بصف کھڑے ہوں گے،

اور کوئی دم نہ مار سکے گا —— کوئی بھی،

کوئی بات نہ کر سکے گا —— مگر صرف وہ شخص،

صرف وہ شخص بات کر سکے گا !

جسے مالک اپنی مہربانی سے بولنے کی اجازت بخش دے

صرف وہ شخص بول سکے !!

جو بس ٹھیک بات ہی مُنھ سے نکالے۔

صرف ٹھیک بات —— صحیح اور سچّی !!

یہ دن —— اس کا آنا تو ضروری ہے !

یہ دن —— اس کا آنا تو یقینی ہے !!

—— یہی انصاف ہے !!!

اب جو اپنا بھلا چاہے،

جو اُس دن اپنے مالک کے قریب ہونا چاہے،

جو اُس دن اُس کی رحمتوں کا حق دار بننا چاہے،

وہ آج ہی اُس کا سامان کرے،

وہ آج ہی اپنے مالک کے راستے کو اختیار کرے۔

ہم تمھیں ہوشیار کر چکے ہیں!
آنے والے عذاب سے خبردار کر چکے ہیں،
تباہی کی گھڑی سے آگاہ کر چکے ہیں،
اُس گھڑی سے جو قریب ہے!!
بہت قریب!!!

اُس دن،
اُس دن ہر شخص کے سامنے ہو گا،
وہ سب کچھ سامنے ہو گا ——
—— جو اُس نے اپنے لیے اپنے آگے بھیجا تھا،
اُس کے سارے اچھے کام!
اُس کے سارے بُرے کرتوت!!
—— وہ سب کچھ جو اُس نے دنیا میں کیا تھا،
اُس دن ہر کافر کہے گا۔
—— کاش میں تو مٹی ہوتا،
—— کاش میں مٹی ہو گیا ہوتا،
—— کاش میں دوبارہ نہ اُٹھایا گیا ہوتا،
—— کاش میرا تو کوئی نام و نشان
باقی نہ رہتا۔

(سورۂ نبا کی آخری آیات کی روشنی میں)

آبِ حیات

شاہد بڑا ہنس مکھ لڑکا تھا، جب دیکھو مسکراتا ہوا۔ باتیں کرتا تو روتوں کو ہنسا دیتا۔ اچھی اچھی باتیں، میٹھی میٹھی باتیں، عقلمندی اور ہوشیاری کی باتیں۔ غرض یہ کہ جو اسے دیکھتا خوش ہوتا۔

ایک دن جب وہ مدرسے سے گھر لوٹا تو بہت چپ چپ تھا، چہرہ اُداس اور رنجیدہ ـــ ماں نے پوچھا "بیٹا کیا بات ہے؟ کیوں خاموش ہو؟" ـــــــ لیکن شاہد نے کچھ نہ بتایا یوں ہی اپنے کمرے میں بیٹھا کچھ سوچتا رہا ـــــــ ماں نے دیکھا تو اُس سے نہ رہا گیا۔ شاہد جیسا خوش خوش رہنے والا بچہ اور یوں منہ اُداس بیٹھے، کوئی بڑی ہی بات ہوگی۔ ماں نے پیار سے پوچھا، بار بار پوچھا، تو شاہد نے اپنی اُداسی کا سبب کچھ عجیب ہی بتایا۔

شاہد بولا: "امّی جان کل ہمارے سبق میں "آبِ حیات" کا ذکر آ گیا تھا۔ ہمارے ماسٹر صاحب نے بتایا کہ آبِ حیات اُس پانی کو کہتے ہیں جسے اگر کوئی شخص ایک بار پی لے تو پھر وہ ہمیشہ زندہ ہی رہتا ہے، اُسے موت نہیں آتی۔ جب سے میں نے اس پانی کا حال سُنا تھا میں بہت ہی خوش تھا اور میں نے دل میں ٹھان لی تھی کہ چاہے کچھ ہو جائے میں اس پانی کو ضرور پی کر رہوں گا۔ چاہے اس کے ڈھونڈنے میں کتنی ہی مصیبت اُٹھانا پڑے، اس پانی کو ضرور تلاش کروں گا، اور جب اسے پی کر موت کا ڈر نہ رہے گا تو پھر دُنیا میں بڑے بڑے کام کروں گا۔ اس خیال سے میں اتنا مگن تھا کہ آپ سے بیان نہیں کر سکتا ـــــــ آج میں نے چاہا کہ لاؤ ماسٹر صاحب سے یہ تو معلوم کر لوں کہ "آبِ حیات" کہاں ملتا ہے؟ اس کی تلاش میں کدھر جانا چاہیے؟ اور اس کے حاصل کرنے کی تدبیر کیا ہے؟ ـــــــ لیکن امی جان! مجھے بڑا دُکھ ہوا جب ماسٹر صاحب نے یہ بتایا کہ آبِ حیات آج تک کسی کے ہاتھ نہیں آیا ہے۔ بس اس کو یوں ہی قصے کہانی کی بات سمجھو۔ یہ کسی کو مل نہیں سکتا ـــــــ اور پھر کہنے لگے کہ خدا جانے ایسا پانی کہیں ہو بھی سکتا ہے یا نہیں یہ تو سب شاعروں کی باتیں معلوم ہوتی ہیں، تم اس کے چکر میں مت پڑو ـــــــ ماسٹر صاحب کی باتیں سُن کر میری ساری خوشی رنج میں بدل گئی، اب میرا جی نہیں چاہتا کہ کچھ کام کروں۔ جب

ہماری زندگی ایک دن ختم ہی ہو جاتا ہے اور یہ معلوم بھی نہیں کہ کب ختم ہو جائے تو پھر اس کے لیے بڑے بڑے سامان کیسے۔ تھوڑے سے دنوں جینا ہے، کسی نہ کسی طرح جی ہی لیں گے۔ ہاں اگر ہمیشہ کی زندگی مل جاتی تو کچھ کام کرنے کو جی بھی چاہتا۔ اب اتنی سی زندگی کے لیے کیا اچھے کام کیا برے کام۔ جیسا جی چاہے گا کریں گے۔ اچھے یا برے دن کٹ ہی جائیں گے۔

شاہد کی ماں یہ باتیں سن کر سناٹے میں آگئی لیکن ایک بات سے اسے بڑی خوشی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس کا بچہ کیسی اچھی سمجھ رکھتا ہے کہ وہ ایسی باتوں کو سوچنا اور سمجھنا چاہتا ہے۔ آخر کار شاہد کی ماں نے کہا:

بیٹا! مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ تم اپنی زندگی کے بارے میں کچھ سوچنا اور سمجھنا چاہتے ہو۔ لیکن میرے لال تمھیں تمھارے اُستاد نے ایک بات تو بتائی ہی نہیں۔ اگر کہیں تمھیں وہ بات معلوم ہو جائے تو تمھارا رنج ایک لمحے میں کافور ہو جائے۔ آؤ ناشتہ کرو، پھر میں تمھیں بتاؤں گی کہ سچ مچ آبِ حیات کیا ہے اور وہ کہاں ملتا ہے ــــــــ"

"کیا ایسی بات ہے؟ امی جان!" شاہد نے پوچھا۔

"ہاں! ہاں!! بیٹا۔ میں ابھی تمھیں سچی سچی بات بتائے دیتی ہوں، تم کچھ بھی فکر مت کرو۔"

ناشتے کے بعد شاہد اور اس کی ماں نے عصر کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر ماں اپنے لڑکے کو لے کر مکان کے باہر والے صحن میں ایک آم کے درخت کے نیچے تخت پر بیٹھ گئی اور شاہد کو بتانا شروع کیا ــــــــ

"بیٹا تم بھول گئے، میں نے تمھیں بتایا تھا کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے۔ تم اس کا مطلب سمجھے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ دراصل موت آنے پر ہماری زندگی ختم نہیں ہوتی، اور نہ مرنے سے ہم مٹ جاتے ہیں، صرف ہمارا یہ جسم ضرور فنا ہو جاتا ہے۔ یوں سمجھو، ایک چلتا پھرتا مسافر ایک سرائے میں آیا، کچھ دن رہا، پھر چلا گیا اور ایسا چلا گیا کہ کبھی نہ آئے گا۔ تو اب اگر سرائے والے یہ سمجھ لیں کہ مسافر فنا ہو گیا۔ مسافر کا کوئی وجود ہی باقی نہیں رہا، تو یہ بات کیسی غلط ہوگی۔ یہی حال ہمارا ہے۔ ہم اس دُنیا میں چند روز کے لیے ضرور آتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب ہم یہاں سے چلے جائیں گے، تو بالکل فنا ہو جائیں گے، اور ہماری کوئی زندگی باقی نہیں رہے گی۔ ہماری زندگی تو باقی رہے گی۔ اس دُنیا میں نہ ہوگی کسی دوسری دُنیا میں ہوگی۔ لہٰذا یہ فکر ہی فضول ہے کہ ہمیں زندگی کو باقی رکھنے کے لیے کسی آبِ حیات کی

ضرورت ہے ـــــ اب رہ گئی یہ بات کہ کوئی چاہے کہ اسی دُنیا میں ہمیشہ باقی رہے تو یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ تمھیں اندازہ نہیں ہے کہ اگر کہیں لوگ اس دُنیا میں ہمیشہ رہنے لگیں تو اُن کی زندگی اجیرن ہو جائے۔ اُن کی اولادیں ـــــ بیٹے، پوتے، پرپوتے وغیرہ ان کو زبردستی اس دُنیا سے باہر ہو جانے پر مجبور کریں۔ تم نے سُنا ہوگا سرکاری ملازموں کو زبردستی پنشن دے دی جاتی ہے۔ اس کی ایک غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ نئے آنے والوں کے لیے جگہ خالی کریں، لوگ اتنا انتظار نہیں کر سکتے کہ وہ ۵۵ سال سے زیادہ زندہ رہیں اور پھر جگہ خالی کریں۔ غرض یہ کہ اگر لوگ ہمیشہ زندہ رہنے لگیں تو اس دُنیا کا موجودہ نظام قایم ہی نہ رہ سکے ـــــ یہ تو اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت اور اُس کا بڑا فضل ہے کہ وہ ہمیں ایک مقررہ مُدّت کے بعد اس دُنیا سے دوسری دُنیا میں بلا لیتا ہے، ورنہ یہاں بڑی ریل پیل ہو۔

"اچھا امی جان تو پھر وہ آبِ حیات کیا ہے جو آپ کے نزدیک سچ مچ آبِ حیات ہے! اور وہ کہاں ملتا ہے؟"

"ہاں میں ابھی بتاتی ہوں۔ تم یہ تو سمجھ گئے نا کہ زندگی کو باقی رکھنے کے لیے آبِ حیات کی ضرورت ہی نہیں زندگی تو باقی ہی رہے گی۔ رہ گئی اس دُنیا کی موجودہ زندگی سو اس کا باقی رکھنا تو خود ایک وبالِ جان ہے، اس کے لیے کوئی عقل مند آدمی تمنا ہی نہیں کر سکتا ـــــ اب دیکھنا یہ ہے کہ سچ مچ آبِ حیات کسے کہتے ہیں؟

یہ تو تم جان ہی گئے کہ ہماری زندگی کے دو حصّے ہیں، ایک حصّہ وہ جو ہم اب یہاں اس دُنیا میں گزار رہے ہیں، اور دوسرا وہ جو مرنے کے بعد دوسری زندگی میں گزاریں گے۔ زندگی کا جو حصّہ اس دُنیا میں گزر رہا ہے وہ بہت ہی اہم ہے، اس زندگی میں ہم جیسے کام کریں گے ویسا ہی نتیجہ اس کے بعد والی زندگی میں پائیں گے۔ تم نے کسان کو دیکھا ہوگا۔ ایک زمانہ ہوتا ہے جس میں وہ جوتتا بوتا ہے، پھر ایک وقت آتا ہے جب وہ کاٹتا ہے۔ یہی حال ہمارا ہے، یہ زندگی جوتنے اور بونے کا زمانہ ہے۔ دوسری زندگی میں فصل کاٹنا ہوگی۔ جو جیسا بوئے گا ویسا کاٹے گا۔

اب اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ ہم یہاں کیا بوئیں اور کیسے بوئیں تاکہ وہاں اچھی سے اچھی فصل کاٹ سکیں۔ تو یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ ہمارے نزدیک آبِ حیات ـــ سچ مچ کا آبِ حیات یہ ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ ہم دوسری زندگی کو زیادہ سے زیادہ کامیاب کرنے کے لیے کیا کریں ـــــ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اُس نے یہ آبِ حیات ہمارے لیے پہلے ہی بھیج دیا ہے ـــــ یہ آبِ حیات اُس کی بھیجی ہوئی کتاب ہے جو ہمیں صاف صاف بتاتی ہے کہ دوسری زندگی کی کامیابی کے لیے ہمیں اس زندگی میں کیا کیا کرنا چاہیے ـــــ میرے بیٹے تم جب بڑے ہو جاؤ گے تو اس آبِ حیات کو خود بھی پیو گے اور دوسروں کو بھی پلاؤ گے۔ اللہ وہ دن جلد لائے کہ میرا شاہد ساری دُنیا کو سچ مچ کا آبِ حیات پلائے ـــــ"

امی نے محبت کے جوش میں شاہد کو گلے سے لگا لیا اور شاہد کے چہرے پر خوشی کے ایسے آثار پیدا ہو گئے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے ـــــ شاہد کو سچ مچ آبِ حیات مل گیا تھا +

محترمہ بتول صاحبہ

داؤں

حمید، اسلم، مختار، اور رشید صحیح معنوں میں شیطان کے بھائی تھے، گھر پر تو ان کی شرارتیں کچھ ایسی ہی رہتی تھیں، مگر اسکول میں جب یہ چاروں اکٹھے ہوتے تھے تو سب لڑکے ان سے کترا کے چلتے تھے، اپنی پوری جماعت پر ان کا رعب تھا، مگر اسی مناسبت سے تعلیم میں سب سے پیچھے تھے۔ کھیل کود، سیر و تفریح، اور شکار کے نت نئے پروگرام بنتے تھے۔ پھر اتنا وقت کہاں بچتا کہ پڑھائی پر صرف کر سکیں۔ کمزور لڑکوں کو ستانا خاص دلچسپی کا سامان تھا۔ انھیں کی جماعت میں مہدی بھی تھا، اس کی شرافت اور تعلیم میں دلچسپی کی وجہ سے اُستاد اس سے ہمیشہ خوش رہتے۔ مگر یہ چاروں تو اُستادوں کے لیے مستقل درد سر ہی تھے۔

ایک دن مہدی بہت عمدہ مضمون لکھ کر لایا۔ ماسٹر صاحب بہت خوش ہوئے، پوری جماعت میں تعریف کی، اور کہا کہ مہدی تم ہی میں سے ایک ہے۔ تم لوگ بھی محنت اور کوشش کرو تو ایسا ہی لکھ سکتے ہو۔ یہ کھیل میں حصہ لیتا ہے اس کا کھیل بھی اچھا ہے، اور تعلیم میں بھی شوق ہے اور محنت بھی کرتا ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ میری پوری جماعت مہدی کی طرح ہو جائے۔ تم لوگ کھیل کود میں زیادہ وقت ضائع کرتے ہو، تعلیم پر دھیان نہیں دیتے۔ کچھ لڑکے شرمندہ ہوئے، چند ایک نے آئندہ تعلیم پر زیادہ دھیان دینے کا ارادہ کیا۔ مگر یہ سب سمجھتے تھے کہ یہ ان ہی چاروں کا بُرا اثر ہے جو کل جماعت تعلیم میں کمزور ہے۔ یہ اثر ٹوٹے تو سب لڑکے لکھنے پڑھنے میں لگ جائیں۔ نہ خود پڑھتے ہیں نہ کسی کو پڑھنے دیتے ہیں۔ ان چاروں کی کچھ نہ پوچھیے۔ ماسٹر صاحب نے مہدی کی تعریف کیا کی۔ انھیں مہدی ہی سے جلن پیدا ہو گئی۔ چھٹی ہوتے ہی چاروں نے میٹنگ کی :

حمید : "بھائی یہ تو اچھا نہ ہوا، ماسٹر صاحب نے تو مہدی کی تعریفیں کر کے سر چڑھا لیا ہے۔"

مختار : "یہ مہدی صاحب پہلے بھی دو نصیحتیں کرتا تھے، اب اور بھی پھول جائیں گے۔ ہم سب کی تعریف

کیا
آنکھیں بند کرکے چلنے والا
دیکھ کر راستہ چلنے والے کے
برابر ہو سکتا ہے؟
سوچو! ——

خیر اور ذلیل ہو گئے مجھے بڑا غصہ آ رہا ہے۔
اسلم: "ایسے غصّے سے کیا فائدہ کچھ ایسا سبق سکھانا چاہیے کہ تمام شیخی نکل جائے۔ ماسٹر صاحب کی تعریف سے جو تمام لڑکوں میں ہوا بندھ گئی ہے یہ بھی ختم ہو۔
رشید: "ارے اور تو کچھ نہیں، مجھے تو یہ افسوس ہے کہ امرود کھانے کے پروگرام کا سارا لطف جاتا رہا۔ بہت کم لڑکے ہمارے ساتھ چل سکیں گے۔ دو ایک سیر بھی ہو جائیں۔ امتحان نزدیک آ رہا ہے۔ پھر تو کتابوں کے ساتھ سر کھپانا ہی ہے۔ یہ مہدی تو کتابوں کا کیڑا بنا رہتا ہے طالب علمی کے مزے یہ کیا جانے
اسلم: "میں بتاؤں ایک دن اس کی اچھی طرح ٹھکائی کر دی جائے، تھوڑا سا آج کا بدلا نکل جائے گا۔ لڑکوں میں عزت بھی گھٹ جائے گی۔ سالانہ امتحان میں اوّل رہنے کی تیاری کر رہے ہیں حضرت، ایک ہفتہ چارپائی پر لیٹیں گے تو دماغ درست ہو جائے گا، دیکھ لیں گے کیسے اوّل آتے ہیں۔
مختار: "یہ ترکیب بھی تم بتاؤ کیسے ٹھکائی کی جائے؟
حمید: "پروگرام بنانے میں رشید ماہر ہے۔
رشید: "ہاکی کھیلنے تو یہ روز آتا ہے نا، کسی دن اُسے باتوں میں لگا کر روک لیا جائے۔ مغرب کی نماز کی وجہ سے جلدی ضرور کرے گا، ہم اُس سے گراؤنڈ [illegible] نماز ادا کرنے کے لیے کہیں گے۔ وہ اکیلا [illegible]

انسانیت اور شرافت سب کو پسند ہے ــــ لیکن آخرت کے یقین کے بغیر یہ نعمت جھوٹی اور ناپائدار رہتی ہے۔

ہونے پر دیکھی جائے گی۔
چاروں دوست اپنی ذہانت پر خوش ہوتے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اگلے ہفتے تک آپس میں خوب خوب صلاح مشورے کر کے پروگرام طے کر لیا۔ وہ لڑکوں سے حکم عدولی کی وجہ سے اور بھی ناراض تھے سوچا انھیں بھی بیچ میں گھسیٹ لو۔
ایک دن موقع پا کر انھوں نے مہدی سے کھیل کے بعد باتیں کرنی شروع کر دیں، وہ ازراہِ اخلاق ٹھہر گیا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ یہ چاروں لڑکے سُدھر جائیں اُسے بڑا افسوس ہوتا تھا کہ ان کی ذہانت اُلٹی طرف جا رہی ہے، مگر اسے بات چیت کا کم ہی موقع ملتا تھا، وہ اس کا مذاق اُڑاتے تھے، کبھی منھ چڑانے لگے، دو چار پھبتیاں کس دیں، کان دھر کے بات کون سُنے، وقت تنگ ہونے لگا، تو مہدی نے کہا اچھا پھر سہی، مجھے نماز پڑھنا ہے۔ مگر وہ کب سُنتے تھے، کہنے لگے۔ ارے میاں نماز تو روز ہوتی ہے، باتیں تو صرف آج ہو رہی ہیں، اگر ایسا ہی ہے تو یہیں گراؤنڈ میں نماز پڑھ لو۔ مہدی نے صاف جگہ دیکھ کر کوٹ ڈال کے نماز پڑھنا شروع کر دی، مختار اور رشید ٹھٹک گئے، صرف حمید، اسلم، عظمت اور کریم رہ گئے نماز سے فارغ ہونے پر پانچوں گھر کو چلے۔ مہدی نے

پوچھا مختار اور رشید کہاں گئے' ایک نے جواب دیا
کیا جانیں کہاں چل دیے' شاید راستے میں مل جائیں'
سڑک پر ایک جگہ بالکل سنسان تھی' وہاں اچانک دو شخص
نکل آئے جن کے ہاتھوں میں پتلی پتلی قمچیاں تھیں۔ اُن
کی صورت دیکھتے ہی حمید اور اسلم بھاگ کھڑے ہوئے
انھیں بھاگتے دیکھ کر عظمت اور کریم بھی ڈر کر بھاگے'
غریب صمدی کو ان دونوں نے خوب مارا' جب دل
کی بھڑاس خوب نکل گئی تو اُسے وہیں چھوڑ بھاگ نکلے۔

اتّفاق سے اُسی سڑک پر اُن کے
ہیڈ ماسٹر ٹہلنے جایا کرتے تھے۔ واپسی
پر جو اُنھوں نے صمدی کو چوٹوں
سے بے حال پایا تو بڑا تعجب
ہوا۔ بڑی مشکل سے سہارا
دے کر اُٹھایا اور آہستہ
آہستہ ساتھ لے چلے۔ جب
ہیڈ ماسٹر صاحب نے پوچھا کہ
تمھارے خیال میں یہ کس کا کام ہے
تو وہ خاموش رہا۔ یہ تو ہیڈ ماسٹر صاحب بھی سمجھ گئے
کہ یہ لڑکوں ہی کا کام ہے' انھیں بڑا افسوس ہو رہا
تھا۔ ایسے کمینہ پن کی لڑکوں سے توقع بھی نہ رکھتے
تھے۔ مگر مصلحتاً اس وقت خاموش رہے' اور سوچا
کہ کل پتہ چل جانے پر قرار واقعی سزا دوں گا۔
راستے میں ایک تانگہ نظر پڑا اُس میں صمدی کو بٹھا کر
ڈاکٹر کے یہاں لے گئے۔ ڈاکٹر نے صمدی کو دیکھنا
چاہا' مگر اُس نے کہا کہ کچھ زیادہ چوٹ نہیں آئی'
آپ لوگ ایسے ہی گھبرا رہے ہیں۔ ڈاکٹر نے تھپکی
دینے کے لیے کمر پر جو ہاتھ پھیرا تو صمدی ایک دم
چمک گیا اور شدّت درد سے اُس کی آنکھوں میں
پانی آ گیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اُس کے چہرے کی طرف
دیکھ رہے تھے' اُنھوں نے ڈاکٹر صاحب کو اشارے
سے علیحدہ بلایا اور کہا کہ اس کی کمر دیکھنی چاہیے۔
ڈاکٹر نے بڑی مشکل سے اُس کی قمیص ہٹائی۔ دیکھا
تو تمام کمر اُدھڑی پڑی تھی' قمچیوں کے لمبے لمبے نیل
پڑے ہوئے تھے۔ دوا وغیرہ لگوا کر اُسے
گھر پہنچایا۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر تمھاری
حالت اجازت دے تو کل
کچھ دیر کے لیے اسکول
ضرور آنا۔ کچھ چوٹ
اور صدمے کی وجہ سے
رات کو ہلکا بخار ہو گیا'
صبح سکول جانے کو اُس کا جی تو
نہ چاہتا تھا' مگر ایک تو ہیڈ ماسٹر صاحب
نے کہا تھا' دوسرے مصلحتاً اُس نے سوچا کہ جانا ہی
چاہیے۔ اسکول بالکل قریب تھا۔ وہ نکل ہی کھڑا ہوا'
ہیڈ ماسٹر جیسے منتظر ہی تھے' اطلاع ملتے ہی اپنے پاس
بلا بھیجا۔ اور حال وغیرہ پوچھنے کے بعد پھر وہی سوال
کہ تمھارے خیال میں یہ کس کا کام ہو سکتا ہے کیا تمھاری
کسی سے لڑائی ہوئی تھی' صمدی نے انکار کیا اور کہا کہ
اندھیرے میں مجھے کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ سُن کر ہیڈ ماسٹر
آٹھویں جماعت کے کمرے میں گئے' صمدی کو پیچھے [illegible]

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا یقین ہی انسان کو مستقل طور پر نیک بنا سکتا ہے

اشارہ کیا، ہیڈ ماسٹر نے تمام جماعت کو مخاطب کرکے کہا کہ کل جو مہدی کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے، وہ کس کی شرارت تھی، سچ سچ بتاؤ ورنہ سخت سزا دوں گا۔ سب لڑکے خاموش رہے، کمرے میں سناٹا تھا، ہیڈ ماسٹر کی آواز پھر گرجی۔ اسلم نے آہستہ سے کہا کہ شاید عظمت اور کریم کو کچھ معلوم ہو، یہی اس کے ساتھ پیچھے رہ گئے تھے۔ ہیڈ ماسٹر کو شبہ ہوا کہ شاید انھیں نے مہدی کو مارا ہو۔ دیکھنے میں اچھے مضبوط تھے۔ عظمت اور کریم پہلے تو اپنا نام سُن کر حیران ہوئے۔ پھر اشارے کا مطلب سمجھ میں آیا تو ڈر کے مارے چہرے سفید پڑ گئے۔ ہیڈ ماسٹر نے اس ڈر کا مطلب افشائے راز سمجھا۔ اور بڑی سختی سے کھڑا ہو جانے کے لیے کہا۔ ان بے چاروں کی عجب کیفیت ہو گئی۔ شان نہ گمان اچانک بلا میں گرفتار ہو گئے۔ نظریں نیچی کئے بُت بنے کھڑے تھے۔ حمید اور مختار نے اپنا داؤں پورا پڑتے دیکھا تو چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیل گئی۔ مہدی کب سے نظریں جمائے اُنھیں دیکھ رہا تھا، اُسے ان دونوں پر شبہ تھا، اب یقین ہو گیا۔ اب وہ بولا، اُس نے کہا کہ کریم اور عظمت بے قصور ہیں یہ تو پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ ہیڈ ماسٹر نے ڈپٹ کر کہا کہ اگر یہ نہیں تھے تو انھیں میں سے کوئی اور تھا، میں معلوم کرکے رہوں گا۔ اور آج کے بعد اُس کی شکل اسکول میں دکھائی نہ دے گی۔ مجھے شرم آتی ہے کہ میرے اسکول میں ایسا کمینہ پن ممکن ہے۔ مہدی کی مدھم آواز آہستہ آہستہ بلند ہوئی، اُس نے کہا کہ رات کے اندھیرے میں مَیں اچھی طرح دیکھ نہیں سکا (اب اُس کی نظریں حمید اور مختار کی طرف گھوم گئیں) مگر مجھے یقین ہے کہ خدا ضرور دیکھ رہا تھا۔ اس لیے میں معاف کرتا ہوں مگر ایک دن اُنھیں خدا کے حضور ضرور جواب دینا ہوگا۔

تمام لڑکوں کی نظریں مہدی کے چہرے کی طرف اُٹھ گئیں، جس پر ایک عجیب قسم کا نُور اور جلال برس رہا تھا۔ وہ ہلکے سے مُسکرایا اور ہیڈ ماسٹر سے جانے کی اجازت چاہی اور چلا بھی گیا، مگر کمرے میں وہی سناٹے کا عالم تھا، گویا وقت بھی ٹھہر گیا ہے۔ حمید اور مختار سوچنے لگے، یہ ہم کیا کر بیٹھے۔ کیا چاہا تھا اور کیا ہونے لگا، کیا ایسے شخص کے ساتھ دُشمنی کرنا درست ہے۔ اس مخصوص لہجے میں مہدی کے ایک فقرے نے ان کی سوئی ہوئی رُوح کے تار جھنجھنا دیے۔ اُن کا ضمیر ایک لمبی انگڑائی لے کر جاگ اُٹھا۔ وہ خود اپنی نظروں میں آج سے پہلے اتنے ذلیل نہ تھے۔ مہدی کی بلند اخلاقی کے مقابلے میں اپنا کمینہ پن اُنھیں کھائے جا رہا تھا، وہ سوچنے لگے، وہ ایسا اور ہم ایسے کیوں ہیں، اور یہ اُنھیں بعد میں مہدی سے معلوم ہوا جب وہ اپنے قصور کی معافی مانگنے گئے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اب تک خدا کو بھولے ہوئے تھے اور مہدی ہر وقت اور ہر کام میں اسے یاد رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ایک روز اسے اپنے ہر قول و فعل کی خدا کے حضور جواب دہی کرنا ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ

نصیحت اور عبرت کے لیے،
اپنے حال پر غور کرنے کے لیے،
بہت سی مثالیں موجود ہیں،
بہت سی مثالیں!
کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں،
جنھوں نے خدائی ہدایات سے مُنھ موڑا،
جنھوں نے شیطانوں سے رشتہ جوڑا،
یہ لوگ جو بہکانے والوں کے پیچھے چلے!
خود اپنے نفس کے شکار ہو گئے!!
زمین پر فتنہ و فساد کا سبب بن گئے!!!
ان کا وجود زمین پر ایک لعنت بن گیا ـــــ
ایک لعنت! ـــــ ناقابلِ برداشت لعنت!!

خدا کے عذاب نے انھیں گھیر لیا،
خدا کا قہر ان پر اچانک ٹوٹ پڑا،

کبھی رات کے وقت،
جب وہ سو رہے تھے،
کبھی دن کے وقت،
جب وہ مزے میں تھے،
اچانک عذاب! ـــــ اچانک پکڑ!!

عذاب کو دیکھ کر،
مصیبت میں پھنس کر،
انھیں ہوش آیا، ـــــ
ان کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ چاک ہوا،
اور بولے!
اس وقت بولے!!
"ہم نے بڑا ظلم کیا،
خود اپنے اوپر ظلم کیا،
سیدھی راہ کو چھوڑ کر،

راستی سے منھ موڑ کر،
بڑا ظلم کیا!
خود اپنے اوپر ظلم کیا!!"

مُہلت ختم ہو جانے کے بعد،
تلافی کا وقت گذر جانے کے بعد،
ہوش آنا بے کار ہے ——
ہر شخص کی زندگی میں،
ہر قوم کی زندگی میں،
سیکڑوں مثالیں موجود ہیں،
غلط کاریوں کا انجام —— کون نہیں جانتا،
صحیح اور غلط —— کون نہیں پہچانتا،
لیکن نفس کی خواہشات،
—— حیوانی جذبات،
—— خود غرضیاں اور لالچ،
—— مادّی فائدے،
آنکھیں بند کر دیتے ہیں،
مُہلت ختم ہو جاتی ہے،
نتائج سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں،
ایسے نتائج جن کی پکڑ سخت ہوتی ہے،
جن سے بچنا ممکن نہیں رہ جاتا،
اللہ کا عذاب! اللہ کی پکڑ!!

لیکن —— دُنیا کا عذاب!
—— دُنیا کی پکڑ!!
سزا نہیں —— تنبیہ ہے!
سزا کا وقت معین ہے،
وقت آنے پر ——
ہم پوچھیں گے —— "کہو؟
ہمارے رسول آئے تھے؟
ہمارا پیام لائے تھے؟
ہمارا راستہ دکھایا تھا؟
بُرے انجام سے ڈرایا تھا؟"
"—— ہم رسولوں سے بھی پوچھیں گے،
تم نے صحیح بات بتا دی تھی؟
تم نے ہمارا پیام پہنچا دیا تھا؟"
پھر ہم سارے واقعات خود بیان کر دیں گے،
سارا حال خود بتا دیں گے،
—— آخر ہم کہیں غائب تو نہیں تھے۔
ہمیں تو ہر چیز کا علم ہے!

پُورا علم !

جانچ اُسی دن ہوگی !
ٹھیک جانچ اُسی دن ہوگی
ٹھیک جانچ !!
اُس دن وزن ـــــ صرف "حق" میں ہوگا !
"حق" ہی وزن دار ہوگا !
جس کے پاس جتنا "حق" ہوگا !
اُس کے پاس اُتنا ہی وزن ہوگا !
"حق" ـــــ وہاں دولت ہوگا !!
"حق" ـــــ وہاں سرمایہ ہوگا !!
باطل کی پوری زندگی،
باطل زندگی کے سارے کارنامے،
باطل کی راہ کے سارے سفر،
بے حقیقت ہوں گے !
بے وزن ہوں گے !!
وزن ـــ اُس دن ـــ صرف "حق" میں ہوگا !
صرف "حق" میں !!

جس کا وزن بھاری ہوگا،
جس کی نیکیوں کا پلڑا نیچا ہوگا،
وہی کامیاب ہے !
پورا کامیاب !!
جس کا وزن ہلکا ہوگا،
جس کی برائیوں کا پلڑا نیچا ہوگا،
وہی ناکام ہے،
ناکام ! ـــ نامراد !!

اللہ کی نشانیاں بے شمار ہیں،
اُس کے پہچاننے کے آثار لاتعداد ہیں،
بڑا ظلم کرتی ہیں وہ آنکھیں !
جو اُن نشانیوں کو دیکھتی نہیں !
جو ان آثار پر جمتی نہیں !
بڑا ظلم !
خود اپنے اوپر ظلم !!
(سورۂ اعراف رکوع ۱ کی چند آیات کی روشنی میں)

مولانا سید حامد علی صاحب

راہِ حق کی رُکاوٹیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکے کی مصیبتوں سے بھری زندگی گزار کر مدینے تشریف لائے تو آپ کو مشرکوں کے علاوہ یہودیوں سے سابقہ پڑا۔ اُمید تھی کہ یہ لوگ حق کی دعوت کو قبول کریں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بٹائیں گے۔ یہ توقع کچھ بے جا نہ تھی' یہود حضرت ابراہیم' حضرت اسحٰق' اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی اولاد تھے' موسیٰ علیہ السلام کے پیرو ہونے اور تورات کے ماننے کے دعویٰ تھے۔ ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بیسیوں صحیفے اور سیکڑوں نبی اور رسول بھیجے تھے' اور انھیں حکومت واقتدار بھی بخشا تھا۔ یہ لوگ توحید' رسالت اور آخرت کے عقیدوں کو ماننے کے دعوے دار تھے۔ اس کے علاوہ ان کی کتابوں میں کھلے ہوئے الفاظ میں نبیٔ آخرالزماںؐ کے آنے کی پیشین گوئیاں موجود تھیں' آپ کے صفات تھے اور آپ کے ساتھیوں کے حالات تھے۔ انھوں نے مدینے کے لوگوں کو بتایا تھا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں اور وہ ایسے ایسے ہوں گے۔ بہت سے لوگوں نے ان کے بتانے ہی کی وجہ سے آپ پر ایمان لانے میں پیش قدمی کی تھی۔ لیکن جب حضور مدینے تشریف لائے تو یہی "دین دار" اور یہی "موحد" دینِ الٰہی اور توحید خداوندی کے سخت مخالف ہو گئے' انھوں نے جوشِ مخالفت میں یہاں تک کہہ دیا کہ شرک وکفر اور نافرمانی و بداخلاقی کی راہ اختیار کرنے والے مشرکین نیک اور موحد مسلمانوں سے اچھے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتابوں کی ساری پیشین گوئیاں چھپا ڈالیں' وہ ہمیشہ حق اور اہلِ حق کے خلاف ناپاک اور بدترین سازشیں کرتے رہے۔ انھوں نے عرب کے مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے مسلسل اُبھارا' اور بڑی بڑی اور خطرناک جنگوں کے برپا کرنے کے باعث ہوئے' مسلمانوں سے معاہدے کر کے اُنھیں توڑا' اور کھلم کھلا مخالفین کا ساتھ دیا' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی بار بار کوشش کی' اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے برابر ہاتھ پاؤں مارتے رہے ——— سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوا' کون سی چیز حق کو قبول کرنے میں آڑے آئی اور وہ اسلام کے بدترین مخالف کیوں ہو گئے؟ —

قرآنِ پاک میں یہود کا ذکر بہت تفصیل سے آیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور تک یہودی قوم نے جس سیرت کا مظاہرہ کیا ہے' اُسے بیان کیا گیا ہے اور اصولی طور پر

اس پر تنقید کی گئی ہے۔ تنقید کرتے ہوئے قرآن نے ان کی دو بنیادی خرابیوں پر انگلی رکھ دی ہے اور بتایا ہے کہ یہی دو خرابیاں ان کے بگاڑ کا باعث ہوئی ہیں۔ اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان نہ ہونا، اور آخرت کا صحیح طور پر یقین نہ ہونا، اور دُنیا پرستی۔

یہ بیان کرتے ہوئے کہ یہود توریت کے صرف اُن حکموں کو مانتے ہیں جو ان کی خواہش کے مطابق اور ان کے فائدے کے ہوتے ہیں، اور باقی حکموں کو وہ نظر انداز کر جاتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝ (بقرہ ۔ ۱۰)

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کی زندگی کے بدلے دُنیوی زندگی کے فائدوں کو ترجیح دی اس لیے (قیامت کے دن) نہ تو اُن کا عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ اُن کی کوئی امداد کر سکے گا۔

معلوم ہوا کہ ان کی اصل بیماری یہ تھی کہ ان کی نظر میں چند روزہ زندگی کے جائز و ناجائز منافع زیادہ اہم تھے، اور آخرت کی کامیابی کی ان کے نزدیک اتنی وقعت نہ تھی کہ اس کی خاطر اپنے ناجائز فائدوں کو چھوڑنے کے لیے آمادہ ہو جاتے اور اپنے نفس کی خواہشات اور اپنے مفاد کی کچھ قربانی کرتے۔

یہود کا عقیدہ تھا کہ خواہ اُن کی زندگی کتنی ہی خراب کیوں نہ ہو اوّل تو وہ دوزخ میں جائیں گے نہیں اور اگر گئے تو صرف چند روز کے لیے، اس کے بعد وہ عذاب سے بچا لیے جائیں گے اور اپنی تمام نافرمانیوں کے باوجود جنت کے مستحق ہو جائیں گے۔ حقیقت میں آخرت کو اس طرح ماننا بالکل بے کار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جان بوجھ کر حق کی مخالفت کرتے اور اللہ کے احکام کو ماننے کے باوجود اُس پر عمل کرنے سے جی چُراتے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم

کیا آپ نے اُن لوگوں کے حال پر غور نہیں فرمایا جنھیں اللہ کی کتاب کا ایک حصہ ملا ہے، کہ جب اُن کو اللہ کی کتاب کی طرف بُلایا جاتا ہے تاکہ اُس کی روشنی میں ان کے معاملات کا فیصلہ ہو تو ان میں کا ایک گروہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور اللہ کے احکام سے منھ پھیر لیتا ہے۔ ان کا یہ رویہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں "دوزخ کی آگ صرف چند دن تک چھو سکے گی" وہ اپنے دین میں جو باتیں خود گھڑتے رہے ہیں اُن سے وہ فریب میں آگئے ہیں

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔ (آل عمران - ۳)

جب کہ ان سب کو جمع کیا جائے گا ہر متنفس کو اُس کے کیے کا بدلہ ملے گا۔ اور کسی پر کسی طرح کا ظلم نہ ہوگا۔

معلوم ہوا کہ آخرت کے صحیح یقین کے بغیر اللہ کے احکام کی مکمل پیروی نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی شخص کتاب الٰہی کو اللہ کی کتاب ماننے کے باوجود اُس پر عمل کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کے عقیدۂ آخرت میں کوئی کھوٹ ہے۔

سورۂ بقرہ میں یہودیوں کو دینِ حق کی طرف مسلسل دعوت دی گئی ہے اور بہت تفصیل کے ساتھ ان کی زندگی پر تنقید کی گئی ہے۔ اس تنقید کی ابتدا ہی میں انھیں آخرت کی جواب دہی یاد دلائی گئی ہے۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ۝ (بقرہ - ۶)

اُس دن سے ڈرو جب کہ کوئی کسی کے ذرا بھی کام نہ آئے گا، کسی کی سفارش قبول نہ ہوگی، کسی سے کوئی فدیہ نہ لیا جائے گا اور نہ کسی کی مدد کی جا سکے گی۔

اور اُن کا تذکرہ ختم کرتے کرتے آخر میں پھر اسی قسم کی آیت آئی ہے۔ جس سے یہود کو آخرت یاد دلانے کے علاوہ یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ کوئی شخص اپنی بگڑی ہوئی زندگی کو سُدھارنے، بے راہ روی کو چھوڑ کر صحیح راہ پر چلنے، بدی و بداخلاقی کو ترک کر کے نیکی کی روش اختیار کرنے کے لیے اُس وقت تیار ہو سکتا ہے جب اُس کے ذہن میں آخرت کا ٹھیک ٹھیک تصور پیدا ہو جائے اور اُس پر وہ پُورا پُورا یقین کرنے لگے۔

سمجھانے کی تمام کوششیں ختم کر دینے کے بعد بھی جب یہود کی مخالفت اور اُن کی دُشمنی میں کوئی فرق نہیں آیا تو مسلمانوں کو حکم دے دیا گیا کہ وہ اُن سے جنگ کریں۔ جن الفاظ میں یہ حکم دیا گیا ہے وہ قابلِ غور ہیں:

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ

اُن لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ و رسول نے جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے اُنھیں حرام نہیں ٹھہراتے اور جو دینِ حق کی تابعداری

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

(توبہ - ۴)

اختیار نہیں کرتے۔ یعنی اہل کتاب - یہ جنگ اُس وقت تک ہونی چاہیے جب تک یہ عاجزی اختیار کر کے اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ ادا کریں۔

اس آیت میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ یہود حالانکہ اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کے مدّعی ہیں۔ لیکن حقیقت میں ان کے دل ایمان باللہ کی حرارت سے خالی ہیں اور آخرت کے خوف سے نڈر، یہی وجہ ہے کہ وہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدود کا پاس نہیں کرتے اور دینِ حق کی اطاعت اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

منافقین کا ذکر آپ نے سُنا ہوگا، یہ کوئی مستقل اور ممتاز گروہ نہ تھا، یہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، اللہ، رسول اور آخرت پر ایمان رکھنے کے مدّعی تھے، مسلمانوں کے اندر ملے جُلے تھے، عبادات بھی ادا کرتے تھے، مگر ان سب باتوں کے باوجود وہ اسلام کی خاطر کوئی قربانی کرنے کے لیے آمادہ نہ تھے، خدا کی راہ میں مال خرچ کرتے ہوئے ان کی جان نکلتی، راہِ حق میں مُشکلات جھیلنے سے کتراتے، ہجرت اور جہاد کا تصور ہی کر کے کانپ اُٹھتے، دوستی اور دُشمنی میں حق کے تقاضوں اور اسلام کے اصولوں کی پرواہ نہ کرتے، اپنے معاملات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق طے کرنے کے بجائے اُن طریقوں پر چلاتے تھے جن میں اُنھیں کچھ فائدہ نظر آتا تھا۔

قرآنِ پاک میں ان کا ذکر بھی بہت جگہ موجود ہے۔ ان کی اسلام سے دُشمنی اور عداوتِ حق کو جا بجا واضح کیا گیا ہے اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اس کی اصل وجہ کیا ہے۔ کیا بات ہے کہ یہ لوگ اسلام کو ماننے کا دعوی کرتے ہوئے اُس کے مطالبوں کو پُورا نہیں کرتے، ایمان کے مدّعی ہونے کے باوجود اُس کے تقاضوں کے ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور طرح طرح کے بہانے کرتے ہیں۔

تبوک کی جنگ بڑی صبر آزما جنگ تھی، دُور کا سفر تھا، سخت گرمیوں کا زمانہ تھا، فصلیں تیار کھڑی تھیں اور اُنھیں بغیر کاٹے چھوڑ کر جانا تھا، خود بھی سفر میں بہت کچھ خرچ کرنا تھا، اور غریب مسلمانوں کی مالی امداد بھی کرنی تھی تاکہ وہ بھی جنگ میں شریک ہوسکیں۔ جان کا خطرہ الگ تھا۔ مقابلہ روم کی شہنشاہیت سے تھا، جس کے مقابلے میں کامیاب ہونا بظاہر حالات قریب قریب ناممکن تھا۔ ان حالات میں مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ جنگ کی تیاری کریں اور اللہ کی راہ میں مرنے اور مارنے کے لیے نکل کھڑے ہوں۔ منافقین دوسری جنگوں میں بھی شامل ہونے سے کتراتے [illegible] کے موقع پر وہ کیسے ساتھ دیتے۔ انھوں نے طرح طرح کے حیلے کیے اور جنگ میں جانے [illegible]
[illegible] قرآن پاک بتاتا ہے کہ [illegible]

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ
سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ
وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ
وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا
لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝
.... لَا يَسْتَاْذِنُكَ
الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا
يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ
فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝
(توبہ — ۷)

اگر جلدی مل جانے والا سامان اور درمیانی سفر ہوتا تو یہ آپ کے پیچھے چل کھڑے ہوتے لیکن (طویل سفر کی) مشقت ان پر گراں ہوئی، وہ عنقریب قسمیں کھا کھا کر کہیں گے، اگر ہم (جنگ کے لیے) نکل سکتے تو تمھارے ساتھ ضرور نکل کھڑے ہوتے اس طرح وہ خود اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں، اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں ....

جو لوگ اللہ پر اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہ (خدا کی راہ میں) اپنے جان و مال کے ذریعے جدوجہد کرنے کے معاملے میں آپ سے (بیٹھ رہنے کی) اجازت نہیں مانگتے اور اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے، آپ سے صرف وہی لوگ اجازت چاہتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے، جن کے دل شکوک و شبہات سے پُر ہیں اور جو اپنے ان شبہات میں سرگرداں اور پریشان ہیں۔

معلوم ہوا کہ دینِ حق کو قایم کرنے کی کوشش سے جی چُرانا اور مال و جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنے سے کترانا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کے دل میں اللہ اور آخرت پر یقین نہیں ہے اور وہ شکوک و شبہات میں مبتلا ہے۔

جو لوگ خدا کی راہ میں جدوجہد کرنے کے لیے نہیں نکلتے اور اُس کے دین کو قایم کرنے کے سلسلے میں خواہشات کی، راحت و آرام کی، تعلقات اور دوستیوں کی اور جان و مال کی قربانی نہیں کرتے، قرآن پاک بتاتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دُنیا پرستی میں مبتلا ہو گئے ہیں اور آخرت کی کامیابی ان کی نظروں میں بے وقعت ہو گئی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ
اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ

اے ایمان والو تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں نکلو تو تم زمین پہ چمٹے ہوئے جاتے ہو کیا آخرت (کی کامیابی) کے بجائے

اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝

دُنیا وی زندگی (کی کامیابی) پر قناعت کر بیٹھے ہو (اگر یہ بات ہے تو سُن لو کہ دُنیوی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں بہت ذرا سا ہے۔

(توبہ - ۶)

جو لوگ خدا کے دین کو قایم و غالب کرنے سے اس لیے گھبراتے ہیں کہ انھیں اس میں تکالیف کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور خدا کے لیے تکالیف برداشت کرنے کی اُن میں ہمت نہیں، اُن سے صاف صاف کہہ دیا گیا:

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۗ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۗ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝

جو لوگ پیچھے رہ گئے وہ رسول اللہ کے پیچھے (جنگ سے) بیٹھے رہنے پر بہت خوش ہیں، انھیں یہ ناگوار معلوم ہوا کہ اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کریں، انھوں نے لوگوں سے کہا گرمی میں نہ نکلو، کہہ دیجیے دوزخ کی آگ کی گرمی اس سے کہیں زیادہ ہے۔ کاش یہ لوگ سمجھتے!

(توبہ - ۱۱)

ظاہر ہے کہ خدا کے دین کی خاطر ہر طرح کی تکلیفیں وہی سہے گا جو آخرت کے عذاب کے مقابلے میں دُنیوی مصائب کو ہیچ سمجھے گا۔ لیکن اگر انسان سختیوں اور مصیبتوں کی خاطر دین کے تقاضوں کو ٹالتا ہے اور انھیں پورا کرنے سے گریز کرتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ابھی اُس کے دل میں آخرت کا خوف جاگزیں نہیں ہوا ہے اور وہ ان تکلیفوں کو اچھی طرح سمجھا نہیں ہے جن سے اللہ کے نافرمان بندوں کو بہر حال سابقہ پیش آنا ہے اور جن سے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہ ہوگی۔

موجودہ مسلمانوں کی دین سے غفلت، خدا و رسول کے احکام سے انحراف اور بد اخلاقی و بدعملی سے کون واقف نہیں ہے، ان خرابیوں کے دُور کرنے کے لیے کوششیں بھی ہوتی رہتی ہیں مگر وہ کامیاب نہیں ہوتیں اور کوششیں کرنے والے آخر کار مایوس ہو کر اور تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر مسلمانوں کی اصلاح کے نام سے کانوں پر ہاتھ رکھنے لگتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایمانی حالت کا جائزہ لیے بغیر ان کی عملی اصلاح کی کوشش شروع کر دی جاتی ہے اس لیے وہ ناکام رہتی ہے، سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ مسلمان اللہ اور آخرت پر ایمان و یقین کے سلسلے میں کس مقام پر ہیں اس کے بعد ہی اُن کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ تو وہ ہے جو سوائے اس کے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور مسلمان گھرانے میں پیدا

ہوا ہے اسلام کے متعلق کوئی بھی صحیح بات نہیں جانتا' ایمان ویقین تو بعد کی بات ہے۔ ایک بڑا طبقہ وہ ہے جو خدا و آخرت کو جانتا ہے' لیکن اس طرح زندگی گزار رہا ہے کہ گویا اوپر کوئی مالک و آقا نہیں ہے' اور مرنے کے بعد کسی کے سامنے جواب دہی نہیں کرنی ہے۔ وہ کبھی اس سلسلے میں کچھ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتا۔ ایک بڑا طبقہ وہ ہے جو آخرت کے بارے میں کچھ علم ویقین رکھتا ہے' مگر ساتھ ہی وہ یہودیوں کی طرح اس بات کا قائل ہے کہ جو شخص بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو یا جسے لوگ مسلمان کہتے ہوں' یا جو مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا ہو وہ بہر حال جنّتی ہے' چاہے اُس کے عقائد کچھ ہوں اور چاہے وہ کتنا ہی بے عمل اور بد عمل انسان ہو' انھیں یہ بھی یقین ہے کہ ان مسلمانوں کو اگر دوزخ میں ڈالا بھی گیا تو انھیں تھوڑے ہی دنوں تک وہاں رہنا ہوگا جس کے بعد انھیں وہاں سے نکال لیا جائے گا اور جنّت میں پہنچا دیا جائے گا۔ اس طرح ان لوگوں کے لیے آخرت کا عقیدہ بے اثر ہو کر رہ گیا ہے۔ وہ جو چاہتے ہیں اطمینان سے کرتے ہیں' کیونکہ نجات کی طرف سے انھیں کوئی کھٹکا نہیں ہے۔ ایک طبقہ ایسا ہے جو آخرت کے متعلق شکوک وشبہات رکھتا ہے اور ایک گروہ وہ بھی ہے جو آخرت کا مذاق اُڑاتا ہے اور کُھلّم کُھلّا اُس کا انکار کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام طبقوں سے اسلامی احکام کی پابندی کرانے سے پہلے انھیں اسلام کی بُنیادی باتوں سے واقف کرانا اور ٹھیک ٹھیک واقف کرانا ضروری ہے۔ ان کے ذہنوں میں توحید کا صحیح تصوّر' اللہ کی بندگی کا وسیع مفہوم اور اُس کے ضروری ہونے کا یقین اور خصوصیت سے آخرت کا صحیح تصوّر اور اُس کا پُورا پورا یقین پیدا کرنا ضروری ہے۔ اس سے پہلے ان کی اصلاح ناممکن ہے۔

مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اسلام کا تھوڑا بہت علم رکھتا ہے' اس علم کے باوجود وہ اپنی زندگی کو سُدھارنے' صحیح راہ اختیار کرنے اور بے راہ روی سے بچنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا' وہ اسلام کی راہ کو چھوڑ کر سیاست ومعاشیات کی دوسری راہوں پر چل پڑا ہے جیسے جمہوریت' اشتراکیت' وطن پرستی اور قوم پرستی جب اُس کے اس غلط رویّے پر اُسے ٹوکا جاتا ہے تو وہ اقرار کرتا ہے کہ یہ راہ واقعی غیر اسلامی راہ ہے' مگر اس کے ساتھ ہی وہ "مشکلات" کے ہوّے کو بہانے کے طور پر لا کھڑا کرتا ہے' وہ کہتا ہے کہ اس دَوْر میں اسلام پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنا اور اُسے قایم کرنا سخت مشکل بلکہ ناممکن ہے' اس لیے ہم مجبور ہو کر دوسرے کاموں میں لگ گئے ہیں جو اگرچہ "غیر اسلامی" ہیں' مگر ناممکن یا سخت مشکل تو نہیں!

ایک طبقہ اُن لوگوں کا ہے جو اسلام کے حق اور ممکن ہونے پر یقین رکھتے ہیں' اُس پر عمل کرنا چاہتے ہیں' اُسے قایم کرنے کی آرزو رکھتے ہیں' وہ حیلے نہیں کرتے' مگر یہ "مشکلات" اُن کا بھی ساتھ نہیں چھوڑتیں' وہ بھی ان مشکلات سے اپنے آپ کو اس طرح گھرا پاتے ہیں کہ دینِ حق کا کام یا تو کر نہیں پاتے یا اتنا کر پاتے ہیں جیسے نہ کرنے کے برابر سمجھیے!

اگر آپ ان دونوں طبقوں کے خیالات کا گہرا جائزہ لیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ یہاں بھی "مشکلات" کے پردے میں

ایمان کا ضعف اور آخرت کی اہمیت کی کمی ہے۔ آپ ہی سوچیے کہ اہلِ حق نے کب زمانے کی روش کی پروا کی ہے اور دین کی خاطر کب اپنی دُنیا کو قربان نہیں کیا ہے۔ آج تو اسلام کے نام لیوا دُنیا میں کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور اس پر عمل کرنے والے بھی کچھ نہ کچھ ملتے ہیں، لیکن پچھلے زمانوں میں جب کوئی نبی حق کی آواز بلند کرتا تھا تو اُس وقت ہر طرف کفر و شرک ہی پھیلا ہوتا تھا اور جہالت و تعصبات کی گھنگھور گھٹائیں بڑی طرح چھائی ہوتی تھیں۔ نبی کے علاوہ کوئی حق پرست اور حق کا پیرو نہ ہوتا تھا، انھیں نازک حالات میں وہ کام کی ابتدا کرتا تھا، اور "مشکلات" کے دَور میں اللہ کے کچھ بندے اُس آواز پر لبیک کہتے تھے، دینِ حق پر عمل کرنے اور اُسے قایم کرنے کے "ناممکن" کام کو ممکن بنا کر چھوڑتے تھے۔ اور اسی کی خاطر اپنا سب کچھ اس طرح قربان کر دیتے تھے کہ مصلحت پرست لوگ انھیں "سفہاء" (بے وقوف) کہتے تھے۔ اور ان کے بارے میں مستقل طور پر یہ رائے رکھتے تھے کہ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ "اُن کو اُن کے دین نے دھوکے اور فریب میں مبتلا کر دیا ہے۔" اس لیے درحقیقت یہ عذر کوئی عذر نہیں ہے کہ اس زمانے میں ہر طرف کفر، شرک اور الحاد پھیلا ہوا ہے، کیونکہ دین کا کام ہمیشہ انھیں حالات میں ہوا ہے۔ یہ حالات اہلِ حق پر ہمیشہ آتے رہے ہیں اور آئندہ آتے رہیں گے۔ اصل بات جو کچھ ہے وہ صرف اتنی ہے کہ ان لوگوں کو دین کی خاطر اپنی دُنیا قربان کرنا اور چند روزہ فوائد سے ہاتھ دھو لینا مُشکل اور ناممکن معلوم ہوتا ہے اور یہ اُسی وقت ہوتا ہے جب انسان کی نظر میں آخرت کی کامیابی اور اللہ کے عذاب کے مقابلے میں دُنیا کی معمولی کامیابی اور حقیر نقصانات زیادہ وزن رکھتے ہوں اور اُس پر دُنیا پرستی کا غلبہ ہو گیا ہو۔

اسی طرح وہ لوگ جو اپنی مصروفیات کی وجہ سے دین کا کام نہیں کر پاتے۔ انھیں سوچنا چاہیے کہ آخر ان کا یہ حال کیوں ہے۔ مصروفیت سرے سے کوئی عذر ہی نہیں ہے۔ ہر انسان کے پاس دن رات کے صرف چوبیس گھنٹے ہی ہوتے ہیں اور وہ ان کو ان کاموں میں صَرف کرتا ہے جو اُس کے نزدیک ضروری ہوتے ہیں، غیر ضروری کاموں کے لیے اُسے ضرور فرصت نہیں ملتی، اس لیے جو صاحبان دین کے معاملے میں مصروفیت کا بہانہ کرتے ہیں، وہ دوسرے الفاظ میں یہ کہتے ہیں کہ ان کی نظر میں دُنیوی مقاصد زیادہ اہم ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ سارا وقت لے لیتے ہیں اور دین کا کام اور آخرت کی کامیابی اُن کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ اُس کے لیے کچھ وقت خرچ کیا جائے۔ حالانکہ مومن کے نزدیک اصل اہمیت آخرت ہی کی ہے۔ اور وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا کہ دُنیا کے دھندوں اور مشغلوں کی خاطر خواہ وہ کتنے ہی ضروری ہوں اپنی آخرت خراب کر لے۔ مومن تو اپنی جان اور اپنا مال آخرت کی کامیابی اور جنت کی نعمتوں کے عوض بیچ چکا ہے اور اُس سے یہ حماقت کسی طرح نہیں ہو سکتی کہ وہ خریدی ہوئی جنت کو اپنے ہاتھ سے کھو دے۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کے جان و مال کو خرید لیا ہے

وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۝ (توبہ - ۱۴)

اس معاوضے میں کہ اُن کے لیے جنّت ہے۔ وہ خدا کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، پس وہ مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں۔

اُسے خوب معلوم ہے کہ وہ جو کام بھی خدا کی خوشنودی کے لیے اُس کے دین کو قایم کرنے کے سلسلے میں کرے گا اُس کا اجر آخرت میں پائے گا اور آخرت کا تھوڑا سا اجر بھی دُنیا کی بڑی سے بڑی بادشاہت سے بہتر ہے۔

مَاكَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (توبہ - ۱۵)

مدینے کے لوگوں اور مدینے کے آس پاس کے بدووں کے لیے یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ کا ساتھ نہ دیں (اور جیا دکو چھوڑ کر) گھر بیٹھ رہیں اور رسول اللہ کی جان کے مقابلے میں اپنی جانوں کو زیادہ عزیز سمجھیں، کیونکہ ان کو خدا کی راہ میں جو پیاس، جو تکلیف اور جو بھوک ستاتی اور ایسی جس جگہ بھی وہ جاتے جو منکرین حق کے غیظ و غضب کا باعث ہو اور دُشمن سے جو کچھ بھی حاصل کرتے اس سب پر اُن کے نام ایک ایک عمل صالح لکھا جاتا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ اچھے کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا، اور وہ (خدا کی راہ میں) جو کچھ کم یا زیادہ خرچ کرتے اور جو وادی بھی طے کرتے وہ سب ان کے نام میں لکھا جاتا تاکہ اللہ ان اچھے اچھے کاموں کا انھیں (آخرت میں) بدلہ دے جو وہ (دُنیا میں) کرتے رہتے تھے۔

مومن کو خوب معلوم ہے کہ دین کو قایم کرنے کی جدوجہد سے بیٹھ رہنا اور دُنیوی رشتوں اور دھندوں کو اللہ و رسول اور آخرت کے مقابلے میں ترجیح دینا اپنے ایمان کے دعوے کو خود جھٹلانا ہے اور خدا کے عذاب کو بلانے کی دعوت دینا ہے۔

جناب حافظ امام الدین صاحب رام نگری

آخرت پر سچا یقین

— آخرت کا عقیدہ اُن عقیدوں میں سے ہے جن کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا، اور نہ اپنی زندگی کو نیک اور پاکیزہ بنا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے شروع میں فرمایا ہے "قرآن شریف اُنھیں لوگوں کو زندگی کی سیدھی راہ دکھاتا ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں"۔ اور اللہ سے ڈرنے والوں کی ایک نشانی یہ بھی بتائی ہے کہ وہ آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ زندگی کے سیدھے راستے پر چلنے اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے آخرت پر یقین بہت ضروری ہے، جب تک آخرت پر یقین نہ ہو ایمان کامل ہو سکتا ہے اور نہ کوئی شخص مسلمان ہو سکتا ہے، ہم میں سے ہر مسلمان کو دعویٰ ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتا ہے، لیکن اس بات کے سمجھنے کی بہت کم لوگ کوشش کرتے ہیں کہ یقین کی حقیقت کیا ہے؟ ہمیں یقین ہے کہ ہم آگ میں ہاتھ ڈالیں گے تو ہاتھ جل جائے گا اس لیے ہم کبھی آگ میں ہاتھ نہیں ڈالتے، ہم یقین رکھتے ہیں کہ جو زہر کھاتا ہے وہ مر جاتا ہے، اس لیے ہم کبھی زہر کھانے کا حوصلہ نہیں کرتے۔ یہی حقیقت ہے کسی چیز پر سچا یقین رکھنے کی، اگر ہم اسی طرح آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہیے [illegible] کے حساب کتاب سے ڈر کر کہاں تک اپنی زندگی کو

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اللہ اُن سے راضی ہو اپنے ایمان اور عمل دونوں میں یکساں سچے تھے، اُن کی زندگیاں اُن کے ایمان کے رنگ میں رنگی ہوئی تھیں، اُن کو آخرت پر اس سے زیادہ یقین تھا جتنا ہمیں اس بات پر یقین ہے کہ آگ میں ہاتھ ڈالنے والے کا ہاتھ جل جاتا ہے اور زہر کھانے والا ہلاک ہو جاتا ہے۔

صحابۂ کرام کے اسی یقین کا نتیجہ تھا کہ وہ آخرت کے دن کے حساب و کتاب اور اس دن کی سختی اور سزا سے اس طرح ڈرتے تھے جیسے کہ وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ ایک بار ایک صاحب نے انتقال کیا وہ کچھ مال و دولت چھوڑ کر مرے تھے۔ اس حصے کے بارے میں دو صحابیوں میں جھگڑا ہو دونوں صحابی یہ مقدمہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ فریقین میں سے ہر ایک اپنا [illegible] کے پاس [illegible] "میں ایک انسان ہوں، ہو سکتا ہے کہ تم میں کوئی زبان کا تیز اور بہت بولنے والا ہو، اور میں اُس کے موافق فیصلہ کر [illegible] لیکن اگر وہ اُس کا حق دار نہ ہو تو اُسے سمجھ لینا چاہیے کہ [illegible] اُس کی گردن میں آگ کا طوق ڈالا جاتا ہے"۔

[illegible] دونوں صحابی [illegible] رونے لگے اور

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ تھے، آنحضرتؐ نے اُن کو جنّت کی
خوش خبری سُنا دی تھی۔ پھر بھی وہ آخرت اور اُس کے
حساب کتاب سے ڈرتے رہتے تھے۔ پرندوں کو خوشی سے
درختوں پر چہچہاتے دیکھتے تو ٹھنڈی سانس لے کر کہتے:
"پرندو! تم ہی اچھے ہو، جہاں چاہتے ہو چرتے چُگتے ہو،
اور درختوں کے سائے میں بیٹھے ہو، آخرت میں تم سے
کسی طرح کا حساب کتاب نہ ہوگا۔ کیا اچھا ہوتا کہ ابوبکر
بھی تمھاری ہی طرح ہوتا!"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے دوسرے خلیفہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ان کو بھی جنّت کی خوش خبری دی تھی۔ لیکن وہ بھی ہر وقت
آخرت کے حساب کتاب سے ڈرتے رہتے تھے۔ آپ اپنی
خلافت کے زمانے میں رات کو گشت فرمایا کرتے تاکہ
کوئی شخص کسی قسم کی تکلیف میں ہو تو اُس کی تکلیف دُور کرنے کی
کوشش کریں۔

ایک رات کو آپ گشت کرتے ہوئے مدینے سے دُور
نکل گئے، وہاں دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے، اور
دو تین بچے اُس کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں،
آپ نے عورت سے حالت دریافت کی تو معلوم
ہوا کچھ کھانے کو نہیں ہے، بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں، ان کی
تسلّی کے لیے ماں نے خالی ہانڈی چڑھا دی ہے۔
حضرت عمرؓ اُسی وقت کھانے کا سامان لینے
کے لیے مدینے آئے۔ آپ اپنے کندھے پر سامان رکھ کر چلنے
لگے، تو غلام نے کہا ۔۔۔ "میرے ہوتے آپ کیوں
بوجھ ڈھوتے ہیں؟ لائیے مجھے دیجیے، حضرت عمرؓ نے
فرمایا ۔۔۔ "تم آج تو میرا بوجھ اُٹھا لوگے۔ لیکن قیامت
کے دن میرا بوجھ کون اُٹھائے گا؟ یہ کہہ کر آپ خود ہی
سامان لے گئے۔

ایک بار کچھ سرکاری اونٹ گُم ہوگئے، گرمیوں کا
زمانہ تھا، اور دوپہر کا وقت، ان دنوں عرب میں دھوپ
اتنی تیز ہوتی ہے جیسے آگ برس رہی ہو، پھر بھی حضرت
عمر کو ان اونٹوں کے گم ہونے کی اطلاع ہوئی تو آپ دوپہر
ہی میں ان کی تلاش کے لیے نکل کھڑے ہوئے، بڑی پریشانی
کے بعد اونٹ ملے۔ حضرت عمر ان کو لیے ہوئے واپس
آرہے تھے، چہرہ سُرخ ہو رہا تھا ۔۔۔ جسم پسینے سے
تر ہو رہا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو اس حال میں
دیکھا تو تڑپ گئے، کہنے لگے کہ "امیرالمومنین ۔۔۔!
ملازموں کو اونٹ کی تلاش میں بھیج دیتے، خود آپ نے
کیوں تکلیف کی؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا ۔۔۔ "علی! قیامت کے
روز تو اللہ تعالیٰ ملازموں سے نہیں مجھ سے جواب
طلب کرے گا، کہ عمر! تو نے کیوں ایسی غفلت کی کہ
سرکاری اونٹ گم ہوگئے؟"

حضرت علیؓ جانتے تھے کہ جس شخص کو آخرت کا اتنا
خیال ہو وہ کتنا مبارک ہے۔ آپ نے کہا: "امیرالمومنین!
آپ کامیاب ہوگئے۔"

حضرت عمرؓ کو آخرت کا اتنا خوف تھا کہ کہنے لگے "علی!
میں تو صرف اتنا چاہتا ہوں کہ قیامت کے روز مجھے میری
نیکیوں کا اجر ملے اور نہ گناہوں کے عوض میری پکڑ ہو

میرے لیے یہی بڑی کامیابی ہے۔"

بڑے بڑے معاملات کی تو بات ہی دوسری تھی چھوٹے چھوٹے معاملوں میں بھی آپ کو قیامت کی پوچھ کا ڈر لگا رہتا تھا سرکاری اونٹ بیمار ہو جاتے اور ان کو تیل ملنے کی ضرورت پیش آتی تو آپ اُن کو اپنے ہاتھ سے تیل ملتے اور فرماتے: "اگر فرات (ملک عراق کا ایک دریا) کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی مر جائے گا تو میں ڈرتا ہوں کہ آخرت میں اس کے متعلق بھی مجھ سے پوچھ ہوگی۔"

حمص شام کا ایک ضلع ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں وہاں کے حاکم حضرت سعید ابن عامر رضی اللہ عنہ تھے، ایک بار حضرت عمرؓ ملکِ شام کا دورہ کرتے ہوئے حمص پہنچے آپ کو لوگوں کی محتاجی اور فقر و فاقے کے دور کرنے کی بڑی فکر رہتی تھی، اس لیے آپ نے شہر کے ذمّے دار اور بڑے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کی خدمت میں وہاں کے فقیروں اور محتاجوں کی فہرست پیش کریں، جب یہ فہرست پیش ہوئی تو اس میں سب سے پہلے حضرت سعید بن عامرؓ کا نام لکھا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا: "یہ سعید بن عامر کون ہیں؟" جواب ملا "ہمارے حاکم"۔ حضرت عمرؓ نے تعجب سے فرمایا وہ محتاج کیسے ہو سکتے ہیں، وہ تو سرکاری خزانے سے رقم پاتے ہیں؟" لوگوں نے عرض کیا۔ "انھیں جو کچھ ملتا ہے فقیروں اور محتاجوں کو تقسیم کر دیتے ہیں اپنے لیے کچھ بھی نہیں رکھتے" یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے آپ نے قاصد کے ہاتھ خط اور ایک ہزار دینار حضرت سعید بن عامرؓ کے پاس بھیجے، اور فرمایا— [illegible] سکتا ہے، امیرالمومنین نے آپ کے لیے بھیجے ہیں

حضرت عمرؓ کا خط دیا اور تھیلی پیش کی، جیسے ہی آپ کی نظر دیناروں پر پڑی، زبان سے بے اختیار نکل گیا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ بیوی نے سنا تو گھبرا کر پوچھا: "خیر تو ہے کیا امیرالمومنین کی وفات ہو گئی؟" جواب دیا: "اس سے بھی بڑا حادثہ ہو گیا"۔ پھر پوچھا: "کیا خدا کی کوئی نشانی ظاہر ہوئی ہے؟" فرمایا: "اس سے بھی بڑا حادثہ ہے"۔ بولیں: "آخر بتائیے تو سہی واقعہ کیا ہے؟" فرمایا: "یہ دیکھو میرے پاس دُنیا آگئی ہے اور میرے گھر میں فتنہ داخل ہو گیا"۔ نیک بیوی نے کہا: "آپ اس قدر پریشان کیوں ہوتے ہیں، جس طرح پسند کیجیے گا، اس رقم کو خدا کی راہ میں خرچ کر دیجیے گا"۔ بیوی کی اس بات سے دل کو کچھ تسکین ہوئی۔ آپ نے رقم تھیلی میں باندھ کر رکھ دی۔ کچھ دنوں کے بعد مجاہدین کا ایک قافلہ حمص کی طرف سے گذرا تو آپ نے کل رقم اُس پر خرچ کر دی۔"

آپ کو دُنیا کے کسی عیش و آرام سے واسطہ نہ تھا، کھانے پہننے تک کی فکر نہ تھی، کئی کئی روز اس حال میں گزر جاتے کہ آپ کے چولھے میں آگ نہ جلتی، ایک بار کچھ لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ پر آپ کی جان کا حق ہے، اپنے عزیزوں کا اور بیوی بچوں کا حق ہے، آپ کو ان کی بھی تو کچھ فکر کرنی چاہیے۔ آپ نے ساری باتیں سننے کے بعد فرمایا: "میں کسی کے لیے اپنی راہ کھوٹی نہیں کر سکتا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ محتاج اور مسکین دولتمندوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز ایک تابعی تھے، تابعی اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو صحابہ کرام کے زمانے میں پیدا ہوئے، یہ اُمیہ خاندان کے خلفا میں سے تھے، یہ آخرت کے عذاب سے بہت ڈرتے تھے، خلیفہ ہونے کے بعد انھوں نے سرکاری خزانے سے تھوڑی سی رقم اپنا ماہانہ مقرر کر لی تھی، اسی سے گزارہ کرتے تھے، ان کے کھانے پینے کا یہ حال تھا کہ سادہ روٹی اور [illegible] خلیفہ ہونے سے لے کر مرنے تک کبھی [illegible]

ایک ہی جوڑا کپڑا رہتا تھا، اُسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے، اُس میں بھی پیوند لگے رہتے تھے، مرنے کے وقت بدن پر جو کُرتہ تھا اُس کے سوا دوسرا کُرتہ نہ تھا۔ آپ کے سالے مسلمہ نے اپنی بہن فاطمہ سے کہا: "لوگ انھیں دیکھنے آتے ہیں کُرتہ میلا ہو گیا ہے اسے بدل دو۔" وہ بھائی کی بات سُن کر چُپ رہیں۔ اُنھوں نے دوبارہ یہی بات کہی تو بولیں: "خدا کی قسم اس کُرتے کے سوا اور کوئی کُرتہ نہیں ہے۔" ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیز کا جی انگور کھانے کو چاہا، لیکن آپ کے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ بیوی سے پوچھا: "تمھارے پاس ایک درہم ہے! انگور کھانے کو جی چاہتا ہے۔" بیوی نے کہا: "تم مسلمانوں کے امیر، تمھارے پاس ایک درہم بھی نہیں ہے؟" حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: "ہاں میرے پاس ایک درہم بھی نہیں ہے اور میں اسے دوزخ کی ہتھکڑیوں سے بہتر سمجھتا ہوں۔" حضرت عمر بن عبدالعزیز اکثر ساری ساری رات جاگ کر نماز پڑھتے اور عبادت کرتے، ایک رات آپ نے نماز میں قیامت کے متعلق آیت پڑھی: يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (القارعہ) (اُس روز انسان ایسے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دُھنی ہوئی رنگین اُون) اس آیت کا آپ پر یہ اثر ہوا کہ آپ چیخ مار کر اس طرح گرے گویا جان نکل جائے گی، پھر اس طرح بے حس و حرکت ہو گئے جیسے دم نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آئے، پھر چیخ مار کر گر پڑے اور گھر بھر میں دوڑ دوڑ کر کہنے لگے: "ہائے وہ دن! جب انسان بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ دُھنی ہوئی اُون کی طرح ہو جائیں گے۔" صبح تک آپ کی یہی حالت رہی پھر اس طرح گرے جیسے جان نکل گئی ہو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک تابعی تھے، ان کے بارے میں ان کے ایک دوست کا بیان ہے کہ وہ آتے تو معلوم ہوتا جیسے اپنے کسی عزیز کو دفن کر کے آ رہے ہیں اور بیٹھتے تو معلوم ہوتا ایسے قیدی ہیں جن کی گردن اُڑانے کا حکم صادر ہو چکا ہے۔

اور جب دوزخ کا ذکر کرتے تو معلوم ہوتا کہ دوزخ انھیں کے لیے بنائی گئی ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے بزرگ ہیں۔ کروڑوں مسلمان ان کے طریقے کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں ایک شخص جن کا نام زائدہ ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت امام اعظم کے ساتھ نماز عشا پڑھی، مجھے آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا تھا، امام صاحب نفل پڑھنے لگے، میں ٹھہر گیا کہ آپ فارغ ہوں تو مسئلہ پوچھوں، آپ جب قرأت کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے۔ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ۝ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ۝ (جنتی لوگ آپس میں کہیں گے کہ اس سے پہلے جب ہم دُنیا میں اپنے بیوی بچوں میں تھے، تو جہنم کے عذاب سے ڈرتے رہتے تھے پھر اللہ نے ہم پر فضل فرمایا اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیا) تو بار بار اسی آیت کو دُہرانے لگے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور وہ اسی کو دُہراتے رہے۔

ایک اور بزرگ جن کا نام یزید بن کمیت تھا بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت امام اعظم کے ساتھ عشا کی نماز میں شریک ہوا، امام صاحب نے سورہ زلزال پڑھی (یہ قیامت کے بیان میں ہے اور اس کے آخر میں ہے فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ یعنی جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ بھی اس دن اس کے بدلے کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ بھی اس کا بدلہ دیکھ لے گا) لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے، میں ٹھہرا رہا، امام صاحب ٹھنڈی سانسیں بھر رہے تھے، میں آپ کی یہ حالت دیکھ کر وہاں سے اُٹھ گیا۔ جب صبح کی نماز کے لیے مسجد میں گیا تو دیکھا، امام صاحب ابھی تک غمزدہ بیٹھے ہیں، داڑھی ہاتھ میں ہے، بڑی رقت سے کہہ رہے ہیں: "اے وہ! جو ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر بدی کا بدلہ دے گا، اپنے غلام نعمان کو دوزخ کی آگ سے بچا لیجو!"

یہ تھے آخرت پر سچا یقین رکھنے والے اور ایسے حالات ہوتے ہیں ان لوگوں کے جو آخرت پر سچا یقین رکھتے ہیں۔ آخرت پر ایسا یقین رکھنے والے کامیاب ہوتے ہیں، دُنیا کے لیے رحمت ہوتے ہیں۔ اگر اللہ کی خوشنودی کے لیے دُنیا میں بڑے بڑے کام کرنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے آخرت کا یقین پیدا کرو۔ آخرت پر سچا یقین ہی تمھیں کام کا آدمی بنا سکتا ہے۔ آخرت کی کامیابی کا خیال کیے بغیر جو کچھ کرو گے رائیگاں جائے گا۔ سچی کامیابی اُسی ہمیشہ رہنے والی زندگی کی کامیابی ہے +

محمود کی تمنّا

جناب شہباز صاحب ہندی

محمود کل صبح کو — اسکول جا رہا تھا
دیکھا کہ چند لڑکے — جیسے امیر زادے
بیٹھے ہوئے ہیں یک جا — کچھ دل لگی تھی جاری
گالی گلوچ بھی تھی — کچھ فحش بک رہے تھے
آتا کوئی جو راہی — لے لیتے چٹکیاں سی
سب کو ہی چھیڑتے تھے — دُنیا تھی تنگ ان سے
لیکن کوئی بھی ان کو — کچھ کہہ نہیں رہا تھا
سب لوگ ڈر رہے تھے — اور کیوں بھلا نہ ڈرتے!
یہ شان دار کپڑے — یہ کام دار جُوتے
سگرٹ کے اچھے پاکٹ — دُھوئیں کا اُٹھتا بادل
وہ شان دار کنگھا — رہ رہ کے پھر رہا تھا
ہاتھوں کی وہ گھڑی جو — چم چم چمک رہی تھی
محمود نے یہ منظر — پہلے نہیں تھا دیکھا
مفلس غریب بچہ! — بس رہ گیا ٹھٹھک کر
آنکھیں تھیں خیرہ، منہ میں — پانی بھرا ہوا تھا
لب پہ دُعا تھی یارب — مجھ پر بھی یہ کرم ہو

اتنے میں ایک اندھا — بےکس یتیم بچہ
اپنا کوئی نہیں تھا — دُنیا میں بےسہارا
ایک ہاتھ میں تھی جھولی — ایک ہاتھ میں تھی لٹھیا
حسرت بھری صدا میں — آواز دے رہا تھا
"بابا خدا کی خاطر — بس ایک پیسہ دے دو
بچّوں کا اپنے صدقہ — ہاتھوں کا میل اپنے
روٹی کا ایک ٹکڑا — راہِ خدا میں دے دو"
بگڑا تھا جو مقدر — ان کی طرف سے گزرا
بس اس کو دیکھتے ہی — ان میں سے ایک اُٹھا
جھپٹے سے جاکے اُس کی — لٹھیا پکڑ کے بولا
آؤ ہمارے گھر تو — تم کو کھلائیں کھانا
پیسے بھی دیں گے تم کو — کرتہ بھی ایک دیں گے
ساتھ اُس کے جا رہا تھا — خوش خوش بچارا بچہ
اتنے میں اُس نے اُس کو — اس زور سے دھکیلا
اندھا غریب لڑکا — نالے میں گر گیا اک
وہ چیخ نکلا دُہائی — لوگو بچاؤ مجھ کو
اور سب کے سب وہ لڑکے — ہنسنے لگا رہے تھے
کھا کے ترس جو کوئی — جاتا نکالنے کو
شیطان کے یہ بھائی — بکتے تھے دینے گالی
سب لوگ تک رہے تھے — منہ میں ہو جیسے تالا

محمود نے یہ منظر — دیکھا تو رو دیا وہ
کہنے لگا کہ یارب — تو ہے بڑا ہی عادل
جلدی سے اک عدالت — قائم ابھی یہاں کر
تاکہ غریب اندھا — جاکر کرے شکایت
مولیٰ اسی کی سُننا — اور ان سبھوں کو مالک!
ایسی سزائیں دینا — بس یاد ہی کریں یہ

اوپر جو سر اُٹھایا — سُورج کو سر پہ دیکھا
ناوقت ہو رہا تھا — بھاگا گیا مدرسے
اُس روز کے سبق میں — اُستاد نے بتایا
آئے گا اک زمانہ — دُنیا نہیں رہے گی
جنگل، پہاڑ، دریا — اور اُس میں بسنے والے
یہ شان دار گھر بھی — مالک بھی ساتھ ان کے
دہلی کا لال قلعہ — اور آگرے کا روضہ
دیوار چین کی بھی — اہرام مصر کے بھی
سب مٹ چکیں گے بالکل — کچھ بھی نہیں رہے گا
تب پھر یہ سارے انسان — قبروں سے اپنی اپنی
مالک کے اپنے آگے — جائیں گے پھر بلائے
واں ہوگی اک عدالت — انصاف کی تو صورت
دُنیا میں جس نے جو کچھ — کی ہوگی کوئی نیکی
تو سات سو گنے تک — بدلہ ملے گا اُس کو
اور جس نے جو بُرائی — اس زندگی میں کی ہے
ذرہ برابر ہو وہ — بدلہ ملے گا اُس کو
ظالم کے ظلم کا اور — بےکس کی بیکسی کا
بس ٹھیک ٹھیک سب کا — انصاف ہوگا اُس دن

محمود نے سُنا تو — غم ہو گیا غلط سب
اب مدرسے سے خوش خوش — گھر واپس آگیا وہ
باچھیں کھلی ہیں پڑتیں — پھولا نہیں سماتا
رہ رہ کے شوق کر یہ — ہو جاتا ہے مگن وہ
اس اندھے کی طرف سے — میں بھی گواہ دوں گا

سُورَج کا پیام

کل شادی کا دن تھا، شادی بھی بڑے بھائی کی، سب خوش تھے۔ بہت سے مہمان، اچھے اچھے کھانے، اچھے اچھے کپڑے۔ خالدہ بھی خوش تھی۔ اس نے بھی اچھے کپڑے پہنے تھے، وہ بھی بارات کے ساتھ جائے گی، خوب تماشا دیکھے گی۔ ـــــ لیکن ـــــ اسے یاد آیا، کیا اچھا ہوتا اگر اس کی سہیلیاں سلمیٰ، آمنہ، حفصہ، طاہرہ، بانو، اور منی بھی آجاتیں۔ اس خیال کے آتے ہی خوشی کے مارے پھولی نہ سمائی۔ دوڑی دوڑی اماں کے پاس گئی: "اماں ہم کل اپنی سہیلیوں کو بُلالیں؟ ہم انھیں بارات کے ساتھ لے جائیں گے، خوب سیر دکھائیں گے، خوب کھیلیں گے۔"

ماں نے خوش ہوکر کہا: "ضرور بیٹی ضرور بلالو۔ ابھی بیٹھ کر سب کو خط لکھ دو، میں نوکر کے ہاتھ بھجوادوں گی۔ سب کو بلالو۔"

خالدہ نے خوشی خوشی خط لکھے، لفافوں میں بند کیے، سب سہیلیوں کے پتے لکھے اور اپنی ماں کو جاکر دیدیے۔ اماں نے اُسی دن سب خط خالدہ کی سہیلیوں کو بھجوادیے۔ دوسرے دن شادی تھی۔ خالدہ کو شادی کی خوشی تو تھی ہی مگر اپنی سہیلیوں کے بلانے کی خوشی سب سے زیادہ تھی۔ خوشی کے مارے اسے رات کو نیند بھی نہ آئی۔ ابھی تڑکا ہی تھا کہ بستر سے اُٹھ بیٹھی، اپنا کمرہ صاف کرنے لگی، اپنی کتابیں سلیقے سے رکھیں، بستر ٹھیک کیے، کمرے میں فرش بچھایا، وہ دل ہی دل میں خوش ہورہی تھی کہ بس صُبح ہوتے ہی اس کی سہیلیاں آنا شروع ہوجائیں گی۔

ٹھنڈی ہَوا تو رات سے چل رہی تھی، صُبح کے وقت کچھ بادل بھی تھے، لیکن دن چڑھتے ہی پُورب سے اُودی اُودی گھٹا اُٹھی، بجلی چمکی اور آن کی آن میں موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ گھر میں پانی ہی پانی ہوگیا، مہمان بھی پریشان ہونے لگے اور شادی کے سب کام رُک گئے ـــــ مگر اس بارش سے گھر میں سب سے زیادہ تکلیف خالدہ کو ہو رہی تھی، اُس کی ساری خوشی پر پانی پھرا جاتا تھا۔ اس کو یہ فکر تھی کہ ایسی بارش میں اس کی سہیلیاں کس طرح آئیں گی۔

بارش ہوتے ہوتے بہت دیر ہوگئی۔ آج بارش تھمنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ خالدہ کی آسمان کی طرف ٹکٹکی بندھی تھی، مگر آسمان سے بوند نہ تھمتی تھی۔ رِم جِھم رِم جِھم بارش ہو رہی تھی۔ خالدہ کی ساری خوشی

خاک میں مل جا رہی تھی ــــــ دوپہر ہونے آیا اور اب خالدہ کو یقین ہو گیا کہ اس کی سہیلیاں کسی طرح نہ آ سکیں گی۔ خالدہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور اپنے کمرے میں جاکر لیٹ رہی۔

"خالدہ تم کیوں روتی ہو؟" اس کے کان میں آواز آئی۔ خالدہ نے دیکھا ایک پری اس کے کمرے میں کھڑی تھی، پری بڑی محبت کی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ خالدہ نے پری کو سلام کیا اور بولی: "بارش تھمتی نہیں۔ میری سہیلیاں کیسے آئیں؟" پری نے محبت سے خالدہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا: "تم فکر نہ کرو میں تمھاری سہیلیوں کو بلانے کی کوشش کرتی ہوں" ــــــ پری یہ کہہ کر بارش کے پاس گئی اور اس سے بولی: "برکھا رانی، خالدہ بی بی بڑی اُداس ہے۔ اس کی سہیلیاں آ نہیں سکتیں، تم ذرا تھم جاؤ تو خالدہ کی سہیلیاں آ جائیں۔" بارش بولی: "اے بی بی تھمنا یا برسنا میرے بس کی بات نہیں، میں نہ اپنی خوشی برستی ہوں اور نہ اپنی مرضی سے تھمتی ہوں تمھیں جو کچھ کہنا ہو تم بادل سے کہو۔"

پری بادل کے پاس گئی اور اس سے کہا: "بادل بابا خالدہ بی بی بڑی اُداس ہے اس کی سہیلیاں آ نہیں سکتیں تم ذرا بارش سے کہہ دو کہ وہ تھم جائے تو خالدہ کی سہیلیاں آ جائیں"

بادل بولا: "اے بی بی بارش برسانا یا تھمانا میرے بس میں نہیں میں تو خود غلام ہوں ہواؤں کے اشارے پر کام کرتا ہوں، ہوائیں جدھر چاہتی ہیں مجھے لے جاتی ہیں تمھیں جو کچھ کہنا ہے ہواؤں سے کہو۔"

پری ہوا کے پاس گئی اور بولی: "ہَوا رانی خالدہ بی بی بڑی اُداس ہے، اُس کی سہیلیاں آ نہیں سکتیں تم ذرا بادل بابا سے کہہ دو کہ وہ بارش کو روک دیں۔ بارش تھم جائے تو خالدہ کی سہیلیاں آ جائیں۔"

ہَوا بولی: "پری بی بی مجھے تمھاری بات ٹالتے بڑی شرم آ رہی ہے کبھی نہ کبھی تو تم نے ذرا سے کام کو کہا ہے مگر کیا کروں میں تو بالکل مجبور ہوں نہ میں اپنی خوشی چلتی ہوں نہ اپنی خوشی تھمتی ہوں۔ یہ بادل تو میرے پاس "سمندر خاں" کی امانت ہیں، بارش سے بھرے بادل وہی میری کمر پر لاد دیتے ہیں، تم جانو کتنے بوجھل ہوتے ہیں، یہ بادل۔ انھیں لاد کر ملکوں ملکوں مجھے لے جانا پڑتا ہے۔ مگر میرا حال تو ایک غلام کا سا ہے نہ اپنی خوشی کسی ملک میں پانی برسا سکتی ہوں اور نہ اپنی مرضی سے برستے پانی کو روک سکتی ہوں، تمھیں جو کچھ کہنا ہو "سمندر خاں" سے کہو۔"

پری سمندر کے پاس پہنچی اور بہت ادب سے بولی: "سمندر دادا خالدہ بی بی بڑی اُداس ہے۔ اس کی

سہیلیاں آنہیں سکتیں تم ذرا ہوا سے کہہ دو کہ وہ بادلوں کو کہیں اُڑا لے جائے بارش تھم جائے تو خالدہ کی سہیلیاں آجائیں ۔"

سمندر نے پری کی بات سُن کر ایک انگڑائی لی' لہروں کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا' پھر سمندر نے مسکراتے ہوئے کہا:" پری بی بی تم اتنی بڑی ہونے آئیں تمھیں آج تک یہ بھی خبر نہیں کہ میں کیا کر سکتا ہوں اور کیا نہیں کر سکتا۔ تم سورج بادشاہ کو تو جانتی ہی ہو ان کا مزاج کیسا آگ بگولا ہے' میں تو خود انھیں کا مارا ہوا ہوں' جس وقت وہ اپنی کرنوں کے آگ جیسے گرم بھالے میرے جسم میں چبھوتے ہیں تو بس دل ہی جانتا ہے کہ میرے اوپر کیا گزرتی ہے۔ میرا لاکھوں مَن پانی بھاپ بَن جاتا ہے اور میں کچھ نہیں کر سکتا۔ مَیں دیکھتا کا دیکھتا رہ جاتا ہوں اور میرے پانی کی بھاپ کو ہوائیں اپنے کاندھوں پر لاد کر خدا جانے کہاں لے جاتی ہیں' وہ تو بھلا ہو ان دریاؤں کا کہ یہ برابر پانی لا لا کر میرے اندر اُنڈیلتے رہتے ہیں ورنہ مَیں تو کبھی سُوکھ گیا ہوتا' مجھ بے چارے سے تمھارا کوئی کام نہ بنے گا۔ مجھے تو بس ایک غلام سمجھو تمھیں جو کچھ کہنا ہے وہ سُورج بادشاہ سے جاکر کہو۔"

پری بڑی پریشان ہو چکی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی اس دُنیا میں جو ہے وہ غلام ہے' جو ہے وہ مجبور ہے۔ پھر آخر وہ کون ہے جس کے کہے یہ سارے کام ہو رہے ہیں؟ وہ بہت تھک گئی تھی آگے جانے کے لیے اس کی ہمّت نہ پڑتی تھی۔ مگر کیا کرتی' خالدہ بی بی سے وعدہ کر آئی تھی۔ وعدہ پُورا کرنا ضروری تھا۔ ناچار سُورج سے ملنے چلی' مگر اس کی ہمّت ٹوٹ چکی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں سُورج بھی کسی اور کا غلام نہ نکل آئے۔ آخرکار وہ سُورج کے پاس پہنچی اور اُس سے کہا:" اے آسمان کے راجہ خالدہ بی بی بڑی اُداس ہے اُس کی سہیلیاں آنہیں سکتیں آپ ذرا سمندر کو یہ حکم دے دیجیے کہ وہ ہواؤں کو کسی دوسرے مُلک کی طرف بھیج دے۔ بادل چھَٹ جائیں اور بارش تھم جائے تو خالدہ کی سہیلیاں آجائیں ۔"

چٹ! چاخ!! سُورج کے جسم سے آگ کے شُعلے اُٹھے۔ سُورج بولا:" بھولی پری تجھے آج تک یہ بھی خبر نہیں کہ آسمان کا راجہ کون ہے؟ اس سارے عالم میں حکم کس کا چل رہا ہے۔ اس مُلک کا بادشاہ کون ہے' میری کیا مجال کہ میں ایک ذرّے کو اِدھر سے اُدھر کر دوں میں تو سب سے زیادہ مجبور ہوں — تم بے کار پریشان ہو رہی ہو۔ خالدہ بی بی کے پاس واپس جاؤ' وہ تو بڑی پیاری بچّی ہے اُس کو میری طرف سے ایک پیام دے دو وہ خوش ہو جائے گی —————

وہ پیام یہ ہے:

"اس دُنیا پر صرف ایک اللہ کی حکومت ہے، اُسی کا حکم ذرّے ذرّے پر چل رہا ہے، اس کی منشا کے بغیر نہ ہوا چل سکتی ہے اور نہ سورج چمک سکتا ہے، اُس کے انتظام میں کسی کو دخل نہیں ——— پیاری خالدہ تم تو انسان ہو، انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے، کچھ اختیار بھی دیا ہے، تم اپنی عقل اور اختیار سے کام لو تو بارش ہوتے ہوئے بھی اپنی سہیلیوں کو بلا سکتی ہو ——— ہم بالکل مجبور ہیں، جس کام پر لگا دیا ہے وہی کر رہے ہیں، اور کرتے رہیں گے۔ کب تک کرتے رہیں گے؟ ہمیں خود معلوم نہیں۔ ہاں ایک دن ایسا بھی آئے گا جب ہم توڑ پھوڑ ڈالے جائیں گے۔ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ اُس دن سارے انسان اپنے کاموں کا حساب دینے کے لیے جمع کیے جائیں گے۔ جو لوگ اُس دن کا دھیان رکھتے ہیں وہی کامیاب ہیں ——— پیاری خالدہ میرا یہ پیام بہت پُرانا ہے لیکن میرا پیام صرف عقل مندوں کی سمجھ میں آتا ہے۔ تم یہ پیام اپنی سہیلیوں کو بھی سُنا دینا ———"

پری سُورج کا پیام لے کر لوٹی۔ اور اپنی ساری کہانی سُنا کر سورج کا یہ پیام خالدہ بی بی کو سُنا دیا، اس پیام کو سُن کر خالدہ کو بڑی خوشی ہوئی ———

ابھی خالدہ پری سے باتیں کر ہی رہی تھی کہ اس کو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی اسے جھنجھوڑے ڈال رہا ہے، آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کی دو تین سہیلیاں اسے جھنجھوڑ رہی تھیں، اور کہہ رہی تھیں:

"خوب دعوت کی ہمیں بُلا کر آپ پڑ کر سو رہیں۔" خالدہ آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھ بیٹھی، بارش تھم گئی تھی۔ دُھوپ نکل آئی تھی، اور اس کی سب سہیلیاں آچکی تھیں۔ اب تو خالدہ کو دُونی خوشی تھی۔

خالدہ نے سب سے پہلے اپنی سہیلیوں کو وہ پیام سُنایا جو سورج کی طرف سے ابھی ابھی پری نے لا کر دیا تھا۔
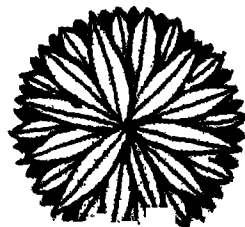
۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانی زندگی کو سنوارنے والی انمول کتابیں اور جمود و تعطل کو حرکت سے بدل دینے والا اسلامی لٹریچر

دینیات و سیرت و نظامِ حیات

۱- خطبات .... قیمت ۱۲ر
۲- دینیات مجلد مع گرد پوش ... ″ ۱۲ر
۳- تنقیحات .... ″ ۱۲ر
۴- تفہیمات .... ″ ۸ر
۵- الجہاد فی الاسلام ...... ″ ۱۵ر
۶- مسئلہ جبر و قدر ...... ″ ۲ر
۷- تجدید و احیائے دین ... ″ ۲ر
۸- قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں مجلد ″ ۲ر
۹- اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر ″ ۲ر
۱۰- فریضۂ اقامتِ دین ... ″ ۶
۱۱- حقیقتِ شرک ... ″ ۱ر
۱۲- حقیقتِ توحید ... ″ ۱ر
۱۳- حقیقتِ تقویٰ ... ″ ۱۲ر
۱۴- سلامتی کا راستہ ... ″ ۶ر
۱۵- شہادتِ حق ...... ″ ۶ر
۱۶- دینِ حق ...... ″ ۶ر
۱۷- اسلام اور جاہلیت ... ″ ۶ر
۱۸- خطبات پانچ حصوں میں ″ ۱ر
۱۸- اسلام کا نظامِ حیات قیمت ۱۰ر
۱۹- اسلام کا نظامِ حیات الگ الگ حصے - فی حصہ ″ ۱۰ر
۲۰- سرورِ عالم ...... ″ ۱ر
۲۱- معراج کی رات ... ″ ۱ر
۲۲- میلاد النبی .... ″ ۱ر
۲۳- قرآن فہمی کے بنیادی اُصول ″ ۳ر
۲۴- رحمتِ عالم (اُردو) ... ″ ۱۲ر
۲۵- زندگی بعد موت ... ″ ۱۰ر
۲۶- مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات ″ ۴ر
۲۷- مذہب کا انقلابی تصور ... ″ ۶ر
۲۸- اسلامی قانون .... ″ ۱۰ر

تنقید و فکر و ادب

۱- مولانا سندھی کے افکار پر ایک نظر قیمت ۱۲ر
۲- ذہنی زلزلے ..... ″ ۴ر
۳- مطالبۂ حق ...... ″ ۳ر
۴- توافق للبقاء ″ ۱۰ر

اس فہرست کو دوسرے لوگوں خصوصاً اہلِ علم تک پہنچایئے یہ بھی ایک تبلیغ ہے۔

ناظم مکتبہ جماعتِ اسلامی ہند رامپور - یو-پی

سیاسیات

۱-	مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ اول	قیمت	۱۲/
۲-	〃 〃 〃 حصہ دوم	〃	۱۲/
۳-	〃 〃 〃 حصہ سوم (زیر طبع)	〃	۱/
۴-	مسئلہ قومیت	〃	۱۲/
۵-	نظام نو	〃	۱۴/
۶-	اسلام کا سیاسی نظریہ اور فلاح عالم ..	〃	۸/
۷-	اسلام کا نظریہ سیاسی	〃	۶/
۸-	اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے۔	〃	۶/
۹-	پاکستان امتحانی دور میں ...	〃	۴/
۱۰-	ہندوستان کے فسادات اور ان کا علاج	〃	۴/
۱۱-	ہندوستان میں تحریک اسلامی کا لائحہ عمل	〃	۸/
۱۲-	مسلمانوں کے لیے صحیح راہ عمل ...	〃	۳/
۱۳-	نشانِ راہ	〃	۶/
۱۴-	علماء و اسلام	〃	۱۴/

اشتراکیت و کمیونزم

۱-	سرمایہ داری اور اشتراکیت اور اسلام۔	۳/
۲-	کمیونزم اور اسلام	۸/
۳-	اشتراکیت اور اسلام	۱۲/

معاشرہ

۱-	پردہ	قیمت	۱۲/
۲-	اسلام اور ضبط ولادت .	〃	۸/
۳-	حقوق الزوجین	〃	۱۲/
۴-	لباس کا مسئلہ	〃	۳/
۵-	پردہ و قرآن مجید	〃	۶/
۶-	انسان کا معاشی مسئلہ	〃	۶/
۷-	اخلاقی نقطہ نظر	〃	۶/
۸	سود	〃	۱۲/

دعوت و تبلیغ

۱-	تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں	〃	۶/
۲-	دعوت اسلامی کیا ہے ...	〃	۴/
۳-	جماعت اسلامی کی دعوت	〃	۶/
۴-	ایک اہم استفتاء	〃	۲/
۵-	بناؤ بگاڑ (اردو)	〃	۴/
۶-	دعوت دین	〃	

تبلیغ دین کا کام کتاب و سنت کی روشنی میں اگر آپ کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا غائر مطالعہ کریں۔ دعوت دین کے سارے مراحل آپ کے سامنے نمایاں ہو جائیں گے۔ یہ کتاب ان اشاعات سلسلہ جماعت اسلامی شائع شدہ ترجمان القرآن پر مشتمل ہے۔

ملنے کا پتہ

ناظم مکتبہ جماعت اسلامی ہند رامپور یوپی

مطبوعات ادارۃ الحسنات

۱- ابتدائی تعلیم (یعنی قاعدہ) . قیمت ۳ر
۲- بالغ مبتدیوں کے لیے پہلی کتاب " ۳ر
۳- " " دوسری کتاب " ۳ر
۴- " " تیسری کتاب " ۳ر
۵- عبادت . . . . " ۸ر
۶- نماز (اردو) " ۸ر
۷- غار والے . . . . " ۵ر
۸- سنیچر والے . . . . . . " ۵ر
۹- انسان کی کہانی . . . . . " ۱۱ر
۱۰- آپ کیا کریں (مسلم خواتین کے لیے راہ عمل) ۱۳ر
۱۱- گاؤں والے . . . . . . " ۵ر

(نوٹ)

کمیشن صرف تاجروں کو دیا جاتا ہے۔

۱- رحمت عالم اردو اور ہندی اور رحمۃ اللعالمین ہندی پر صرف ½ ۱۲ فیصدی کمیشن ہے۔
۲- ادارہ الحسنات کی جملہ کتابوں پر ا ور ہندی کی دوسری کتابوں پر ۲۵ فیصدی کمیشن
۳- اور دیگر کتابوں میں بعض پر ۲۵ فیصدی اور بقیہ پر ۲۰ فیصدی کمیشن ملے گا۔

دستور اور رودادیں

۱- دستور جماعت اسلامی ہند- قیمت ۵ر
۲- روداد جماعت اسلامی حصہ اول " ۸ر
۳- " " " حصہ دوم " ۱۴ر
۴- " " " حصہ سوم " ۷ر
۵- " " " حصہ پنجم " ۷ر
۶- " " " حلقہ خواتین " ۱۲ر
۷- روداد اجتماعات ہند (زیر طبع)

پوسٹر و چارٹ

۱- پوسٹر- "چاہیے آپ" فی عدد قیمت ار
۲- " - "انسان و خدا" " ار
۳- " - "مذہب کیا ہے؟" " ار
۴- "کیا قوم پرستی اختیار کرنے کی چیز ہے؟" " ار
۵- "امن کس طرح قائم ہو سکتا ہے؟" " ار
۶- "نام نہاد مسلم سوسائٹی" " ار
۷- " "اسلام" " ار
۸- " "ہمارا طریق کار" " ار
۹- " "قوموں کے اکھاڑے" " ۲ر
۱۰- (بڑا چارٹ) بنیادی عقیدہ " ۲ر
۱۱- (چھوٹا چارٹ) " " ۱ر

ملنے کا پتہ:-

ناظم مکتبہ جماعت اسلامی ہند رامپور- یو- پی

مطبوعات انگریزی

۱ - ٹو وَرڈس انڈر اسٹینڈنگ اسلام (رسالہ دینیات) ۸/
۲ - ہواٹ از اسلام؟ (اسلام کیا ہے؟) ۸/
۳ - آفٹر سیکولرزم ہواٹ (الحاد کے بعد کیا) ۱۲/
۴ - پراسیس آف اسلامک ریولیوشن (اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے) ۱۲/
۵ - اکنامک پرابلم آف مین (معاشی مسئلہ) ۱۲/
۶ - نیشنلزم اور انڈیا (مسئلہ قومیت) ۱۲/
۷ - ایتھیکل ویو پوائنٹ آف اسلام (اسلام کا اخلاقی نظریہ) ۱۲/
۸ - پولیٹیکل تھیوری آف اسلام (سیاسی نظریہ) ۱۲/
۹ - دی اسلامک وے آف لائف (نظام حیات) ۱۲/
۱۰ - دی میسیج آف اسلام (دعوت اسلامی) ۸/
۱۱ - آور لیڈرز - (ہمارے لیڈر) للعہ/

مطبوعات عربی

۱ - نظریۃ الاسلام السیاسیہ (اسلام کا نظریہ سیاسی) ۸/
۲ - منہاج الانقلاب الاسلامی
اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے ۸/

رسالہ اجالا (ہندی) ماہوار رامپور - یوپی

اسلام کی بنیادی تعلیمات کو ہندی ادبی زبان میں اگر ... ہندی داں ... رسالہ ... فرمائیے ... ہندی ...

مطبوعات ہندی

۱ - وشو پتھ درشک (سرور عالم ہندی) قیمت ۵/
۲ - ست دھرم (دین حق ہندی) . . . ۶/
۳ - شانتی مارگ (سلامتی کا راستہ ہندی) . . . ۵/
۴ - بناؤ بگاڑ (ہندی) ۵/
۵ - جیون مرتیو کے پشچات . . . . .
(زندگی بعد موت ہندی) ۳/
۶ - نماز (ہندی) ۸/
۷ - رحمت عالم (ہندی) . . . ۸/
۸ - رحمۃ اللعالمین (ہندی) للعہ/

خوش خبری

۱ - قرآن مبارک کا ہندی زبان میں ترجمہ اس وقت جس قدر اہم اور ضروری ہے اسی قدر اہتمام کے ساتھ ہم نے اس کام کو شروع کر دیا ہے۔ زبان نہایت بامحاورہ اور ادبی ہوگی۔ ترجمانی اور تشریح مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی کی ہوگی انتظار فرمائیے۔

۲ - ہندی تعلیم کا اسلامی نصاب تیار ہو رہا ہے۔ یہ نصاب پانچ کتابوں پر مشتمل ہوگا۔ پہلی کتاب حروف تہجی سے شروع ہوگی اور پانچویں کتاب رسالہ دینیات پر ختم ہوگی۔ اس کے لئے انشاء اللہ آپ کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے گا۔

Regd. No. A - 688 Monthly "ZINDAGI" RAMPUR

چندہ سالانہ پانچ روپے آٹھ آنے ششماہی تین روپے
آخرت نمبر ایک روپیہ

إن الحسنات يذهبن السيئات
بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔

احساسات

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار احسان ہے کہ ہم الحسنات کے "آخرت نمبر" کی اشاعت سے بخیر و خوبی فارغ ہوگئے۔ حسناتی برادری نے اس خاص نمبر کو کیسا پایا؟ اس کی تفصیلات ان شاء اللہ آئندہ بتائیں گے۔ اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اُس نے ہماری توقعات سے کہیں زیادہ ہماری ان ادنیٰ کوشش کو مقبولیت عطا فرمائی ہے ـــــ ہماری دُعا ہے کہ وہ ہمیں ان کوششوں کو قبول فرمائے اور آئندہ زیادہ سے زیادہ جدوجہد کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ پچھلے کئی نمبروں سے ہم آپ کو اشتراکیت کے بارے میں کچھ بتا رہے ہیں۔ سب سے آخر میں یہ بتایا جا رہا تھا کہ سرمایہ داری کی لعنت کو دُور کرنے کے لیے اسلام نے کیا بُنیادی اصول بتائے ہیں ـــــ ظاہر ہے کہ آج دُنیا کی سب سے بڑی مصیبت زندگی کا وہ نظام ہے جو سرمایہ داری کے اصولوں پر بنتا ہے۔ اشتراکیت اس مصیبت کو حل کرنے کی ایک کوشش ہے۔ لیکن افسوس کہ ایک غلط کوشش ہے اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اشتراکیت کی حیثیت اس سے زائد نہیں ہے کہ وہ ایک بُرائی کو مٹا کر دوسری بُرائی کو جنم دیتی ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلام کا پیش کیا ہوا نظام یعنی زندگی کا وہ طریقہ جو اس عالم کے مالک نے خود تجویز کیا ہے سچ مچ دُنیا کی مصیبتوں کا ٹھیک علاج ہے۔ اس سے سرمایہ داری مٹتی ہے لیکن اُس کے بدلے کوئی دوسری خرابی نہیں اُبھرتی۔

دسمبر دوئم تک اس نظام کے تین اصول بتائے جا چکے ہیں ـــــ اگر ذہن میں تازہ نہ ہوں تو انہیں بھی دیکھ لیجیے اور اب اس سلسلے کی کچھ اور باتیں یاد کر لیجیے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو نعمتیں پیدائشی طور پر عطا فرمائی ہیں وہ یکساں نہیں ہیں۔ کسی کو علم زیادہ ملا ہے تو کوئی جسمانی طاقت کے لحاظ سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ کوئی حسنِ صورت سے آراستہ ہوتا ہے تو کوئی حسنِ سیرت سے۔ کسی میں شعر و شاعری کا ذوق ہوتا ہے تو کوئی فلسفہ و سائنس کے نکات حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ غرض یہ کہ اسی طرح تمام چیزیں جو انسان کو پیدائشی

وہ بھی ہیں۔ انسان کی فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ سارے انسان بالکل سانچے میں ڈھلے ہوئے کھلونوں کی طرح یکساں نہ ہوں۔ دُنیا کی نیرنگی یہی چاہتی ہے —— ایسا ہی معاملہ رزق کا بھی ہے۔ رزق کے معاملے میں بھی جو مصنوعی مساوات انسانوں کے درمیان قایم کی جائے گی وہ اُن کی فطرت کے ناموافق ہی ثابت ہوگی۔ اسلام کسی ایسی مساوات کا قائل نہیں ہے۔ اُس کے نزدیک صحیح مساوات یہ ہے کہ رزق حاصل کرنے کے دروازے سب کے لیے برابر کھُلے ہونے ہوں' وہ سماج میں کسی ایسی رُکاوٹ یا بندھن کی اجازت نہیں دیتا جس سے کچھ لوگوں کے لیے تو دولت سمیٹنا آسان ہوجائے اور کچھ کے لیے معمولی ضروریات کے لیے بھی روپیہ کمانا دُشوار ہوجائے۔ وہ ایسا مساویانہ قانون جاری کرتا ہے جس کی مدد سے ہر شخص اپنی قابلیت اور استعداد کے لحاظ سے بآسانی رزق حاصل کرسکے۔ اسلام کسی ایسے نظام کو برداشت نہیں کرسکتا جہاں ترقی کے مواقع کسی ایک ہی طبقے کے لیے مخصوص ہوجائیں۔ اسلامی نظام میں یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک غریب آدمی کا ذہین بچّہ تو تعلیم حاصل کرنے کے ذرائع اور مواقع نہ رکھنے کے باعث جاہل رہ جائے اور اُسے اللہ کی دی ہوئی عقل سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ہی نہ ملے اور ایک سرمایہ دار کے بے وقوف اور کُند ذہن بچّے پر خواہ مخواہ علم لادا جاتا رہے اور وہ باوجود ہزار کوشش کے "کتابوں سے لدے ہوئے گدھے" سے زیادہ کچھ نہ بن سکے۔ اسلامی نظام میں تعلیم و تربیت بازار کی بکتی ہوئی چیز نہیں بنائی جاسکتی کہ جس کی جیب میں اسے خریدنے کے لیے دام ہوں وہ تو اُسے حاصل کرسکے' چاہے وہ اُس سے فائدہ اُٹھانے کی اہلیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اور باقی لوگ مُنھ تکتے رہ جائیں۔ تعلیم کا یہ نظام جس میں "یونیورسٹیاں" "تعلیم کی منڈیاں" بن کر رہ گئی ہیں سرمایہ دارانہ نظام کی ہی ایک لعنت ہیں۔

اسلام ایسے تمام رواجوں کو مٹانے کا حکم دیتا ہے' جن کی وجہ سے دولت کمانا' علم حاصل کرنا اور دوسرے کمالات میں مشق بہم پہنچانا بعض خاص طبقوں' نسلوں یا خاندانوں کے لیے بطور پیدائشی حقوق محفوظ کردیے جائیں۔ اسلام کی نظر میں "پیدائشی خوش نصیبی" کوئی چیز نہیں۔ اس کے قایم کیے ہوے نظام میں خوش نصیبی اُس کا حق ہوگا' جس میں اللہ کی بخشی ہوئی استعداد اور قابلیت ہوگی اور کسی کو حق نہ ہوگا کہ اس استعداد اور قابلیت سے کام لینے میں کوئی اس کی راہ روک سکے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ اسلام اس غیر فطری مساوات کا بھی قائل نہیں ہے جس میں

مختلف لوگوں کو اُن کی کوششوں کے نتیجوں میں بھی زبردستی برابر کر دیا جاتا ہے۔ اسلام کے نزدیک جہاں یہ بے انصافی ہے کہ کچھ لوگ رزق حاصل کرنے کے ذریعوں کو اپنی چالاکی یا اپنی دولت کی قوّت سے اپنے ہی لیے مخصوص کرلیں وہاں وہ اس کو بھی ظلم قرار دیتا ہے کہ جو شخص اپنی فطری صلاحیتوں کے اعتبار سے زیادہ کما سکتا ہے اُسے زبردستی اس شخص کے برابر کر دیا جائے جو اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ نا اہل اور کام چور ہے۔ صحیح اسلامی نظام میں مختلف لوگوں کو اپنی اپنی مختلف قابلیتوں سے کام لینے کا پورا پورا موقع دیا جاتا ہے۔ انسان میں ایک دوسرے کے مقابلے میں آگے بڑھ جانے کا ایک فطری جذبہ موجود ہے۔ ہر انسان دوسرے سے کچھ بہتر ہو جانے اور سبقت لے جانے کا شوق رکھتا ہے۔ اسلام اس جذبے کو دبانا نہیں چاہتا۔ بلکہ اس کی اصلاح کرتا ہے۔ اگر آپ تمام لوگوں کو زبردستی ایک دوسرے کے برابر رکھنے کی کوشش کریں گے چاہے کوئی کتنا ہی اور کیسا ہی کام کرے اُسے "راتب بندی" کے لحاظ سے ایک جیسا ہی کھانا، کپڑا اور مکان دیں گے اور مختلف لوگوں کو اپنی اپنی کوششوں کے لحاظ سے مختلف نتائج حاصل کرلینے کا موقع نہ دیں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلے گا کہ لوگوں میں کوشش، جدوجہد اور مسابقت کا جذبہ ٹھنڈا پڑ جائے گا اور اس طرح انسانی ترقی کی راہ آپ خود اپنے ہاتھوں بند کر دیں گے۔

ہُوا یہ کہ انسان نے کوشش، جدوجہد اور مسابقت کی آزادی سے فائدہ اُٹھایا۔ وہ ان حدوں کو بھی پھلانگ گیا جو اس کی بہتری کے لیے ضروری تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سرمایہ داری کی لعنت میں گرفتار ہوگیا، اب جو سرمایہ داری کی مصیبت نے اس کی عافیت تنگ کی تو اس نے اپنی فطری آزادی کے دائرے کو بھی تنگ کر دیا اور اپنے سر ایک نئی مصیبت لگا لی ــــــ اس جہان کے رب نے جو نظامِ زندگی تجویز کیا ہے وہ افراط و تفریط دونوں سے پاک ہے۔ یہاں نہ تو انسانی آزادی کی رسی اتنی ڈھیلی ہے کہ اس سے عافیت تنگ ہو جائے اور نہ اُس کا پھندا اتنا سخت ہے کہ اُس سے انسانیت کا دم گھٹ جائے۔

آئندہ انشاءاللہ ہم آپ کو بتائیں گے کہ اسلام اس آزادی کو صحیح حدود میں استعمال کرنے کے لیے کیا صورت تجویز کرتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ

(سورۃ ھود۔ رکوع ۶)

صالح نے کہا "اے برادرانِ قوم! تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک صاف شہادت رکھتا تھا اور پھر اُس نے اپنی رحمت سے مجھ کو نواز دیا تو اس کے بعد اللہ کی پکڑ سے مجھے کون بچائے گا اگر میں اُس کی نافرمانی کروں؟ تم میرے کس کام آسکتے ہو سوائے اس کے کہ تم مجھے اور زیادہ خسارے میں ڈال دو۔

(تفہیم القرآن)

قابلِ غور پہلو

صالح علیہ السلام کی قوم کا جواب آپ پچھلی بار پڑھ چکے ہیں، قوم والوں نے آپ سے یہ بھی کہا تھا کہ تمہاری باتوں نے تو ہمیں بڑی اُلجھن میں ڈال دیا ہے، حضرت صالح اُن کی اُلجھنوں کو خوب جانتے تھے، ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی اللہ کا بندہ اللہ کا پیام لے کر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، لوگوں کو صرف اللہ کی اطاعت کی طرف بلاتا ہے۔ اور ان میں یہ احساس بیدار کرنا شروع کر دیتا ہے کہ سوائے اللہ کے وہ کسی کے غلام نہیں ہیں۔ اُس سے آزاد ہو کر انھیں کسی کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ ان کی پرستش، عبادت، بندگی اور تابعداری کا مستحق اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے، تو قوم کے سنجیدہ لوگ اس طرف متوجہ ہونے لگتے ہیں۔ اللہ کی اطاعت کی دعوت انسان کی فطرت کی آواز ہے۔ یہی وہ سچی بات ہے جو سب سے زیادہ اُس کے دل کو لگتی ہے۔ جہاں تعصب اور ہٹ دھرمی کے بندھن ذرا ڈھیلے ہوئے کہ پیام انسان کے دل میں اُتر جاتا ہے اور ایسا اُترتا ہے کہ پھر اسے اپنا راہ سے پھیر لانے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت جس کھوئی ہوئی چیز کو ڈھونڈ رہی تھی وہ اُسے مل گئی ہے۔ سنجیدہ لوگوں کو متوجہ ہوتے دیکھ کر مختلف گروہوں میں ایک کھلبلی

[illegible] پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے بھی کے سب مخالف ہوتے ہیں۔

سماج میں جو لوگ پنڈت، پروہت، پادری، پجاری، مجاور یا سنت بنے بیٹھے ہوتے ہیں اور جو لوگوں کو اپنے اس جال میں پھنسائے ہوئے ہوتے ہیں کہ کسی انسان کی خدا تک پہنچ ان کی مدد کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی وہ جب دیکھتے ہیں کہ ان کا بنایا ہوا طلسم ٹوٹ رہا ہے۔ اور یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ۔ تو انہیں اپنا کاروبار ٹھنڈا ہوتا نظر آنے لگتا ہے اور اب وہ پوری قوت کے ساتھ اس نئی دعوت کی مخالفت کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ ایک کھلی ہوئی حقیقت کو یوں ایک دم غلط کہہ دینے کی ہمت نہیں ہوتی اور وہ یہ جانتے ہیں کہ اس طرح کھلم کھلا ایک صحیح اور سچی بات کو غلط کہہ کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتے اس لیے نت نئی باتیں اپنے ذہن اور دماغ سے گھڑتے ہیں اور لوگوں کے جذبات سے غلط طور پر فائدہ اٹھا کر انہیں پریشان خیالی میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جو لوگ اقتدار کے مالک ہوتے ہیں وہ بھی اس دعوت کو سن کر چین سے نہیں بیٹھتے۔ جس طرح لوگوں سے یہ اپنی بلا شرط اطاعت کراتے ہیں اور بندہ ہوتے ہوئے خدائی کا لطف اٹھاتے ہیں اب انہیں نظر آنے لگتا ہے کہ ان کی ہوا اکھڑ رہی ہے۔ لوگ اپنا مقام پہچان رہے ہیں۔ ان کی اطاعت اور تابعداری کا مرکز بدل رہا ہے اب ان میں انسان کی غلامی سے نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ اب وہ اپنے کو لوگوں کی اطاعت اور بندگی سے آزاد کرانے کے خواب دیکھنے لگے ہیں تو اس وقت اس طبقے میں بھی بے چینی پیدا ہونے لگتی ہے۔

اسی طرح جو لوگ سماج میں کسی نہ کسی طرح ابھر کر اوپر آ جاتے ہیں اور جن کا فیصلہ قانون اور جن کی خواہش حکم کا درجہ حاصل کر لیتی ہے وہ بھی بے فکری کے ساتھ ایسی دعوت کو ابھرتا نہیں دیکھ سکتے انہیں بھی اپنے [illegible] کے محل ویران ہوتے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اور وہ اپنے لگائے ہوئے باغ کو اجڑتا ہوا دیکھ کر پیچ و تاب کھانے لگتے ہیں۔

(۴) ایسے حالات میں حق کی دعوت دینے والے کا طریقہ کیا ہوتا ہے؟ وہ ان سب مخالفوں کے مقابلے میں کیا کرتا ہے؟ یہ بات آپ کو حضرت صالح علیہ السلام کے اس چھوٹے سے جملے سے معلوم ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہماری نصیحت کے لیے بیان فرما دیا ہے۔

حضرت صالح نے ان کے سوچنے کے طریقے پر پہلے ہی کوئی تنقید نہیں کی۔ آپ نے یہ فرمایا کہ اللہ نے مجھے [illegible] عطا کی ہیں نے دنیا کو کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ میرے دل نے گواہی دی کہ یہ ساری کائنات [illegible] کی [illegible] ہے۔ اس سب کا ایک پیدا کرنے والا ہے جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے [illegible]
[illegible] کھلی ہوئی نشانیوں پر غور کرنے کے بعد اللہ کی رحمت نے میری [illegible] تعالیٰ کی [illegible]

[illegible]

[illegible] اُسی کا فضل ہے کہ مجھے سیدھا راستہ معلوم ہو گیا اور مجھ پر یہ حقیقت ظاہر ہو گئی کہ جس نے پیدا کیا ہے مالک بھی وہی ہے اُس کے علاوہ جو بھی مالک ہونے کا دعوٰے کرے وہ جھوٹا ہے ——— جو رزق دیتا ہے حکم دینے کا حق بھی اُسی کو ہے، جو پالتا ہے غلامی بھی اُسی کی درست ہے، جو پیدا کرتا ہے جواب دہی بھی اُسی کے سامنے ہونا چاہیے، اُس کے علاوہ نہ کسی کی پرستش جائز ہے اور نہ کسی کی غلامی اور تابعداری درست ہے ———

اب بھلا بتاؤ جب میری عقل کا تقاضا یہی ہے اور میری فطرت اسی کو قبول کرتی ہے اور پھر ساتھ ہی ساتھ میرے مالک کی مرضی بھی یہی ہے تو پھر اگر میں تمھاری خاطر چپ رہوں، یا تمھاری خواہشات اور تمھارے ذاتی مفاد کی وجہ سے وہ نہ کہوں جو مجھے کہنا چاہیے تو مجھے اس نافرمانی کی سزا سے بچانے والا کون ہوگا۔ اس لیے کہ پھر تب تو میری پکڑ اس بنیاد پر کرے گا کہ جب میرے دل کی آواز کچھ اور تھی تو میں نے دوسروں کے دباؤ سے وہ راہ کیوں چھوڑ دی جو میرے نزدیک ٹھیک تھی۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اے لوگو تم میرے کسی کام نہیں آسکتے۔ تمھارا ساتھ دوں تو گویا خود اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کروں۔ کیونکہ اصل نفع یا نقصان اس ابدی زندگی کا نفع اور نقصان ہے، تمھاری مرضی کا کام کروں تو تم مجھے چاہے اس زندگی میں مالا مال ہی کیوں نہ کر دو، لیکن حقیقت میں یہ ٹوٹا اور نقصان ہی ہوگا۔

(۳) اس بات کو بیان کرکے دراصل حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم پر حجت تمام کر دی۔ انھیں یہ بتا دیا کہ جو میری فطرت کی آواز ہے اور جو میرے دل اور ضمیر کی صدا ہے وہ دراصل انسانیت کی فطری آواز ہے۔ تم اس کی طرف سے جانتے بوجھتے کان بند کر رہے ہو۔ تمھیں تمھارے مفاد نے اندھا کر دیا ہے۔ تمھیں اس زندگی کے فائدے اور عیش زیادہ پسند ہیں ورنہ اگر غفلت اور ہٹ دھرمی کے پردوں کو چاک کر دو تو تم خود فیصلہ کر لو کہ تمھارا راستہ کتنا غلط ہے۔

ان خاص لوگوں کے علاوہ آپ نے عام لوگوں پر بھی یہ کہہ کر حجت تمام کر دی کہ یہ جو تم دوسروں کے ذہنوں سے سوچتے ہو۔ دوسروں کی خواہشات کے مقابلے میں اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتے، اور اپنے راستے کو متعین کرنے کا کام تم نے دوسروں کے حوالے کر رکھا ہے یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے، اس میں تمھارا سراسر نقصان ہے، یہ تو تم ابدی گھاٹے اور خسارے کا سودا کر رہے ہو۔ ذرا غور کیجیے، دعوت و تبلیغ کی کیسی قیمتی تعلیم اس جملے میں پوشیدہ ہے۔ حق کی طرف بلانے والے دل دکھانے والی باتیں کہہ کر اور مناظروں کے ذریعہ [illegible] لوگوں کو اپنے سے دور نہیں کرتے بلکہ انتہائی حکمت و دانائی کے ساتھ ان کے نفسیات کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسی بات کہتے ہیں کہ جن [illegible] صلاحیت باقی ہوتی ہے انھیں حق کی آواز خود اپنے اندر سے سُنائی دینے لگتی ہے اور پھر وہ اپنا سب کچھ [illegible] دعوت کے ساتھی بن جاتے ہیں +

ابو فرید

پُل

اب آج کل کی بات تو کچھ اور ہی ہے کہ ریلوے اسٹیشنوں پر بھی پُل بنتے ہیں تاکہ ایک پلیٹ فارم سے دوسرے پلیٹ فارم پر جانے کے لیے پُل پر سے گزرا جائے اور ریل کے نیچے دبنے سے بچا جائے، سڑک کے اوپر پُل بنا کر سواریوں کی بھیڑ کو کم کیا جائے، وادیوں پر پُل بنا کر جان کے خطرے سے بچا جائے ورنہ عام طور سے پُل کا لفظ زبان سے نکلتا ہے تو ہمارے ذہن میں دریاؤں کے پُل کا خیال آتا ہے۔ اس لیے میں دریاؤں کے پُلوں کا ہی ذکر کروں گا۔ ان میں سے بہتوں کو میں نے دیکھا ہے اور بہتوں کے بارے میں میرا خیال ہے کہ میرے بجائے آپ نے دیکھا ہوگا۔

مجھے جو پُل سب سے زیادہ پسند ہے وہ کلکتے کا ہاوڑے کا پُل ہے جو تقریباً ایک میل لمبا ہے لیکن علاوہ دونوں کناروں کے کسی کونجی یا ستون پر نہیں کھڑا ہے۔ یہ پُل اتنا چوڑا ہے کہ اس پر معمولی سڑکوں کی تین گنی چوڑی سڑک ہے۔ ٹرام کے گذرنے کی دوہری پٹریاں ہیں اور دونوں طرف پیادہ آدمیوں کے گذرنے کی پٹریاں ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ چھوٹے جہاز بغیر کسی دقت کے آسانی سے اس کے نیچے سے نکل جاتے ہیں۔ اس پُل کے بنانے پر لاتعداد روپیہ صرف ہوا ہے۔ اب دن رات اس پر سے ہزاروں آدمی گذرا کرتے ہیں۔ اگر یہ پُل ہگلی ندی پر نہ ہوتا تو کلکتے کے دو حصّوں میں اتنی آسانی سے آمدورفت نہ ہوتی۔ اور عام قسم کے پُل بنانے میں جہاز رانی کو نقصان ہوتا۔

ایسا ہی بغیر ستون کا دُنیا کا مشہور پُل سکھر کا جھولنے والا پُل ہے۔ میں نے اسے دُور سے دیکھا ہے مگر اس پر سے گذرا نہیں ہوں۔ یہ ریل کے گذرنے کا پُل ہے اور جب اس پر سے ریل گذرتی ہے تو یہ بہت زیادہ ہلتا ہے۔ سُنتا ہوں کہ جب ریل اس پر پہنچتی ہے تو انجن بند کر دیا جاتا ہے اور ریل ڈھلک کر نکل جاتی ہے۔

میں نے اس طرح کے لکڑی کے دو چھوٹے چھوٹے پل بڑودہ شہر میں موجود دیکھے ہیں۔ ان میں سے ایک شہر کے باہر ویرانے میں ہے اور دوسرا عجائب خانے میں۔ ان پر سے بھی جب آدمی گذرتا ہے تو یہ ہلنے لگتے ہیں۔ جو پُل بستی کے باہر ہے وہ بہت گہرے نالے پر بنا ہوا ہے اس لیے یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر ٹوٹا تو کوئی اس پر سے گذرتے ہوئے ڈرتے ہوں گے۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ اس میں تختے جوڑ کر [illegible]

... پر گزر جاتے ہیں اور ان کو ذرا بھی خوف محسوس نہیں ہوتا۔

... ان کی باتیں ... تو ہم کو اور بھی دوسرے خطرناک پلوں کا خیال آجاتا ہے۔ ہمالیہ کے پہاڑی علاقوں میں کئی کئی فرلانگ گہری ندی کی وادی کو لوگ پیڑوں کے تنے رکھ کر پار کر جاتے ہیں۔ اور پھر حیرت یہ ہے کہ ان بڑے بڑے تنوں پر سے وہ بھاری بھاری بوجھ لے کر گزرتے ہیں اور اُن کو ذرا بھی ڈر نہیں معلوم ہوتا۔ پہاڑی علاقوں پر ایک طرح کے اور بھی حیرت ناک پل ہوتے ہیں۔ یہ صرف دو رسیوں کے بنے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک رسی کو جو سر کے پاس ہوتی ہے گزرنے والا ہاتھوں سے پکڑ لیتا ہے اور دوسری پر قدم رکھتا ہوا ڈگمگاتا ہوا من من بھر کے بوجھ پیٹھ پہ باندھ کر نکل جاتا ہے۔

رسیوں کا ایک اور پل اس سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ جس میں آدمی کو رسی کی جھولی میں بٹھا کر ایک رسی پر ٹانگ کر اس کنارے سے دوسرے کنارے کھینچ لیا جاتا ہے۔ یہ پل زیادہ تر سامان اور بوجھ دریا کے پار اُتارنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور سرحد جیسے علاقوں میں گہری وادیوں پر بھی اسی پل کو کام میں لایا جاتا ہے۔

ایسے نہ معلوم کتنے پل ہیں اور کتنی ہی طرح کے ہیں جن کو دیکھ کر ہم کو اور آپ کو بے حد تعجب ہوتا ہے اور کھڑے ہو کر سوچتے ہیں آخر ان پر سے راہی کیوں کر بے دھڑک گزر جاتے ہیں۔ البتہ جب آپ ان پلوں پر سے کسی گزرنے والے سے پوچھیں تو وہ یہی جواب دے گا کہ اُسے عادت لگی ہے۔ مگر نہیں اُسے عادت نہیں بلکہ مشق ہو گئی ہے۔ وہ چونکہ ایک چھوٹی عمر سے اس پر سے گزر رہا ہے، اس لیے وہ اس مشق کو عادت کہتا ہے۔

اگر آپ کو بھی ایسے پلوں پر سے گزرنا ہی پڑے تو آپ کیا کریں گے؟ شاید آپ کا یہی جواب ہو کہ پھر ہمیں اس پر سے گزرنے کی مشق کرنی پڑے گی۔ اس جواب سے میرے ذہن میں ایک ایسے پل کا خیال آتا ہے، جس کو نہ آپ نے دیکھا ہے اور نہ میں نے۔ بلکہ یوں کہیے کہ کسی نے بھی نہیں دیکھا ہے ــــ یہ پل ــــ آخرت کا ہے! ۔ اور اس پر سے ہر ایک کو گزرنا ہے۔ ہم کیا جانیں کہ یہ پل کیسا ہے اور اس کا پار کرنا کتنا مشکل ہے؟ ۔ مگر جب ہم کو اسے پار کرنا پڑے گا تو ہم کو اس کے لیے مشق کی بھی ضرورت ہوگی۔ یہ مشق ہمارے اچھے اعمال اور صحیح اسلامی زندگی ہے، جس کے لیے ہمارے رسول نے ہم کو تعلیم دی ہے۔ اور ہم سے پہلے گزرنے والے خدا کے نیک بندوں نے اس پر عمل کر کے ہم کو اسے آسانی سے گزرنے کا طریقہ بتا دیا ہے اور خود اس پل سے گزرنے کی مشق بھی کر گئے ہیں۔

تو پھر کیا ہی اچھا ہو اگر ہم ان دنیا کے خطرناک پلوں سے بھی زیادہ تنگ عاقبت کے پل پر سے گزرنے کی مشق کریں۔

ــــ اللہ کی امداد ہمارے ساتھ ہو ــــ

آزاد گوئی کا امتحان

ایک جلسے میں ہوئے حضرت فاروقؓ خطیب
امتحاں کے لیے ان سے کیا سخت سوال

"میں اگر سیدھی چلا راہ تو کچھ بات نہیں
کج روی کی تو بتاؤ مجھے انجام و مآل"

مجمع عام میں بولا کھڑے ہو کر اک شخص
اور ہاتھ اپنا لیا قبضۂ تلوار پہ ڈال

"ہم اگر دیکھیں گے ٹیڑھی ہے تمھاری رفتار
تیغ کی دھار سے ہم سب وہ کجی دیں گے نکال"

قدر کرتے تھے دل و فکر کی آزادی کی
خوش ہوئے سن کے یہ برجستہ و آزاد مقال

آزمانے کے لیے ڈانٹ کے پر اس سے کہا
"شان میں میری یہ فقرہ؟ ہوئی تیری یہ مجال!"

بے جھجک بولا کہ "ہاں تم ہی سے میں کہتا ہوں
حال ہوگا وہی ہو کبھی تم نے وہ چال"

بولے "الحمد کہ ہیں عہد میں میرے وہ لوگ
کج روی سے جو ہٹوں میں تو مجھے دیں گے سنبھال"

از [illegible] بیگم صاحبہ

افسوسناک کوتاہی

رقیہ کی عادت تھی کہ نماز فجر کے بعد اگر قرآن و حدیث کے مطالعے کی فرصت نہ ملتی تو صبح کے ناشتے سے فارغ ہو کر نو دس بجے کے قریب آدھا پون گھنٹہ اس کام پر خرچ کر لیتی۔ آج بھی حسب معمول صبح کا کام ختم کر کے وضو کرنے غسل خانے گئی وہاں چوکی پر لوٹا رکھ کر بیٹھی تھی کہ اسے پاس رکھی ہوئی بالٹی میں کچھ پانی نظر آ گیا۔ اس نے پہلے اُسے گرایا بعد میں وضو کیا۔ مسلم نے نہانے کے بعد اسکول جانے کی جلدی میں بالٹی کو خالی نہیں کیا تھا۔ اور پانی بھرا رہے تو جلد ہی ایسی چیزوں میں سوراخ ہو جاتے ہیں۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ اس بالٹی کا نیا پیندا لگوانے پر سوا روپیہ خرچ ہوا تھا، اسی لیے اب رقیہ کو اس کی حفاظت کی زیادہ فکر ہوئی۔

رقیہ پانی گرا کر جب وضو کر رہی تھی تو اسے خیال آیا کہ گھر کی ادنیٰ چیزوں کی حفاظت کا ہم کس قدر اہتمام کرتے ہیں۔ ذرا آگ جلتی رہے تو ایندھن کے ضائع ہو جانے کا خیال آ جاتا ہے، اور دیکھو تو آٹا چھننے کے بعد پہلا کام آگ بجھانا ہوتا ہے لیمپ اور پنکھا ضرورت کے بعد فوراً بند کر دیا جاتا ہے کہ پیسہ بے کار نہ جائے، بستر، کپڑے، برتن، گھر کی ایک ایک چیز بچانے کی انتہائی کوشش کی جاتی ہے اور یہ کوشش کچھ معیوب بھی نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن میں سراہا ہے لیکن ایک چیز جو ہمارے گھروں کی روح رواں اور دنیا کی سب سے قیمتی شے ہے اُس کا نقصان دن رات ہمارے سامنے ہو رہا ہے اور ہمیں اُس کے بچانے کی مطلق کوئی فکر نہیں۔ حالانکہ ہماری عزت، ہماری راحت اور ہمارے حقوق کا سارا دارومدار اسی پر ہے۔

وہ چیز کیا ہے؟ وہ ہے ہمارا دین۔ اگر ہمارے گھروں میں دین کے اصول رائج نہیں ہوں گے تو ہمیں سچی خوشی کبھی نصیب نہیں ہوگی۔ ہزاروں لاکھوں عورتیں بُرے نصیبوں کو رو رہی ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتیں کہ ان کے شوہر اور ان کے بچے، جو ان کا حق ادا نہیں کرتے اور طرح طرح سے تکلیفیں دیتے ہیں وہ کس وجہ سے ایسا کرتے ہیں؟ صرف اس وجہ سے کہ وہ دین سے بے خبر ہیں۔ ان کے بزرگوں نے انھیں پالا پوسا، پڑھایا لکھایا، لیکن اپنے قول و عمل سے انھیں دین نہیں سکھایا۔ اگر ان کے پڑوسی ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے تو وہ بھی اس وجہ سے کہ وہ صحیح اسلام سے واقف نہیں۔ اگر کوئی دکاندار انھیں دھوکا دیتا ہے تو وہ بھی اس لیے کہ اُسے آخرت کا ویسا یقین نہیں جیسا مسلمان کو ہونا چاہیے۔ اگر [illegible] اور خیانت کرتے ہیں تو وہ بھی اسی لیے کہ بیچارے نہیں جانتے کہ ایک دن اس سب کا [illegible]

سُورج گرہن

آپ نے سُورج گرہن کا نام ضرور سُنا ہوگا۔ آپ جانتے ہیں سُورج گرہن کیا ہوتا ہے۔ ذرا خیال رکھئے اب کی بار جو سُورج گرہن ہو تو آپ سُورج کو خود دیکھیں۔

یوں سُورج کو دیکھنا مشکل ہے۔ اس کی چکا چوند سے آنکھوں کو نقصان پہنچنے کا ڈر ہے۔ ہاں ایک ترکیب سے آپ سُورج کو دیکھ سکتے ہیں۔ ایک سیاہ رنگ کا شیشہ آنکھوں کے سامنے رکھیے، اس طرح آپ سُورج کو دیکھ سکیں گے اور نگاہ کے لیے کوئی خطرہ بھی نہ رہے گا۔ اگر سیاہ رنگ کا شیشہ نہ ہو تو سادہ شیشے کے ایک ٹکڑے کو ایک طرف سے کالا کر لیجیے۔ موم بتی کی لَو پر بھی شیشے کو کالا کیا جا سکتا ہے، مگر شیشے کو برابر گرمی پہنچنا چاہیے ورنہ ڈر ہے کہ کہیں چٹخ نہ جائے۔ شیشے میں جدھر کاجل لگا ہو اُسے سُورج کی طرف رکھنا چاہیے، کہیں سُورج دیکھتے دیکھتے آپ کا ناک مُنہ کالا نہ ہو جائے۔ اس طرح گہن کے وقت آپ سُورج کو دیکھیں۔

آپ دیکھیں گے کہ سورج کی ٹکیا کے ایک کونے میں ایک سیاہ دھبہ دکھائی دیتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ٹکیا کا ایک کونا کاٹ لیا ہے۔ یہ کالا حصہ رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا ہے، اسی کو سورج گرہن کہتے ہیں۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پورا سورج کالا ہو جاتا ہے۔ اسے پورا سُورج گرہن کہتے ہیں۔ اس وقت عجیب نظارہ ہوگا۔ آپ دیکھیں گے کہ سُورج کے چاروں طرف لال لال لپٹیں سی دکھائی دیں گی ـــــ پورا سورج گرہن بہت کم ہوتا ہے، اکثر سُورج کے ایک حصے کو ہی گرہن لگتا ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں سیاہی گھٹنے لگتی ہے، لال لال لپٹیں غائب ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور کچھ دیر بعد سورج [illegible] چمکنے لگتا ہے۔

[illegible] سورج گرہن کیوں ہوتا ہے؟ ـــــ لیجیے سُنیے اس بارے میں سب سے تازہ خیال [illegible] چاند گردش کرتے کرتے ہماری زمین اور سُورج کے درمیان اس طرح آ جاتا ہے کہ سورج کا [illegible] نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے، اسی کو گرہن لگنا کہتے ہیں۔ وہ کالا کالا دھبہ جو آپ سورج کی ٹکیا پر [illegible] اتنے حصے کو ہم چاند کے درمیان میں آجانے کی وجہ سے دیکھ نہیں سکتے۔ [illegible]

[illegible] کے درمیان [illegible] ہوتا ہے تو اس کے [illegible]
[illegible] ہے۔

[illegible] تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے۔ اس سے کام لے کر اس نے اب تک بہت سی نئی نئی باتیں معلوم کر لی ہیں اور اسی عقل کے ذریعے نہ جانے اسے آئندہ ابھی کتنی اور باتیں معلوم ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کے جو نظارے آسمانوں کے حال جاننے سے اور سورج، چاند، تاروں وغیرہ کے بارے میں معلومات کرنے سے حاصل ہوتے ہیں وہ بہت ہی زیادہ عجیب و غریب ہیں۔ سورج گرہن بھی انھیں نظاروں میں سے ایک نظارہ ہے۔ جب آپ بڑے ہو جائیں گے تو ان باتوں کو معلوم کر کے آپ کی حیرت اور تعجب کی انتہا نہ رہے گی۔ سورج کی جسامت، اس کا فاصلہ، لاکھوں تاروں کا وجود، ان کی دوری، ان کی گردشیں غرض یہ کہ ایک ایک بات ایسی سامنے آئے گی کہ آپ بے اختیار ہو جائیں گے اور ان سب کے بنانے والے مالک کی قدرت، طاقت اور علم کا خیال کر کے آپ مجبور ہو جائیں گے کہ اُس مالک کے سامنے اپنی بے چارگی کا اظہار کریں اور اُس کی تعریف بیان کریں۔

مومن[1] اور مسلم[2] جب اللہ کی قدرت کا کوئی نظارہ دیکھتا ہے تو اُس کی زبان سے بے اختیار سُبحان اللہ[3] اور الحمد للہ[4] نکل جاتا ہے۔ سورج گرہن اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظاروں میں سے ایک بہت اہم نظارہ ہے۔ اس پر غور کرنے کے بعد انسان کا دل بے اختیار اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کی صفات کے تصور سے بھر جاتا ہے اور اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ اس کائنات کے بنانے والے کے سامنے فوراً سجدے میں گر جائے اور اپنے اور ساری مخلوقات کے مالک کی تعریف بیان کرے۔

اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت نماز پڑھی ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس نے آپ کی اس نماز کا حال بیان فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک بار آنحضرتؐ کے زمانے میں جب سورج گرہن ہوا تو آپ نے اُس وقت نماز پڑھی۔ بہت سے لوگ اس نماز میں شامل تھے۔ اس نماز میں آنحضرتؐ نے اتنی لمبی قراءت پڑھی جتنی سورۂ بقرہ ہے، پھر رکوع کیا، یہ رکوع بھی بہت دیر تک کیا، اس کے بعد کھڑے ہوئے تو بہت دیر تک کھڑے رہے، بس پہلے قیام سے کچھ کم سمجھو، پھر آپ نے دوسرا رکوع کیا جو پہلا تھا پہلے سے کچھ کم، پھر آپ سجدے میں چلے گئے۔ سجدہ بھی بہت دیر تک جاری رہا۔

---

[1] [illegible] جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور اُسی کو اس ساری دنیا کا پیدا کرنے والا، حاکم اور مالک جانتا ہو۔

[2] [illegible] جو صرف اُسی کی تابعداری اور غلامی اختیار کر چکا ہو۔

[3] [illegible] بے عیب ہے۔

[4] [illegible] اور تعریف صرف اللہ کے لیے ہے۔

جناب سید شوکت علی صاحب نیازی

عزم

اسلام کی خاطر جینا ہے
اسلام کی خاطر مرنا ہے
اسلام کو قایم کرنا ہے

اسلام خدا کی رحمت ہے　　اسلام سے ملتی جنت ہے
اسلام ہی راہِ عظمت ہے　　اسلام بڑی ہی نعمت ہے

اسلام کی خاطر جینا ہے
اسلام کی خاطر مرنا ہے
اسلام کو قایم کرنا ہے

اسلام دلوں کی دولت ہے　　اسلام نظر کی رفعت ہے
اسلام حقیقی عزت ہے　　اسلام پیامِ راحت ہے

اسلام کی خاطر جینا ہے
اسلام کی خاطر مرنا ہے
اسلام کو قایم کرنا ہے

اسلام خدائی قوت ہے　　اسلام نظامِ فطرت ہے
اسلام سراسر حکمت ہے　　اسلام سے پھر کیوں غفلت ہے؟

اسلام کی خاطر جینا ہے
اسلام کی خاطر مرنا ہے
اسلام کو قایم کرنا ہے

محترمہ نکہت صاحبہ

پھُول دیکھ کر

اے حسین و خُوب صُورت پھُول! سرسبز جھاڑیوں سے اپنا سر بلند نہ کر، مبادا ظالم گلچیں تاک میں ہو اور اُس کی دست درازی تیری چند روزہ بہار کا خاتمہ کر دے۔ اے گُلاب کے پھُول تو نسیمِ سحری کی اٹھکیلیوں اور چھیڑ چھاڑ سے یوں کھلکھلا کر مت ہنس۔ مت خوش ہو۔۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اس ہنسی کا انجام رونا ہے۔۔ خوشی کے بعد رنج ہے۔۔۔۔۔ فصلِ بہار کے بعد خزاں ہے۔۔۔ اے دل کش پھُول تو کس لیے سر اُٹھا اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے؟ تو کس کے انتظار میں یوں چشم براہ ہے؟ ہاں میں سمجھ گئی، تو شاید دُنیا۔۔ اس حسین دُنیا کو دیکھنا چاہتا ہے۔۔۔ ہاں شاید اسی دُنیا کے حالات معلوم کرنے کے لیے تو پتوں، سرسبز ٹہنیوں، بادِ صبا سے سرگوشیاں کر رہا ہے۔۔ لیکن آہ اے پھول تو کیا کرے گا اس دُنیا اپنے رب۔ اپنے خالق سے باغی دُنیا کو دیکھ کر اور اس کے حالات سُن کر، اس کی ظاہری خوبصورتی پر نہ جا، یہاں کی ہر چیز فانی ہے۔ یہاں مکر و فریب کا دَور دَورہ ہے۔۔۔۔ چند روزہ خوشی کے لیے یہاں بھائی، بھائی کا گلا کاٹتا ہے، باپ بیٹے کے خون کا پیاسا ہے۔۔ اس میں انسان نما ایسے ناگ ورنا گنیں ہیں جن کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔۔۔۔ اس میں مہر و وفا کی بُو نہیں۔۔۔۔ یہاں غریب و نادار کو جینے کا حق نہیں۔۔۔ دیانت و ایمان داری کی قدر نہیں۔۔۔ آہ۔۔۔ اس دُنیا۔۔۔ اپنے مالک سے سرکش دُنیا کے حالات کا جُویا نہ ہو۔۔۔۔۔ سمجھ لے کہ یہاں کی ہر چیز ایک سراب اور دھوکا ہے۔۔۔ مگر اے دل کش پھُول تو حوصلہ نہ ہار، مایوس ہو کر اپنی نرم و نازک پنکھڑیوں کو سمیٹنے اور یوں نرم و ملایم پتیوں میں مُنہ چھُپانے کی بجائے اس بھٹکی ہوئی دُنیا کو خدائے واحد کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم کی طرف بلا۔۔۔ اور یقین رکھ کہ گمراہی کی اس شبِ ظلمات کی وہ روشن صبح عنقریب ہی طلوع ہونے والی ہے، جب ظلم و عدوان سے تھکی ہوئی انسانیت امن و چین کا سانس لے گی۔۔۔۔۔ جب خدائے بزرگ و برتر کا قانون ایک بار پھر اس کرۂ ارضی پر نافذ ہو گا اور خالقِ حقیقی کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر یہ دُنیا راحتِ ابدی حاصل کرے گی۔۔۔۔۔ ہاں وہ پاکیزہ دورِ سعادت و مسرت! جب انسان کی خوبی کا معیار جاہ و حشم اور حسب و نسب نہیں، بلکہ دیانت و امانت، خدا ترسی اور تقویٰ ہو گا۔ جب ظلم، قتل و غارت، رشوت اور مکر و فریب سے پاک ہو کر یہ دُنیا امن و انصاف کا گہوارہ ہو گی +

گڈو: "آپا بی، آپ دھوکا دیتی ہیں، ہم نہیں کھیلتے۔"

شمیمہ: "آہستہ بولو گڈو نہیں تو دو تھپڑ دوں گی منہ پر۔"

نجمی: "واہ! یہ کیوں؟ ایک تو کھیل میں دھوکا دیتی ہیں، اور پھر اگر کوئی کچھ کہے تو جھڑکیاں دیتی ہیں! یہ بھی کوئی بات ہے! آؤ گڈو ہم الگ کھیلتی ہیں۔"

گڈو: "ہاں نجمی، بھیا ہم دوسری طرف چل کر آنکھ مچولی کھیلتے ہیں، یہاں تو کبھی بھی ہماری باری نہ آئے گی آپا کی باری ختم بھی ہو جائے تب بھی اِدھر اُدھر کی باتیں بنا کر لے لیتی ہیں۔" اور دونوں بہن کا منہ چڑاتے ہوئے بھاگ گئے۔

شمیمہ: "ارے کم بختو بڑی بہن کا منہ چڑاتے اور باتیں بناتے ہوئے شرم نہیں آتی۔"

گڈو اور نجمی ایک زبان ہو کر بولے: "تو آپا بڑی بہنوں کو بھی چاہیے نا کہ چھوٹے بہن بھائیوں کا خیال رکھیں، کل ابا جان کہہ رہے تھے کہ دھوکہ دینے والے سے اللہ میاں ناراض ہو جاتے ہیں۔"

شمیمہ: "لیکن میں نے کب دھوکا دیا ہے، کون سی تمہاری جائداد دھوکے سے چھین لی ہے، جو یوں بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے ہو۔"

"آپا بی، یہ دھوکا نہیں تو اور کیا ہے؟ آدھ گھنٹے سے ہم یہاں کھڑے ہیں۔ جب آپ کی باری ختم ہو جاتی ہے ہمیں اِدھر اُدھر لگا کر پھر کھیلنے لگ جاتی ہیں۔" اور وہ دونوں دُور چلے گئے۔

شمیمہ دانت پیستی رہ گئی، غصے اور انتقام لینے کی خواہش نے اسے دیوانہ بنا دیا تھا، وہ دل ہی دل میں ان سے بدلہ لینے کی ترکیبیں سوچتی سوچتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

نجمی اور گڈو آنکھ مچولی کھیلنے لگے، اور وہ بھول ہی گئے کہ شمیمہ آپا ان سے ناراض ہیں، اتنے میں امّی نے نجمی کو آواز دی اور وہ کھیل چھوڑ امّی کے پاس بھاگ گیا، گڈو اکیلی رہ گئی تھی وہ بھی اندر آ گئی اور سیدھی شمیمہ کے کمرے کی طرف بڑھی۔ دروازے پر کھڑی ہو کر بولی: "آپا بی، اندر آ سکتی ہوں؟"

شمیمہ نے غصے سے کہا: "دفع ہو جاؤ یہاں سے، خبردار جو آئندہ مجھ سے کلام کیا۔" گڈو حیران ہو گئی۔ اس کی پیاری پیاری آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں، وہ بیچاری تو بھول ہی چکی تھی کہ آپا مجھ سے ناراض ہیں۔ "آپا بی" اس نے شمیمہ کے گلے میں باہیں ڈالتے ہوئے کہا: "آپ ناراض ہیں کیا؟"

"نہیں تو میں آپ سے بہت خوش ہوں" اس نے گڈو کو پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا: "میں کہتی ہوں مجھ سے مت بولا کرو،

گڈو بے چاری کی کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا' اس افسردہ لہجے میں کہا: "آپ مجھ سے ناراض ہیں؟ مجھے بتائیے آخر آپ کس بات پر خفا ہیں؟ میں معافی مانگ لوں گی' میری اچھی آپا!" اور وہ پھر آپا کے قریب ہوئی۔ شمیمہ کو سخت غصّہ تھا' اس نے پھر زور سے اسے دھکیل دیا۔ اب کے وہ دروازے کے ساتھ ٹکرائی اور اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ عین اسی وقت نجمی کمرے میں داخل ہوا' گڈو کو اُٹھایا اور چُپ چاپ کمرے سے نکل گیا۔

اب تو شمیمہ بہت گھبرائی کہ اگر امّی کو معلوم ہو گیا تو پھر کیا ہوگا؟ — نجمی نے دوسرے کمرے میں جا کر گڈو کو چارپائی پر لٹا دیا اور خود پانی لا کر اس کا زخم دھونے لگا' پھر آہستہ سے پوچھا: "گڈو زیادہ درد تو نہیں رہا۔" "بھائی جان درد تو بہت ہو رہا ہے مگر مجھے زیادہ تکلیف اس بات کی ہے کہ آخر آپا بی ناراض کیوں ہیں' گڈو ابھی اتنا ہی کہنے پائی تھی کہ دروازہ کھلا اور شمیمہ داخل ہوئی۔ نجمی کو گڈو کا زخم دھوتے ہوئے دیکھ کر اسے سخت تکلیف ہوئی اور اپنی جلد بازی پر بہت شرمندہ ہوئی۔

گڈو کا چہرہ شمیمہ کو دیکھ کر خوشی سے چمکنے لگا: "آپا بی آپ یہاں" اس نے مسکراتے ہوئے کہا' "ابھی اتنا تو بتا دیجیے آپ کس بات پر خفا ہیں۔" شمیمہ نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا: "امّی کو تمھاری چوٹ کا علم ہو گیا ہے کیا؟" "نہیں تو" گڈو نے کہا۔ "نہیں بتا ہی دیجیے نا کس بات پر ناراض ہیں آپ؟" اس نے پھر پوچھا۔

"کس بات پر" شمیمہ نے بڑھ کر گڈو کا مُنھ چوم لیا: "نہیں میری مُنّی میں تو تم سے بالکل ناراض نہیں' یہ دراصل شیطان تھا جو مجھے بہکا رہا تھا' میں نے شیطان کا کہنا مان کر تمھیں تکلیف پہنچائی ہے۔ مجھے معاف کر دو۔" "معاف کر دوں" گڈو نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور دروازے سے امّی داخل ہوئیں۔ تینوں بہن بھائی سہم کر امّی کو پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ امی نے گڈو سے چوٹ کے بارے میں پوچھا تو شمیمہ نے ڈرتے ڈرتے تمام واقعہ سُنا دیا اور اپنی غلطی کو مان بھی لیا۔

امّی نے تینوں بچوں کو پاس بٹھا کر کہا: "دیکھو بچّو! آج تم نے شیطان کا کہنا مان کر کتنا دُکھ اُٹھایا ہے سب سے پہلے تو شمیمہ نے شیطان کا کہنا مان کر تمھیں دھوکا دیا۔ شیطان یہ دیکھ کر کتنا خوش ہو رہا ہوگا' کہ دیکھو خدا کے بندے سے بُرا کام کروا ہی لیا نا! پھر تم دونوں نے بھی بڑی بہن کا مُنھ چڑا کر اُسے خوش کیا' اب شیطان نے شمیمہ کو اور بہکایا کہ دیکھو انھوں نے تمھارا مُنھ چڑایا ہے تم انھیں تکلیف دو اور انتقام لو' تم نے غصے میں اس کا یہ کہنا بھی مان لیا۔ اور اپنی ننھی سی بہن کو اتنی تکلیف دی۔ اب شیطان تمہاری ان حرکتوں پر قہقہے لگا رہا ہوگا' اور اللہ میاں...... اللہ میاں تم سے ناراض ہو گئے ہوں گے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ میاں تم سے ناخوش رہیں۔" تینوں بچّے بولے: "نہیں تو امّی!" "تو پھر سچے دل سے توبہ کرو کہ آئندہ کبھی شیطان کا کہنا نہ مانیں گے۔"

تینوں بچے توبہ کرتے ہیں اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں۔ امّی انھیں اسی حال میں چھوڑ کر چلی جاتی ہیں +

آپ کا خط ملا

شمسی رحمانی صاحب۔ گورکھ پور۔

آپ کا خط ملا اور مضمون بھی، مضمون الحسنات کے معیار سے بلند ہوگیا ہے، پھر تخیل بھی کچھ اونچا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے یہ مضمون شائع تو نہ ہوسکے گا۔ البتہ آپ کی کچھ اور آسان کوششوں کا انتظار ضرور رہے گا۔

محمد انور جاوید صاحب۔ جہانیاں

مضمون ملا۔ پلاٹ تو خوب ہی ہے۔ مگر انداز بیان میں اصولی خامیاں ہیں، کوشش کروں گا کہ ان میں تبدیلی کر کے مضمون شائع کر دوں۔ مگر اس میں کچھ وقت لگے گا۔ اس درمیان میں آپ اپنی مشق جاری رکھیں۔ ممکن ہے کہ میری اصلاح سے قبل آپ کا کوئی بہت اچھا مضمون آ جائے اور شائع ہو جائے۔

عبدالوہاب صاحب۔ نیلور

مضامین بھیجنا آپ کا کام۔ شائع کرنا ہمارا کام، جب ہم آپ سے یہ نہیں دریافت کرتے کہ آپ مضمون کب تک لکھیں گے تو ہمیں توقع ہے کہ آپ بھی یہ نہ پوچھیے کہ کب شائع ہوگا۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ ایسا مضمون لکھیں جو ہمیں اشاعت پر مجبور کر دیا کرے۔ اور یہ جب ہی ہوگا جب آپ اشاعت کی آرزو سے دل خالی کر کے بہتر سے بہتر مضمون لکھنے کی مسلسل کوشش کرتے رہیں گے۔

خوب سوچیے، پھر ایسے انداز میں اپنی بات کہیے کہ اگر آپ کے سامنے سچ مچ لڑکے اور لڑکیاں جمع ہوں تو سن کر پسند کریں اور وہی اثر قبول کریں جو آپ قبول کرانا چاہتے ہیں۔

محترمہ نسیم آرا صاحبہ۔ لاہور

آپ کا مضمون "نوٹی پنسل" ملا۔ بات میں سے بات خوب پیدا کی ہے۔ اگر ہم ذہن و دماغ سے کام لیتے رہیں تو ہمارے لیے موضوع کتابوں کے صفحوں کے بجائے اسی طرح اپنے چاروں طرف بکھرے ہوئے مل سکتے ہیں، ان شاء اللہ عنقریب ہی شائع ہوگا۔ کتاب "آپ کیا کریں" آپ کے حلقے میں کارآمد اور مفید ثابت ہوئی اس کے لیے ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں، لیکن در اصل عورتوں کے لیے ایسی کتابیں لکھنا جو اُن کے اپنے ماحول میں اُن کی صحیح راہ نمائی کر سکیں ہمارے لیے اس وجہ سے دشوار ہے کہ ایسی کتابوں کی کامیابی کا دار و مدار خواتین کے مخصوص ماحول کے گہرے مطالعے پر منحصر ہے اور اس کا جو بہترین موقع خود خواتین کو حاصل ہے وہ ظاہر ہے اس لیے ہماری تمنا ہے کہ اسی حلقے میں سے کچھ اللہ کی بندیاں اُٹھیں اور اس ضرورت کو پورا کریں، جہاں تک تہذیب و ترتیب اور طباعت و اشاعت کی ذمے داریاں ہیں، وہ ہم بخوشی اُٹھانے کے لیے تیار ہیں۔

محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ۔ سیالکوٹ

"نکہت" صاحبہ کا مضمون ملا۔ قابلِ اشاعت ہے۔ مزید لکھنے کی درخواست کر دیجیے مگر اس اضافہ کے ساتھ کہ آسان الفاظ اور عام فہم تراکیب کی جو مناسبت "الحسنات" سے ہے وہ پیشِ نظر رہے۔ مرسلہ مضمون اسی اشاعت میں موجود ہے۔

محترمہ نیر بانو صاحبہ (بتول) سیالکوٹ

آپ کا "داؤں" آموزت نمبر میں شائع ہو چکا۔ "ارشد کی چڑیا" بھی قابلِ اشاعت ہے آپ کے مضامین اب رفتہ رفتہ دلچسپ اور مفید ہوتے جا رہے ہیں، مزید مضامین کا انتظار رہے گا۔

عبدالرشید صاحب۔ جنڈالہ

آپ کی بھیجی ہوئی نعت ملی۔ شاعری اور مضمون کے لحاظ سے ابھی یہ قابلِ اشاعت نہیں ہے۔ یہ بہت خوب ہے کہ آپ کو ابھی سے کچھ لکھنے کا شوق ہے اگر مشق جاری رہی تو ان شاء اللہ بہت جلد

اچھا لکھنے لگیں گے۔ آپ اپنی کورس کی کتابوں کے علاوہ اپنا مطالعہ خوب بڑھائیں معلومات کا اضافہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت کو خود بخود اُبھارے گا ـــــ اور ہاں یہ آپ نے خوب کیا کہ اپنی خریداری کو نظم کی اشاعت پر موقوف کر دیا، بھلا سوچیے تو سہی اگر ہم اس خیال سے مضامین شائع کرنے لگیں کہ مضمون نگار صاحب خریدار بن جائیں گے تو وہ خریدار جو مضمون نگار تو نہیں ہیں لیکن اچھے مضمون پڑھنا چاہتے ہیں، کیا کہیں گے؟ ـــــ جب آپ اچھے اچھے مضامین لکھنے لگیں گے تو ہم رسالہ آپ کی خدمت میں بطورِ ہدیہ پیش کیا کریں گے خریداری کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی۔

فضل حسین صاحب۔ سکندر آباد

آپ کی نظم ملی۔ ابھی شاعری کے فن اور خیالات دونوں کے لحاظ سے بہت اصلاح کی ضرورت ہے۔

محترمہ تنویر فاطمہ صاحبہ۔ سترکھ

آپ کا بھیجا ہوا تمثیلچہ ملا، بہت خوب انداز ہے معمولی تبدیلی کے بعد انشاء اللہ شائع کیا جائے گا، جگہ کی کمی کی وجہ سے آخرت نمبر میں شامل نہ ہو سکا، آپ اگر اشاعت کے انتظار میں مزید لکھنا ملتوی نہ فرمائیں تو بہت ہی اچھا ہو، ہماری بڑی آرزو ہے کہ الحسنات پڑھنے والی خواتین جلد بہتر سے بہتر مضامین لکھنے لگیں۔

محترمہ طیبہ یاسمین صاحبہ۔ لاہور

آپ کے دونوں مضامین ملے۔ بڑی اچھی کوشش ہے، اندازہ ہوتا ہے اگر مشق جاری رہی تو بہت جلد آپ اچھے اچھے مضامین لکھنے لگیں گی۔ یہ مضامین تو شائع نہ ہو سکیں گے البتہ آپ کے مزید مضامین کا انتظار رہے گا۔ الحسنات تو دفتر کو ترپابندی سے بھیجا جاتا ہے اگر کوئی نمبر ضائع ہو گیا ہو تو دوبارہ طلب فرمالیں۔

محترمہ ضمیر بیگم صاحبہ۔ اوکاڑہ

[illegible] ملا [illegible] مگر کامیاب کوشش ہے

مضمون قابلِ اشاعت ہے۔ اسی انداز کے مزید چھوٹے چھوٹے مضامین اور بھیجیے۔ الحسنات خواتین کا رسالہ ہے ہماری خواہش ہے کہ اس کی قلمی معاونت زیادہ سے زیادہ خواتین خود ہی کریں۔

محمد مشتاق احمد صاحب معصوم۔ پٹنہ

نظم ملی۔ خوب ہے۔ ضرور شائع ہوگی۔ بچوں کے لیے کچھ اور بھیجیے۔

محمد عبداللہ صاحب ہاشمی اخگر۔ سرگودھا

آپ کا مضمون ملا۔ آپ کی یہ کوشش بہت خوب ہے انشاء اللہ ضرور شائع ہوگا۔ آپ مشق جاری رکھیں، انشاءاللہ بہت جلد بہت اچھے مضامین لکھنے لگیں گے۔

کبیر احمد اعظمی صاحب۔ شرار

آپ کی نعت ملی۔ میری نظر میں اب یہ طرز بے سود ہو چکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقصد کی تکمیل کے لیے بھیجے گئے تھے۔ آپ کی ایسی نعت جس میں اس مقصد کی طرف توجہ نہ رکھی جائے اگر ذہن و دل کے لیے غذا کا کام دے تو دے اصلاحِ حال کے لیے مفید نہیں ہو سکتی۔ موجودہ دَور کا تقاضا ہے کہ آپ محض شاعری کی فضا سے نکل کر "مقصد اور نصب العین" کے میدان میں کچھ بادیہ پیمائی فرمائیں ـــــــ بہرحال الحسنات کے حسبِ حال آپ کی مزید نظموں کا انتظار رہے گا۔

محمد نیاز صاحب۔ پٹنہ

نظم "محبوبِ خدا" موصول ہوئی۔ میرے نزدیک وہ الحسنات میں اشاعت کے قابل نہیں ہے۔

محترمہ نسیم آرا صاحبہ

امتحان

"ٹن... ٹن... ٹن....." گھڑی نے گیارہ بجائے۔ عفت جانماز پر بیٹھی بیٹھی یک لخت چونک اُٹھی۔ کوئی آدھ گھنٹہ ہوا وہ نماز عشاء سے فارغ ہو چکی تھی، مگر سلام پھیرتے ہی وہ اپنے خیالات میں کچھ ایسی کھو گئی تھی کہ وہیں کی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

پچھلے کئی ماہ سے امتحان کی فکر اس کی جان کھائے جا رہی تھی۔ اور یہ امتحان کی فکر ہی تھی جس نے اُسے جانماز پر بٹھایا تھا۔ اگرچہ اُس نے سال بھر بہت محنت کی تھی اور کورس کی کتابوں پر اُسے اچھا خاصا عبور بھی تھا مگر پھر بھی فیل ہو جانے کا اندیشہ کچھ ایسا جونک بن کر اُسے چمٹا تھا کہ اندر ہی اندر اُس کا خون چوسے جا رہا تھا۔ اب کل صبح وہ ظالم امتحان شروع ہونے والا تھا اس لیے آج عفت کی فکرمندی اور بے چینی پہلے سے سہ گنا ہو کر اس کے دل اور دماغ کو پریشان کر رہی تھی۔

"خدا معلوم کیا ہو" وہ پھر سوچنے لگی "تاریخ کا پرچہ تو خیر کچھ تیار ہے مگر جغرافیے کا فلاں فلاں حصہ تو میں نے دیکھا تک نہیں، کیا عجب پرچہ اُسی حصے سے آ جائے.. اگر واقعی ایسا ہی ہوا تو پھر تو میری خیر نہیں... اوّل تو فیل ہی ہو جاؤں گی اور اگر پاس ہوئی بھی تو بس تیسرے درجے ہی میں... تیسرا درجہ.. استغفر اللہ.. کیسی شرم کی بات ہے۔ دیکھنے سننے والے کیا کہیں گے کہ کیسی نالایق لڑکی ہے ــــ اللہ، کیا بنے گا۔

"ٹن" گھڑی نے ساڑھے گیارہ بجائے اور عفت دوبارہ چونک اُٹھی۔ رات گزری جا رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ اگر نیند پوری نہ ہوئی تو صبح پرچہ کرنا مشکل ہو جائے گا، اس لیے اب سو نا ہی چاہیے۔ چنانچہ وہ خیالات کے طوفان کو اُسی طرح دماغ میں لیے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی، جانماز تہ کر کے رکھی، بتی گل کی اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر اس کے خیالات نیند میں بھی اُسے پریشان کرتے رہے اور صبح تک سوتے سوتے ہی اس نے خدا معلوم کتنی مرتبہ امتحان دے ڈالا۔

صبح ہوئی تو اس گھر میں ہر طرف اہتمام ہی اہتمام نظر آ رہا تھا۔ آج عفت کا امتحان تھا کوئی مذاق نہ تھا۔ ابا جان سے لے کر بُوا رحمین تک سبھی تیاریوں میں معروف تھے۔ امی تو تاروں کی چھاؤں ہی میں اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں کہ کہیں چاء کو دیر نہ ہو جائے اور بچی بھوکی نہ چلی جائے۔ اُنھوں نے اپنی نگرانی میں چاء بنوائی تھی اور اب اُن میں اور بُوا رحمین میں بڑی سنجیدگی سے اس بات پر مشورہ ہو رہا تھا کہ عفت کو چائے کے ساتھ ناشتہ کیا دینا چاہیے۔

بھائی جان گھبرائے گھبرائے اندر باہر پھر رہے تھے، آج نہ اُنھیں چاء پینی یاد تھی نہ اس بات کا خیال تھا کہ وقت پر کالج پہنچنا ہے۔ ہر دس منٹ کے بعد گھڑی دیکھتے اور بار بار پکارتے "ابا جان کیا اب تانگہ لے آؤں؟"

ادھر ابا جان نے عفت کے قلم، پنسل، سیاہی کی بوتل سب چیزوں کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا کہ سب کچھ ٹھیک ہے نا۔ عفت کی کلائی کی گھڑی منگوا کر خود اُسے چابی دی اور کان سے لگا کر تسلی کر لی کہ اچھی طرح سے تو چل رہی ہے۔ ضرورت کی سب چیزیں ایک ڈبے میں رکھ کر اُسے ایک مضبوط ڈوری سے

باندھ دیا اور اگرچہ وہ جانتے تھے کہ امتحان کے کمرے میں پرچے باندھنے کے لیے ڈورے دیے جاتے ہیں، مگر پھر بھی اُنھوں نے یہ ضروری سمجھا کہ ڈبیے میں ایک بڑا ہی مضبوط ڈورا رکھ دیا جائے تاکہ پرچے کو خوب اچھی طرح باندھا جا سکے اور کسی کاغذ کے گرنے کا اندیشہ نہ رہے۔

آخر خدا خدا کر کے تیاریاں ختم ہوئیں۔ تانگہ آیا اور ابا جان عفت کو لے کر امتحان گاہ کی طرف چلے۔ تمام راستے وہ عفت کو امتحان کے متعلق مفید باتیں بتاتے گئے "دیکھو بیٹی، رول نمبر جلی کر کے لکھنا" "کاغذ کے دونوں طرف انچ انچ بھر حاشیہ چھوڑنا" "خط کی طرف خاص توجہ دینا، اچھا خط بھی ممتحن کو زیادہ نمبر دینے پر مجبور کر دیتا" "دیکھو جب ایک سوال حل کر لو تو پہلے اُسے اچھی طرح پڑھ لینا پھر دوسرے سوال کو چھیڑنا" "ہاں تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں، طبیعت کو پُرسکون رکھنا"

مگر عفت کا دل اندر ہی اندر لرز رہا تھا کہ جب کبھی اُسے مجبوراً کوئی بات کرنا بھی پڑتی تو اُس کی آواز بھی لرزتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

یہ ساری فکرمندیاں، یہ سارے اہتمام اور یہ ساری احتیاطیں کس لیے ہو رہی تھیں؟ محض اس لیے کہ عفت کو دسویں جماعت کا امتحان دینا تھا اور خود اُسے اور اُس کے والدین اور بھائی کو یہ پریشانی تھی کہ کہیں وہ فیل نہ ہو جائے، یا پاس ہو بھی تو تیسرے درجے ہی میں ہو۔

مگر اسی عفت کو ایک اور امتحان بھی دینا تھا جو اس امتحان سے بہت زیادہ سخت ہوتا ہے اور جس میں فیل ہو کر انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے برباد ہو جاتا ہے۔ کیا عفت کو کبھی یہ فکر بھی لاحق ہوتی تھی کہ کہیں وہ اُس بڑے امتحان میں ناکام نہ رہ جائے یا پاس ہو بھی تو بس تیسرے درجے ہی میں؟ — نہیں اس امتحان کا تو عفت کو کبھی خیال تک نہ گزرا تھا اور نہ اُسے اُس میں اعلیٰ نمبر لینے کی کوئی خواہش تھی۔ زندگی کی نت نئی دلچسپیاں اور نویں اور دسویں درجے اور بارھویں امتحان کی فکر نے اتنی فرصت ہی کب دی تھی کہ وہ اُس بڑے امتحان کے متعلق کچھ سوچ سکتی؟

اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں اپنے نبی بھیجے، اپنی کتابیں بھیجیں، اپنی قدرت کی بے شمار نشانیاں چاروں طرف پھیلائیں اور ہر طریقے سے انسان کو بتا دیا کہ اے آدم کی اولاد تیری یہ عارضی زندگی ایک بڑے امتحان کی تیاری کی مہلت ہے جو تمھیں قیامت کے روز دینا ہوگا۔ اگر تم نے اس تیاری کی مہلت کو تیاری کی مہلت ہی سمجھا اور محنت سے تیاری کرتے رہے تو امتحان کے دن اعلیٰ نمبر لے کر کامیاب ہوگے اور ایسی عزت کے مالک ہوگے جسے کبھی زوال نہیں، اور ایسی آسودگی میں رہو گے جو کبھی انجام سے آشنا نہ ہوگی۔

لیکن اگر تم نے اس تیاری کی مدت کو تفریح کا وقفہ سمجھا اور اسے فضول کھیل تماشوں میں ضائع کر دیا تو امتحان کے دن وہ سب سے بڑا ممتحن تمھیں حیرت ناک طریقے سے فیل کر دے گا اور یہ فیل ہونا ایسا فیل ہونا ہوگا کہ اس کے بعد دوبارہ تیاری کرنے اور امتحان میں شامل ہونے کا کوئی موقع ہی نہ رہے گا۔

تو پھر کس قدر نادان ہے آدمؑ کی اولاد کہ ان ساری یاددہانیوں کے باوجود اُس کی حالت یہ ہے کہ دُنیا کے معمولی معمولی امتحانوں کے لیے تو وہ دن رات ایک کر دیتے ہیں اور اُس میں اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کے لیے صحت تک تباہ کر لیتے ہیں، مگر اس بڑے امتحان سے جو واقعی امتحان ہے اس طرح بے پروا ہیں جیسے وہ امتحان کبھی دینا ہی نہ ہو۔

گاؤں والے

پنجرے والے

غار والے

سدھار کی سبیل

جامع نماز

انسان کی کہانی

جلد — نمبر ۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہینے میں دوبار شائع ہونے والا

رسالہ

الحسنات

رام پور

جو

مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

جلد اوّل

۱۹۵۰ء

مدیر: ابو سلیم محمد عبد الحی

چندہ

سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے — پانچ روپے آٹھ آنے

چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے — تین روپے

فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

[illegible] پرنٹر نے [illegible] پریس رام پور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رام پور (یوپی) سے شائع کیا

قائم کیا جا سکے منع ہے۔ اسی طرح بہت سے ایسے کاروبار جو اجتماعی طور پر مادی یا اخلاقی اعتبار سے نقصان پہنچانے والے ہیں اسلامی قانون میں قطعی حرام کر دیے گئے ہیں ـــــ آپ اگر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ آج سرمایہ داری نظام میں جو لوگ کروڑپتی بنے ہوئے ہیں وہ جن طریقوں سے اپنی دولت کماتے ہیں ان میں سے بہت سے طریقے وہ ہیں جن کو اسلام حرام کہتا ہے ـــ اور اسلامی قانون کے ہوتے ہوئے کم از کم ان طریقوں کو اختیار کر کے سرمایہ دار بن جانے کی کوئی گنجائش نہیں مل سکتی۔ اسلام صرف ان طریقوں سے دولت کمانے کی آزادی دیتا ہے جن سے کوئی شخص دوسروں کی کوئی مفید اور حقیقی خدمت انجام دے کر انصاف کے ساتھ اپنی محنت اور ذہانت کا معاوضہ حاصل کرے ۔

اب صرف کرنے کے بارے میں غور کیجیے۔ یہاں بھی اسلام کی بخشی ہوئی آزادی بے قید اور بے حساب نہیں ہے۔ صحیح ہے اسلام اس دولت کو جو حلال اور جائز طریقوں سے کمائی گئی ہو ایک شخص کی ذاتی ملکیت تسلیم کرتا ہے اور اسے اس میں تصرف کرنے کا حق بھی دیتا ہے لیکن یہ حقوق بھی غیر محدود نہیں ہیں ـ خرچ کرنے کے لیے بھی جائز اور ناجائز اور حلال و حرام کی قید لگی ہوئی ہے۔ حلال کمائی حلال طریقوں سے ہی خرچ بھی کی جا سکتی ہے۔ خرچ کرنے پر اسلام نے جو پابندیاں لگائی ہیں اُن کے ہوتے ہوئے ایک شخص کو یہ موقع تو مل سکتا ہے کہ وہ ایک صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی گزار سکے، مگر اسے عیاشیوں میں دولت اُڑانے کا کوئی موقع نہیں مل سکتا۔ اور نہ وہ شان و شوکت کے اظہار کے لیے دولت لٹا سکتا ہے۔ اس کو یہ موقع بھی نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اپنی دولت کے زور پر دوسروں پر دھونس جمانے اور [illegible] خدائی کے خواب دیکھنے لگے۔ بے جا خرچ کرنے کی کچھ صورتوں کو تو اسلامی قانون میں صاف صاف حرام کہا گیا ہے اور کچھ دوسری صورتوں کے بارے میں اسلامی حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حکم اور قانون کے زور سے انھیں روک دے ـــــ دولت لٹانے کی آزادی انسان کو دو طرح برباد کر دیتی ہے۔ ایک طرف تو اس کے اخلاق اور عادات پر انتہائی بُرا اثر پڑتا ہے دوسری طرف جب اس کو اپنی فضول خرچیوں کے لیے زیادہ سے زیادہ روپے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ کمائی کے طریقوں میں بھی صحیح اور غلط کا فرق کیے بغیر نئی ترکیبیں سوچا کرتا ہے اور پھر وہ درجہ آجاتا ہے کہ انسان اپنی خواہشوں کے مقابلے میں کسی اخلاق، کسی ہمدردی اور کسی نیک و بد کا خیال نہیں کرتا ـــــ اسلام اپنے نظام میں ایسے لوگوں کو پنپنے کا موقع نہیں دیتا اس لیے اس نظام کے عمال لوگوں پر اس اعتبار سے نظر رکھنے کے لیے مجبور ہیں کہ وہ کہیں دولت کا بے جا صرف تو نہیں کر رہے ہیں ۔

ایک شخص حلال اور جائز طریقوں سے جو کماتا ہے اور صرف حلال اور جائز مصارف پر ہی اپنا روپیہ صرف کرتا ہے۔ اس کے بعد جو دولت بچ جائے اسے حق حاصل ہے کہ وہ اُسے جمع کر کے رکھے یا مزید دولت پیدا کرنے میں [illegible] اسلام نے کچھ پابندیاں لگائی ہیں ـــــ جمع کے [illegible]

ڈھائی روپے سیکڑہ سالانہ زکوٰۃ دینا ہوگی، اور اگر اپنے مال کو مزید دولت کمانے کے لیے تجارت یا کسی صنعت میں لگائے تو صرف جائز اور حلال تجارتوں میں ہی لگا سکے گا۔ اگر کسی دوسرے شخص کے ذریعے اپنے روپے کو مزید دولت پیدا کرنے کے لیے لگانا چاہے گا تو اس کو اس دوسرے شخص کی طرح خود بھی نفع اور نقصان دونوں کا شریک ہونا پڑے گا۔ اسے یہ نہ ہوگا کہ خود تو سرمایہ دار ہونے کی حیثیت سے اپنا نفع مقرر کرے جب کہ دوسرے شخص کو یہ اندیشہ باقی رہے کہ کہیں نقصان نہ ہو جائے۔ اسلام اس شکل کو سود قرار دیتا ہے اور سود کی ہر صورت اسلامی قانون میں قطعاً حرام ہے۔

اسلام کی ان حدود کے اندر رہتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص کروڑپتی بن سکتا ہے تو اسلام کی نگاہ میں یہ کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں ہے بلکہ خدا کا انعام ہے، لیکن جماعتی فائدے کے لیے اسلام ایسے شخص کو دو باتوں کے لیے مجبور کرتا ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے تجارتی مال میں سے زکوٰۃ نکالے اور اپنی کھیتی باڑی کی پیداوار میں سے عُشر ادا کرے دوسرے یہ کہ وہ اپنی تجارت، زراعت یا صنعت کے سلسلے میں جن لوگوں سے کام لے اُن سے اُجرت کا معاملہ انصاف کے ساتھ طے کرے۔ اگر وہ خود انصاف نہیں کرے گا اور دوسروں کی مجبوری سے فائدہ اُٹھانا چاہے گا تو اسلامی حکومت اسے انصاف کرنے پر مجبور کرے گی۔

اوپر بیان کی ہوئی شرطوں کو پورا کرنے کے بعد بھی یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص بہت بڑا دولت مند ہو جائے۔ اسلامی قانون اس کی اجازت دیتا ہے کہ اگر اس سب کے بعد بھی کوئی شخص امیر ہوسکتا ہے تو ہو جائے، اسلام اس سے اس کی دولت چھینتا نہیں! مگر اس کا ایک قانون ایسا ہے جس کی وجہ سے یہ دولت زیادہ زمانے تک ایک جگہ اکٹھی نہیں رہ سکتی۔ ایک شخص کے مرتے ہی اس کی تمام دولت اس کے وارثوں میں بٹ جاتی ہے۔ کبھی کبھی ان وارثوں کی تعداد ۲۵ یا ۳۰ سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ اگر کسی ملک میں وراثت کا یہ قانون پوری طرح جاری ہو تو وہاں امیروں کی دولت برابر پھیلتی اور بٹتی رہتی ہے۔ اور اس طرح اس قسم کے سرمایہ دار پیدا نہیں ہونے پاتے جن کی دولت بڑھتی ہی رہتی ہے اور کسی طرح دوسروں کے ہاتھوں تک نہیں پہنچ اسلام میں وراثت کا قانون کچھ ایسا ہی ہے کہ وہ لڑکا اور لڑکی کا لحاظ کیے بغیر دولت کو رشتے داروں میں پھیلا دیتا ہے۔ یہاں یہ قانون نہیں ہے کہ بس سب سے بڑا بیٹا ہی وارث ہوگا یا بیٹا نہ ہونے کی صورت میں کسی کو گود لے کر سرمایہ کو بٹ جانے سے محفوظ کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی قانون کے ہوتے کوئی بڑی سے بڑی زمینداری، اور بڑی سے بڑی دولت مستقل طور پر ایک جگہ جمع نہیں رہ سکتی، اور اس طرح وہ خرابیاں نہیں اُبھر سکتیں جو دولت کے جمع ہو جانے سے پیدا ہوا کرتی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ○ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ○

(سورۂ ھود۔ رکوع ۶)

"..........اور اے میری قوم کے لوگو! دیکھو یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی ہے، اسے خدا کی زمین میں چرنے کے لیے آزاد چھوڑ دو۔ اس سے ذرا تعرض نہ کرنا ورنہ زیادہ دیر نہ گزرے گی کہ تم پر خدا کا عذاب آجائے گا ــــ"

مگر اُنھوں نے اونٹنی کو مار ڈالا۔ اس پر صالح نے اُن کو خبردار کر دیا کہ "بس اب تین دن اپنے گھروں میں اَور رہ بس لو۔ یہ ایسی میعاد ہے جو جھوٹی ثابت نہ ہوگی۔"

(تفہیم القرآن)

قابلِ غور پہلو

(۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے۔ سوچنے سمجھنے کی قوت عطا فرمائی ہے۔ انسان کے چاروں طرف ایسے نظارے پیدا کیے ہیں کہ اگر وہ انھیں کھلی آنکھوں سے دیکھے اور عقل کی راہ نمائی قبول کرے تو وہ مجبور ہو جاتا ہے کہ اس سارے عالم کے کارخانے کو کسی خالق کی مخلوق جانے۔ اس کے سامنے یہاں حسن و تدبیر کے ایسے مناظر آتے ہیں کہ اگر وہ ہٹ دھرمی کا شکار نہ ہو جائے اور اس کی خواہشات اس کی عقل پر پردہ نہ ڈال دیں تو وہ یقیناً اس کائنات کا ایک مدبّر مانے اور اس کا دل گواہی دینے لگے کہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اُسی کی تدبیر اور مشیّت کے ماتحت ہو رہا ہے۔ یہاں جو نظم ہے وہ کسی ناظم کے بغیر نہیں ہے۔ جو حُسن ہے اُس کا فن کار کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔ غرض یہ کہ یہ صحیفۂ فطرت ہی دراصل وہ کتاب ہے جس کے ہر ہر ورق پر ایک نہیں

محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ

ہادیہ

کریمن اپنے ماں باپ کی چھٹی بیٹی تھی۔ جب وہ پیدا ہوئی تو گھر بھر میں اُداسی چھا گئی کہ اب کے لڑکے کی اُمید تھی۔ پھر لڑکی پیدا ہوئی۔ لیکن چند ہی روز میں وہ سب کو اتنی پیاری لگنے لگی کہ انھیں وہ پہلی لڑکے والی خواہش بھول بھال گئی اس کی وجہ ایک تو وہی تھی کہ اللہ نے ہر بچّے کے لیے ماں باپ بہن بھائیوں اور دیکھنے والے لوگوں میں محبت ڈال رکھی ہے بچّے پر ہر کسی کو پیار آجاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ کریمن کی شکل وصورت بہت پیاری تھی' اس پر یہ بات اور پیار دلانے والی تھی کہ وہ عام بچوں کی طرح روتی بالکل نہ تھی۔ بلکہ جس کسی کو دیکھتی ہنس پڑتی اور سارا دن چارپائی پر پڑی کھیلا کرتی۔ ماں اُسے پہروں دودھ نہ دیتی' پھر بھی صابر لڑکی مُنھ کھول کر کبھی گلا نہ پھاڑتی' جو دیکھتا اُس پر نثار ہوتا' اور ماں باپ بہن بھائیوں کی تو آنکھ کا تارا تھی۔

جب وہ بیٹھنا اور گھٹنوں چلنا سیکھ گئی تو سب دیکھ دیکھ کر اَور نہال ہوتے' کریمن کی بڑی بہن جب سینے کی مشین نکال کر کچھ سینے بیٹھتی تو وہ بھی مشین کی آواز پر مست چپ چاپ پاس بیٹھی رہتی۔ اور یوں معلوم ہوتا کہ کسی گہری سوچ میں ہے۔

جب ذرا چلنے پھرنے اور کھیلنے کے قابل ہوئی' تو عام بچیوں کے خلاف وہ گھر سے باہر بہت کم جاتی' اکثر اپنے ہی صحن میں بڑوں کے ساتھ ساتھ رہتی۔ اس کی امّاں کہتی کہ کریمن باہر جا کر اپنی ہم عمر لڑکیوں سے کیوں نہیں کھیلتی ؟ تو کہتی وہ لڑکیاں بہت گندی ہیں۔ مجھے ان کی ناک بہتی دیکھ کر گھِن آتی ہے۔ اس پر سب کھِل کھِلا کر ہنسنے لگتے۔

ابھی تین برس کی تھی کہ بڑی بہنوں کو پڑھتے دیکھ کر اُس نے بھی شوق ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ اکثر اُن کے ساتھ بیٹھی رہتی اور کئی الفاظ زبانی دُہرایا کرتی۔ آخر ماں نے اُسے یسّرنا القرآن لے دیا اور بڑی بہن نے اُسے الف با کی شناخت کرادی۔ چند ہی ماہ میں یسّرنا القرآن ختم کر لیا' اس کے بعد قرآن مجید پڑھنے میں کیا مشکل تھی' پانچ برس کی تھی کہ قرآن بھی ختم ہوا' اور کتابیں دیکھنی شروع کیں کچھ دنوں بعد اسکول میں داخل کر دی گئی۔ وہاں عمر میں جتنی چھوٹی تھی پڑھائی میں اُتنی تیز تھی۔

خدا کا کرنا کیا ہوا کہ اِدھر کریمن اسکول میں داخل ہوئی اُدھر اُس کی بڑی بہنوں کو موت نے آگھیرا۔ ایک ہیضے سے رخصت ہوئی تو دوسری ٹائیفائڈ سے۔ تیسری نے ملیریا میں جان دے دی۔ اور چوتھی اچانک چل کر مر گئی۔ یہ چاروں بہنیں دو سال میں ختم ہو گئیں۔ اب اس کی صرف ایک بہن رہ گئی تھی اُس سے کریمن کو جو محبت تھی [illegible]۔

کہ ہم نے لڑکیوں کے پیدا ہونے پر کیوں افسوس کیا۔ اب اللہ نے اُن کو اپنے پاس بُلا لیا ہے تو کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔

کریمن انھیں پیاری تو پہلے بھی تھی ہی، لیکن اب تو ان کی جان تھی۔ اُس کو بھی ماں باپ کا بہت خیال تھا، وہ اُن کا دل بہلانے اور غم غلط کرنے کی بہت کوشش کرتی، ماں باپ اس کی نیک عادات کی وجہ سے اور بھی خوش تھے، اور اُس پر اپنا سب کچھ فدا کرنے کو تیار تھے۔

کریمن کی اور بچوں کے برعکس یہ نرالی عادت تھی، کہ اُسے ماں باپ کی طرف سے جو اچھی چیز ملتی وہ اپنے پاس نہ رکھتی، بلکہ اپنے رشتے داروں اور سہیلیوں اور غریب لوگوں کو دے دیا کرتی۔ ماں باپ کی جتنی بساط تھی، وہ اُس کی ہر خواہش پوری کرتے۔ کبھی کہتی اماں مجھے فلاں کتاب چاہیے۔ دوسرے یا تیسرے روز معلوم ہوتا کہ کتاب کسی کو بطور تحفہ دے چکی ہے، کبھی کہتی اماں میرا جی چاہتا ہے کہ فلاں چیز کھاؤں گی، دیکھیے بہت سی پکانا۔ اماں خوشی خوشی پکاتی، لیکن کھانے کے وقت کسی نہ کسی سہیلی، عزیز یا غریب لڑکی کو بلا لیتی اور خود کہہ دیتی کہ میرا کھانے کو جی نہیں چاہتا، آج میری طبیعت ٹھیک نہیں، یہی حال کپڑوں کا تھا۔ اُس نے اپنے لیے کبھی کسی کپڑے کی فرمائش نہ کی۔ جب اس کی ماں اصرار کرتی، کہ دیکھو تمھارے ساتھ والیاں یہ کپڑا خرید رہی ہیں تم بھی اپنے لیے کوئی پسند کرلو۔ تو یہ کہہ دیتی، آپ کو جو کپڑا اچھا لگتا ہو، میرے لیے خرید لیجیے۔ خریدنے کے دو چار روز بعد وہ اماں کو کسی نہ کسی غریب کی محتاجی کا رو رو کر ایسا قصہ سُناتی کہ ماں بھی اُس کی مدد کرنا چاہتی۔ پھر کریمن کہہ دیتی کہ کیوں نہ اُسے فلاں کپڑا دے دیا جائے۔ ماں بچاری کچھ نہ کہہ سکتی، کہ کہیں اس کی لاڈلی بچی کا دل میلا نہ ہو جائے۔

اب کریمن جوان ہو گئی تھی، اُس کا باپ بوڑھا ہو گیا تھا اور پہلے جیسی اُس کی کمائی بھی نہ رہی تھی، زمین کی ایک معمولی، نہایت ہی معمولی آمدنی تھی، جس پر گزر ہو رہی تھی۔ اب کریمن اُس کھلے دل سے عورتوں کو تحفے تحائف نہ دے سکتی، اور اس وجہ سے کچھ اُداس رہتی، اُس کی ماں پوچھتی کہ بیٹی بتاؤ تمھیں کیا ہو گیا ہے کیوں اُداس رہتی ہو۔ لیکن وہ ٹال جاتی۔

اُسے پڑھنے کا شوق تو تھا ہی، خدا نے فطرت بھی نیک بنائی تھی، جب اُس کی نظر کے سامنے اُس کی پانچ بہنیں ایک ایک کرکے رخصت ہو گئیں، تو اُسے بہت خیال رہنے لگا، کہ ہم سب کو ایک دن مرنا ہے۔ وہاں ہمارا خدا جانے کیا حال ہو گا، کوئی ایسی تدبیر کی جائے کہ وہاں آرام ملے، اور اپنے عزیزوں سے ملاقات بھی نصیب ہو جائے۔ اسی لیے وہ اکثر اسلامی کتابیں دیکھتی رہتی، لیکن اُس کی زندگی کچھ پھیکی پھیکی سی رہتی۔

وہ حسبِ عادت لوگوں کو اچھے اچھے تحفے دینا چاہتی لیکن نہ دے سکتی تھی۔ بارہ تیرہ سال اسی طرح دبتے دلاتے گزرے۔ لیکن اب تنگی آ گئی۔ وہ اکثر سوچا کرتی کہ اس مشکل کو کیسے دُور کروں؟ ایک دن وہ ایک حدیث کی کتاب پڑھ رہی تھی کہ اُس نے پڑھا، "تم حقیر نہ جانو، اگرچہ تمھاری ہمسائی تمھیں بکری کا کھر بھیجے یا تم خود بھی بکری کا کھر بھیجتے ہوئے نہ شرماؤ۔"

کریمن کی آنکھیں چمک اٹھیں، وہ بیٹھی بیٹھی اچھل پڑی اور کتاب لے کر دوڑی دوڑی ماں کے پاس پہنچی اور کہنے لگی اماں دیکھیے یہ کیا لکھا ہوا ہے؟ یہاں تو لکھا ہوا ہے کہ تم کم قیمت تحفہ دینے میں نہ شرماؤ، اور اگر کوئی تمھیں بکری کا کھر بھی بطور تحفہ بھیجے تو اس کو حقیر نہ جانو۔ اب میری مشکل حل ہو گئی ہے، مجھے تین چار سال ہو گئے تھے کہ کبھی کسی کو تحفہ نہ دیا تھا۔ اس لیے

کہ اچھے تحفے دینے کی حیثیت نہ تھی اور کم قیمت دیتے ہوئے شرم آتی تھی۔ اور آپ بھی تو خالہ کے ہاں اسی لیے کوئی چیز نہیں بھیجتیں کہ انھیں ان چیزوں کی کیا پروا ہے؟

ماں نے کہا بیٹی اُن کو واقعی کچھ پروا نہیں اس لیے میں کہتی ہوں کہ وہی چیز کسی غریب کو دوں جس کے کام آئے اور وہ خوش ہو۔ کریمن نے کہا بے شک غریبوں کا بھی ایک حق ہے۔ وہ تو آپ کبھی نہ کبھی ادا کرتی رہتی ہیں، لیکن اپنے رشتے داروں اور واقف کاروں میں محبت تازہ کرتے رہنا بھی تو ضروری ہے۔ میں نے مدّت ہوئی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پڑھا تھا کہ "تم ایک دوسرے کو ہدیہ دو اور آپس میں محبت بڑھاؤ" بس اسی پر پہلے تو عمل کرتی تھی۔ لیکن جب سے ابّا دنیا تر ہوئے ایسا نہیں کر سکتی تھی، اور سخت اُلجھن میں تھی کہ کیا کروں۔ آج اللہ نے اس کا علاج بتا دیا ہے۔

اللہ رسول کے احکام سب چھوٹے بڑوں کے لیے ہیں۔ میرے خیال میں مجھے اور آپ دونوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔
ماں نے کہا بیٹی تمھیں کیا خبر؟ گھر کے ایسے ایسے اخراجات آپڑتے ہیں کہ کسی اور کو تحفہ دینا تو در کنار اپنی ضرورتیں پوری کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ تم ابھی بچی ہو گھرداری کی مشکلات نہیں سمجھ سکتیں۔

کریمن نے ماں کی بات دل میں رکھ لی، زبان سے کچھ نہ کہا اور چُپ چاپ واپس اپنے پلنگ پر آگئی، وہاں آکر سوچنے لگی کہ اچھا اگر خدا نے توفیق دی تو اماں کو دکھاؤں گی کہ کیسے گھرداری میں بھی اللہ رسول کے ہر حکم پر عمل ہو سکتا ہے۔

کریمن کی نیکی اور لیاقت کی شہر بھر میں شہرت تھی۔ جب جوان ہوئی تو بہت سے رشتے آنے لگے۔ آخر اُس کے باپ نے ایک شریف تاجر کو پسند کر لیا، اور جلد بیٹی کی شادی کر دی۔ تاجر کے گھر میں بہت دولت تھی۔ کریمن کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کا خوب خوب موقع ملا، وہ اپنے زیور کپڑے پر کم اور غریبوں محتاجوں حق داروں پر بہت خرچ کرتی تھی۔ سسرال والے اُس سے بہت خوش تھے۔ انھیں تو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی نعمت ہاتھ آگئی ہو۔ اُس نے نوکروں چاکروں کو بھی اچھی اُجرت دینا شروع کی، اور دو نوکر اور رکھ لیے۔ پہلے صرف دو نوکر تھے، ایک اندر ایک باہر، اب اُس نے دو اور بڑھا دیے کہ اُس کا اور اُس کی ساس نندوں کا کھانا پکانے پر جو وقت صرف ہوتا ہے وہ بچ جائے۔ اُس نے محنت کر کے اپنی ساس نندوں اور گھر کی دوسری عورتوں کو مطالعے کی ایسی چاٹ لگوا دی کہ انھیں چغلی، غیبت، طعنہ زنی اور فضول گوئی کی فرصت ہی نہ ملتی تھی، اور وہ خود بھی اپنا زیادہ وقت مہمانوں کی خاطر تواضع گھر کو ٹھیک ٹھاک کرنے اور پڑھنے پڑھانے میں لگاتی۔

تھوڑے ہی سالوں میں اللہ نے اسے بچے بھی پانچ دے دیے۔ کام اگرچہ بہت بڑھ گیا تھا، لیکن کریمن مطالعے کا وقت نکال ہی لیتی۔ اُس کا خاوند نیک دل اور شریف تو حد درجہ تھا، لیکن نماز روزے کا کچھ ایسا پابند نہ تھا۔ کریمن اُسے سمجھانے کی بہت کوشش کرتی، لیکن اس کی سستی دُور نہ ہوئی۔

سدا بادشاہی خدا کے گھر کی ہے۔ کریمن کے خاوند کو تجارت میں گھاٹا آنا شروع ہوا، اور چند سالوں میں وہ بہت غریب ہو گئے۔ کریمن نے دولت مندی میں اپنے خدا کو یاد رکھا تھا، بھلا غریبی میں کیسے بھلا دیتی۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ خوش خوش اور

تنگی کا شکار ہوگیا، رہنے لگی۔ بچوں کو بھی اُس نے یہی سبق دے رکھا تھا۔ وہ بھی ہنسی خوشی دن گزارتے۔ نوکر تو سب رُخصت کر دیئے گئے تھے۔ وہ خود گھر کا سارا کام کرتی۔ اب نوکروں کی بجائے اس کے بچے اُس کی خوشی خوشی امداد کرتے۔

کریمن کی وہ تحفے دینے والی عادت اس تنگدستی میں بھی نہ گئی۔ کبھی وہ بین کی روٹی پکاتی تو اُسے ہی ذرا سا گھی لگا کر ہمسائی کو بھیج دیتی، کبھی کوئی سالن ذرا اچھا پک جاتا تو اُسی میں سے کسی عزیز کو پہنچا دیتی۔ اتفاق سے اگر سبزی اچھی آجاتی تو دو ہی پیسے دو پیسے کی خرید کر کسی سہیلی کو بطور تحفہ دے دیتی، اور کچھ نہ ہوتا تو بچے مکئی یا چنے بھنوا کر لاتے تو اسی میں سے ایک مٹھی کسی بہن کے بچے کو دے کر اُسے خوش کر لیتی۔ پُرانے کپڑوں کے رُومال بنا کر اُن پر اپنی بچیوں سے رنگدار دھاگے سے پھول بنوا کر رکھ چھوڑتی اور جب کوئی رشتے دار مہمان آتا تو اُس کو بچوں کے لیے دیتی۔ اسی طرح اپنے لڑکوں سے ردی کاغذوں کے کھلونے بنوا بنوا کر جمع کر رکھتی، اور جب ضرورت پڑتی مہمان عورتوں کے بچوں کو اُن کے ہاتھ سے دلواتی۔ اس کھیل سے اُس کے اپنے بچے بھی بہت خوش ہوتے اور دوسرے بچے اور اُن کی مائیں بھی۔

اسی طرح کسی کو کپڑا سی دیتی، کسی کا سوئٹر بُن دیتی، اور جو عزیز دوسرے شہروں میں رہتے خطوط کے ذریعے اُنھیں سلام کے ہدیے بھجواتی اور اُن کی خوشی غمی میں شریک ہوتی۔ اسی لیے سب لوگ اُس کی ویسی ہی عزّت کرتے، جیسی اُس وقت کیا کرتے تھے۔ جب اُس کے پاس بہت سی دولت تھی، وہ اُس کے ان ذرا ذرا سے تحفوں سے ویسے ہی خوش ہوتے جیسے پہلے بہت قیمتی چیزیں وصول کر کے ہوا کرتے تھے۔

کریمن کو اس غریبی اور تنگدستی میں بھی یہ آرام اور عزّت صرف اسی لیے حاصل ہوا کہ وہ اپنے اللہ کو خوش کرنے کے لیے اپنے رسولؐ کا فرمان پُورا کرتی اور چھوٹے چھوٹے تحفے دینے میں بھی نہ شرماتی۔

آیئے ہم بھی رسولؐ کی تحفہ دینے کی سُنت کو زندہ کریں۔

جناب آل حسن صاحب فرحت

بچوں کی زندگی

بچہ آزادی پسند کرتا ہے۔

بچہ کسی کی ——— ماں باپ کی بھی ——— ذاتی ملکیت نہیں ہے۔ وہ ایک آزاد شخصیت ہے۔ اس میں عقل ہے، اور سوچنے کی طاقت ہے، ترقی کرنے کا مادہ ہے۔ اپنی جسمانی و ذہنی ترقی کے لیے بچہ ہمیشہ کوشش کرتا رہتا ہے۔ موافق حالات ملنے پر بڑی تیزی سے ترقی کرتا ہے اور آپ ہی اپنی مشکل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ غلامی اور بے بسی میں بچے کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ "ایسا کرو، ویسا کرو، ایسا نہ کرو، ویسا نہ کرو" جیسی فضول باتوں سے بچہ بڑا حیران و پریشان ہوتا ہے۔ بے جا دباؤ اس کی راحت آمیز زندگی کو تلخ اور بے لطف بنا دیتا ہے۔ ایسے مصنوعی کرۂ ہوائی میں بچے کا دل مُرجھا جاتا ہے، دماغ کند ہو جاتا ہے اور دل ڈانواڈول ہو جاتا ہے۔ آپ دباؤ ڈالنے کے بدلے صحیح اور غلط کی تمیز کرنے میں اس کی مدد کریں، وہ خود اپنی فطرت سے صحیح کو قبول اور غلط کو رد کرے گا۔

بچہ خوددار ہوتا ہے۔

بچے کے اندر خودداری کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ وہ تھوڑی بے عزتی کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ جب کوئی اس کی توہین کرتا ہے، چڑاتا ہے، یا سب کے سامنے اس کی نکتہ چینی کرتا ہے۔ تب اس کے نازک دل میں آگ سی لگ جاتی ہے۔

ایک بار نہیں کئی بار یہ بات میرے تجربے میں آچکی ہے کہ جب کبھی غلطی سے یا ہنسی میں یا لاعلمی میں بھی ایسی ویسی بات میرے منھ سے نکل جاتی تھی تو بچے اسے بہت محسوس کرتے تھے۔ میرے بار بار منانے پر بھی مجھ سے نہیں بولتے تھے۔ غیر ملکوں کے بہادر بچے توہین کرنے والوں کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ بچوں کے ساتھ کلام کرنے میں بھی ان کا درجہ نہ گرائیے۔

چند سال کا ذکر ہے کہ ایک ٹیچر نے اپنے کلاس کی ایک معصوم نَنّھی سی بچی کی توہین کی۔ لڑکی نے اس توہین کو اتنا محسوس کیا کہ آخر خودکشی کر لی۔ ہمارے گھروں اور اسکولوں میں ایک بار نہیں ——— ایک ہی دن میں کئی بار بچوں کی بے عزتی کی جاتی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی غلطی کو محسوس کریں اور بچوں کو بے عزت کرنا چھوڑ دیں۔ اس طرح ہم اُن کی بڑھتی ہوئی ذہنی صلاحیتوں کو خود اپنے ہاتھوں [illegible] ہیں۔

بچہ بہادر اور نڈر ہوتا ہے۔

بچہ بہادر اور نڈر ہوتا ہے، وہ مصائب اور مشکلات سے نہیں گھبراتا، چوٹ پر چوٹ لگنے پر بھی وہ پیچھے نہیں ہٹتا۔ اسے [illegible] بہادری کے کاموں میں بڑا مزا آتا ہے لیکن [illegible]

ماں باپ بچوں کو نامرد اور ڈرپوک بنا دیتے ہیں۔ اسے گھر سے باہر بھی نکلنے نہیں دیتے۔ "کتا آیا" اور "بلا آیا" کہہ کر اُسے
ڈرا دیتے ہیں کہ وہ رسی کو بھی سانپ سمجھنے لگتا ہے، کہیں بھی اکیلا جانے سے ہچکچاتا ہے۔ ڈرتا ہے اور کانپتا ہے۔

سزا سے نامرد بنتے ہیں

میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ بچہ اپنی جسمانی اور ذہنی ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتا ہے، بے کار بیٹھنا اس کے لیے مشکل ہے
حالت میں بچوں کو سزا دینا یا خوف زدہ کرنا پرلے درجے کی بے وقوفی اور پاگل پن ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ سزا اور خوف سے
بچہ اِدھر اُدھر کی باتیں طوطے کی طرح رَٹ رَٹ کر ماں باپ اور اُستاد کے ڈنڈے سے تو اپنی جان بچا لیتا ہے۔ لیکن
سمجھ میں خاک بھی نہیں آتا، سزا کا بھوت ہر وقت اس کے سر پر سوار رہتا ہے۔ کوئی کچھ کہے لیکن انسانی نفسیات کے ماہر پکار پکار کر
کہتے ہیں کہ سزا سے نہ تو دماغ کی ترقی ہوتی ہے اور نہ یادداشت ہی بڑھتی ہے۔ سزا سے بچہ بزدل، ڈرپوک، جھوٹا، چور، نامرد اور
بنتا ہے، بڑا ہو کر ظلم و بے انصافی کا ڈٹ کر ــــــ چھاتی تان کر ــــــ مقابلہ کرنا تو درکنار ان کے خلاف آواز تک اُٹھانے
کی جرأت نہیں کر سکتا۔

ہاں! بچوں کو سزا دینے کے بجائے اگر ہم بڑے کہلانے والے اپنے آپ کو سزا دینے کی جرأت کریں تو دنیا کی بہت بھلائی ہو سکتی
کیونکہ اصل میں قصوروار تو ہم ہیں، بچے نہیں۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ جب تک اسکولوں میں اور گھروں میں بچوں کو ڈرایا، دھمکایا اور
جاتا ہے تب تک یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حیوانی زمانہ گزر چکا ہے ....

جب ٹیچر انسانیت کو چھوڑ کر حیوانیت کو اختیار کرتا ہے تب ہی وہ لڑکوں کو مارتا ہے۔ سزا کے حامیوں کا یہ رٹ لگائے رہنا
کہ بغیر بچہ کچھ کر کے نہیں دیتا، ان کی اپنی نااہلی کو ظاہر کرتا ہے ...... ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ڈنڈے مار مار کر اوپر سے لادا
بہت جلد، امتحان ختم ہوتے ہی دماغ سے کافور ہو جاتا ہے اور اپنا کوئی صالح اثر بچے کے ذہن پر نہیں چھوڑتا ہے۔

بچوں کی تعلیم میں تو سب ہی ہوشیار ہیں۔ لیکن اس کے مطابق عمل کرنے میں وہ صفر ہیں، ان حالات میں بچوں کا نیچ
بن جانا اور ڈانواڈول ہو جانا بالکل قدرتی ہے، بچہ نقال ہوتا ہے، وہ جس طرح بڑے آدمیوں کو کرتے اور کہتے دیکھتا ہے
اسی طرح کہنے اور کرنے لگتا ہے ــــــ وہ رفتہ رفتہ اُن کی تمام برائیوں کو اختیار کر لیتا ہے، اس کا جائزہ لیجیے کہ بچہ جو غلطیاں
کرتا ہے وہ کہیں آپ کی ہی نقالی تو نہیں ہے۔ بدمزاجی، گالی بکنا، بات بات پر ضد کرنا، جھوٹ بولنا، چغلی کھانا، غیبت
کرنا، ستانا، حکم عدولی کرنا، وغیرہ وغیرہ بہت سے عیوب بچوں میں ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اگر آپ غور کریں گے تو
عیوب کے پیدا کرنے کی ذمے داری خود آپ کی ہی ہوگی ــ

محترمہ رضیہ بیگم صاحبہ

ہمسائے

موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ حلیمہ اپنے تین بچوں سمیت کوٹھری میں بیٹھی چھوٹی لڑکی کو پڑھانے میں مشغول تھی کہ اُسے اپنی دوسری کوٹھری میں کچھ شور سا سنائی دیا۔ یوں جیسے سامان پر پانی گر رہا ہے۔ اُس نے اپنے لڑکے سے کہا: "بیٹا ظہیر! ذرا دیکھو تو یہ شور کیسا ہو رہا ہے۔" ظہیر نے جا کر دیکھا اور چلّاتا ہوا آیا کہ "اماں دیکھنا تو سہی ہماری کوٹھری میں کتنا پانی جمع ہو گیا۔" حلیمہ گھبرا کر بھاگی گئی۔ پانی کی آمد کا رُخ دیکھ کر وہ سارے معاملے کی تہ تک پہنچ گئی۔ کیونکہ پہلے بھی وہ اپنی ہمسائی کی مہربانی سے یہ حالت دیکھ چکی تھی۔ ہمسائی نے اپنے پرنالے کا مُنہ ان کے کوٹھے کی طرف کھول دیا تھا جس سے سارا پانی اُنھیں کے کوٹھے پر جمع ہو کر کوٹھری ٹپکنے لگی تھی۔ لیکن آج تو اتنی زبردست بارش ہو رہی تھی کہ کوٹھری میں پانی رسنے کی بجائے معلوم ہوتا تھا جیسے پرنالے کا مُنہ ہی کوٹھری کے اندر کر دیا گیا ہے۔ بیچاری حلیمہ یہ منظر دیکھ کر سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ سوچ رہی تھی کہ اگر پندرہ منٹ بارش اسی طرح ہوتی رہی تو نہ صرف دالان بلکہ دوسری کوٹھری میں بھی پانی کے پہنچ جانے کا خطرہ ہے۔

اسی پریشانی کے عالم میں اُس نے کوٹھری میں سے چھوٹا موٹا سامان اکٹھا کرنا شروع کیا ہی تھا کہ اُس کا خاوند بھیگتا ہوا نچڑتے کپڑوں کے ساتھ مکان میں داخل ہوا۔ پانی دیکھ کر گھبرا تو وہ بھی گیا۔ لیکن نہایت نرمی سے بولا: "ذرا نہیں ظہیر کی ماں، جب بارش ختم ہو جائے گی، میں اور ظہیر مل کر پانی نکال لیں گے۔" حلیمہ نے کہا "ظہیر کے ابا تعجب تو اس بات کا ہے کہ اتنا سمجھانے کے باوجود بھی ہماری ہمسائی کو اتنا خیال نہیں آتا کہ ہمسائے کو ستانا مسلمان کا کام نہیں۔" پھر نرمی سے کہنے لگا کہ "خیر! تکلیف میں گھبرانا نہیں چاہیے۔ صبر سے کام لو۔ شاید تمھارے سمجھانے میں کوئی نقص ہو۔ ورنہ اخلاق تو ایسی چیز ہے کہ دُشمن کو بھی زیر کر لیتا ہے۔"

پاس ہی سے منجھلا لڑکا نہایت بھولے پن سے کہنے لگا: "اماں آپ نے تو اس دن بتایا تھا کہ ہمسائے کے حق اتنے زیادہ ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب ہمسائے کے حقوق اُترنے شروع ہوئے تو آپ کو خیال ہوا کہ اب ہمسائے کو وراثت میں بھی شریک ٹھہرائے جانے کی باری آئے گی۔ اگر یہ بات آپ نے خالہ زبیدہ کو بھی بتائی ہوتی تو وہ شاید ایسا کرنے سے رُک جاتیں۔"

حلیمہ شوہر کے سمجھانے اور بچے کے اس موزوں جواب سے حیران ہو کر خاموش ہو گئی اور صبر سے بیٹھا کوٹھری میں پڑھتا ہوا دیکھتی رہی۔

بارش اُسی طرح ہو رہی تھی' اور وہ وقت قریب تھا کہ پانی دالان سے گزر کر دوسری کوٹھری میں بھی پہنچ جاتا' جہاں تینوں بچے
ماں باپ سر جھکائے اللہ سے بارش کے تھمنے کی دُعا کر رہے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو صبر کا امتحان لینے کے لیے بھی اپنے
بندے ہی درکار رہیں۔ پانی دم بہ دم بڑھ رہا تھا' اور بچے خوف سے گھبرائے جاتے تھے۔ لیکن مُنھ سے خاموش تھے۔ کیونکہ
باپ نے اُنھیں اللہ کی راہ میں اتنا مضبوط کر دیا تھا کہ پانی کوٹھری کے بجائے اگر اُن کے سروں پر بھی آجاتا تو ہمسائیاں
با دُعائیں ہی دیتے ۔

اللہ کے نیک بندے اس امتحان میں پُورے اُترے اور بارش تھمنی شروع ہو گئی۔ اور شکر کرتے ہوئے ظہیر باپ سے
کہا۔" ابّا جان آئیے پانی ابھی سے نکالنا شروع کر دیں تاکہ کچھ کم ہو تا جائے"۔

باپ بیٹا پانی کی بالٹیاں بھر بھر کے باہر پھینک رہے تھے' اور ہمسائے کھڑے دیکھ رہے تھے' اور ساتھ ساتھ
دم بھی' خصوصاً اس بات سے۔ جب ظہیر نے نہایت خوش نوش لہجے میں پوچھا کہ :" چاچاجی آپ کے مکان کا کیا حال
میں سے ٹپکا تو نہیں"۔

ہمسائے پر بچے کے اس سوال کا اتنا اثر ہوا کہ بغیر کچھ کہے آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ :" لاؤ بھائی میں بھی پانی
میں کچھ مدد کروں' آخر میرا بھی تو حق ہے' آدھا پانی ہمارے کوٹھے کا بھی تو تھا ہی نا"۔

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدرؔ

خدا کے سپاہی

زمیں آسماں تو بدلتا ہوا چل
زمان و مکاں تو بدلتا ہوا چل
یہ نظمِ جہاں تو بدلتا ہوا چل
یہ دورِ خزاں تو بدلتا ہوا چل
چلا چل چلا چل خدا کے سپاہی
سفیرِ الٰہی

پرچم تو عریانیت کے اُڑاتا
تو تہذیبِ حاضر کی بُنیاد ڈھاتا
تباہی کے شعلے بُجھاتا ہوا چل
تو رنگِ فرنگی مٹاتا ہوا چل
چلا چل چلا چل خدا کے سپاہی
سفیرِ الٰہی

حقیقت کے نغمے تو جا گنگناتا
حقائق صداقت کے چشمے بہاتا
فضاؤں میں ہلچل مچاتا ہوا چل
نیا اک جہاں تو بساتا ہوا چل
چلا چل چلا چل خدا کے سپاہی
سفیرِ الٰہی

تو انساں کی انساں کُشی کو مٹاتا
تو ظلم و ستم کی تباہی مچاتا
تو چنگیزیت کو دباتا ہوا چل
بیاباں گلستاں بناتا ہوا چل
چلا چل چلا چل خدا کے سپاہی
سفیرِ الٰہی

تو فرعونیوں کی رعونت مٹاتا
تو نمرودیوں کی حکومت مٹاتا
تو شدّادیوں کو کُچلتا ہوا چل
تو طاغوتیت کو کُچلتا ہوا چل
چلا چل چلا چل خدا کے سپاہی
سفیرِ الٰہی

ہوائیں مخالف ہوں یا ہو زمانہ
ہجومِ حوادث میں ہرگز نہ گھبرا
قدم والہانہ بڑھاتا ہوا چل
تو منزل کی جانب چلا چل چلا چل
چلا چل چلا چل خدا کے سپاہی
سفیرِ الٰہی
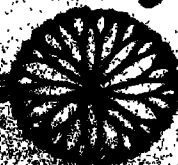
اچھے اخلاق

جناب مولانا ضیاء النبی صاحب العباسی

ایک آدمی کو جب کسی دوسرے آدمی سے محبت ہوتی ہے تو کسی ایسی خوبی کی وجہ سے جو وہ اُس میں پائی جاتی ہے، تم دیکھتے ہو کہ ایک شاگرد کو اپنے اُستاد کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو محض اس وجہ سے کہ اُستاد میں ایک خوبی پائی جاتی ہے جو شاگرد میں نہیں ہے، ایسے ہی ایک نوکر اپنے آقا کی ہر خدمت اور اُس کے ہر حکم کو اپنے لیے فرض سمجھتا ہے تو یہ بھی کسی حُسن و خوبی یا کمال کی بنا پر۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اندرونی خوبی یعنی حُسنِ سیرت وہ چیز ہے جو انسان کو انسانیت کے سب سے اونچے درجے پر پہنچا دیتی ہے جب آدمی نے اپنی ہستی کو اچھے اخلاق سے نہ سنوارا ہو وہ شریف آدمی کہلائے جانے کا حق دار نہیں ہو سکتا، نیک نامی اور ہر دل عزیزی کا واحد ذریعہ حُسنِ سیرت یعنی اندرونی خوبی ہی ہے۔ دُنیا میں جتنے بھی رسول اور نبی اصلاح کی غرض سے تشریف لائے سب کی ایک بڑی غرض یہ بھی تھی کہ انسان غیر شریفانہ باتوں سے بچے، اس کا دل دوسروں کی دُشمنی، عداوت، کینہ، حسد، تکبر، بُخل، حرص، اور کمینہ پن سے پرہیز کرے اور اس کے بجائے آپس میں میل، محبت، ہمدردی، خلوص، سچائی اور تمام انسانوں کی خیر خواہی کا مسکن اس کا دل بنا رہے۔ ہمارے بابا آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی و رسول دُنیا میں آئے ان سب نے اسی بات پر زور دیا کہ انسان اپنے اخلاق کی تکمیل کرے۔ یہاں تک ہمارے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اخلاق کے تمام درجوں کو کمال تک پہنچا دیا اسی لیے آپ نے فرمایا تھا: "بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ" (میں اخلاق کی خوبیوں کی تکمیل کے لیے آیا ہوں)

یہ آپ ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ ۲۳ سال کی مختصر مدّت میں وہ قوم جو وحشت و قزاقی، ظلم و بے انصافی میں اپنی آپ مثال تھی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انسانیت کا سبق سیکھ لینے کے بعد ہی لوگ ایسے حلیم و بردبار اور اللہ سے ڈرنے والے ہو گئے کہ جن کی مثال تلاش کرنے پر دُنیا آج تک پیش نہ کر سکی۔ مکّے کے کافر جو رات دن بُرے بُرے کاموں میں مبتلا رہتے تھے، جب وہ دیکھتے تھے کہ ہمارا ایک بھائی جو اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک زبردست قزاق اور پرلے درجے کا ظالم تھا، اسلام میں داخل ہوتے ہی وہ تمام بے حیائی اور بُری باتیں ایک دم چھوڑ دیتا ہے اور یکایک حالت بالکل بدل جاتی ہے، اس شخص میں اب ظلم کے بجائے انصاف، بے رحمی کی جگہ رحم، اور تمام انسانوں کی خیر خواہی کا پاک جذبہ اس کے دل میں گھر کیے ہوئے ہے تو وہ لوگ حیرت زدہ رہ جاتے تھے اور اسلام کی اخلاقی تعلیم کھینچ کر انھیں اپنی گود میں لے لیتی تھی۔

افسوس! آج دُنیا میں ہر جگہ مسلمانوں کی بڑی تعداد نے اچھے اخلاق اور اخلاقی خوبی کو اختیار کرنا چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے وہ ترقی نہیں کر سکتے ہیں۔ قوموں کی ترقی اور اُن کے زوال میں اخلاق کو بہت بڑا دخل ہے جو قوم ترقی کرتی ہے تو اُس کے اخلاق، اُس کے خیالات بھی بلند اور شریفانہ ہوتے ہیں، اور جو قوم ذلّت کے گڑھے میں گرنے والی ہوتی ہے تو رفتہ رفتہ اُس کے طور طریقے، خیالات، جذبات، اخلاق پست اور رذیل ہوتے جاتے ہیں۔ جس طرح کسی بیمار کے بدن میں جراثیم داخل ہو کر دھیرے دھیرے اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیتے ہیں، اسی طرح جس قوم کے اخلاق میں پستی اور ذلالت شروع ہوتی ہے تو وہ قوم بھی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر فنا ہو جاتی ہے اور دُنیا میں پھر اُس کا کوئی نام تک لینے والا نہیں باقی رہ جاتا۔ آئندہ ہم تم کو بتا سکیں گے کہ ہم اپنے میں اخلاق کیسے پیدا کریں۔

مسافرِ آخرت

جناب شرافت علی صاحب سیوہاروی

نعیم بھائی تم نے بہت سے مسافروں کے قصے سُنے ہوں گے، کئی سیاح دوسرے ملکوں سے سیر و سیاحت کرتے ہوئے ہمارے ملکِ ہند میں آئے ہیں، واسکوڈی گاما، ابنِ بطوطہ، فاہیان وغیرہ کا نام تم نے سُنا ہوگا، ان میں پہلا پرتگالی، دوسرا عرب اور تیسرا چینی تھا لیکن شاید تم کو سُن کر تعجب ہوگا اس دُنیا میں ہر شخص سیاحت کر رہا ہے!

نعیم (بات کاٹتے ہوئے) "ہر شخص کہاں سیاحت کر رہا ہے۔"

خالد: "تم تو بڑے جلد باز معلوم ہوتے ہو، درمیان ہی میں بول پڑے، دیکھو ہمیشہ یاد رکھو، کسی کی بات کے بیچ میں نہیں بولا کرتے، بلکہ اگر شُبہ بھی ہو تو انتظار کیا کرتے ہیں کہ کب وہ اپنی بات کہہ کر ختم کرتا ہے بعض مرتبہ تو آخر تک بات سُننے سے شبہ خود بخود جاتا رہتا ہے، اور باقی رہے تو اُس وقت پوچھ سکتے ہیں۔

خالد: "اچھا لو سنو، میں تمھارے شبہ کا جواب دیتا ہوں۔ پہلے تم مجھے یہ بتاؤ سیاحت کے معنی تم کیا سمجھتے ہو؟ تم شاید سیاحت کے معنی سیر و تفریح سمجھتے ہو۔ بس یہی غلطی ہے، سیاحت کے معنی تم غلط سمجھ رہے ہو، سیاحت کے اصلی معنی چلنے اور گزر جانے کے ہیں۔ تو پھر ہر شخص چل بھی تو نہیں سکتا، بعض لنگڑے ہوتے ہیں۔ بھائی! کس اُلجھن میں پڑ گئے ہمارا مطلب تو صرف یہ ہے کہ ہر انسان اپنی زندگی کا سفر طے کر رہا ہے عمر جتنی بڑھتی جاتی ہے، زندگی اتنی ہی گھٹتی جاتی ہے۔ تُو تو کہے ہے عمر بڑھی = اور یہ گھٹے ہے ہر گھڑی +

اور آخر کار ایک دن ایسا آتا ہے کہ یہ مسافر اپنے دُنیا کے سفر کو ختم کر دیتا ہے، اس دُنیا کے سفر کی آخری منزل قبر ہے۔ یہ زندگی ختم ہو جاتی اور اس کے بعد آخرت کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، اس زندگی اور اُس زندگی میں بڑا فرق ہے (۱) یہ چند روزہ ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے (۲) یہ امتحان کی جگہ ہے اور وہ انعام کی (۳) یہاں پابندیاں ہیں اور وہاں آزادی ہی آزادی ——— کہو نعیم بھائی سمجھ گئے یا نہیں۔ سمجھ گیا۔ لیکن امتحان کا کیا مطلب ہے؟ معلوم ہوتا ہے تم امتحان سے بہت گھبراتے ہو ——— جی ہاں بھائی جان مجھے اس سے بہت ڈر لگتا ہے ———

واقعی امتحان ہے بھی گھبرا دینے والی چیز، اور پھر خدا کا امتحان بڑی سخت چیز ہے، خدا ہی مدد کرے تو انسان اس میں کامیاب ہو سکتا ہے ——— لیکن خدا اپنے بندوں کو سہولتیں دیتا ہے۔ پھر بھی چونکہ اس کی قدرت لامحدود ہے آگ، ہوا، پانی، مٹی سب اُس کے حکم کے سامنے سرنگوں ہیں اس لیے اس خیال سے جسم پر لرزہ طاری ہوتا ہے ——— ایک شخص نے خدا کے خوف سے ڈر کر اپنی لاش آگ میں جلوا کر راکھ کے ذرّے ہوا میں اُڑوا دیے لیکن سوچو تو سہی کیا ایسا کرنے سے وہ خدا کی پکڑ سے بچ سکتا تھا، خدا تو ہوا کو حکم دے تو آن کی آن میں تمام بکھرے ہوئے ذرات کو جمع کر کے لا دے۔ خدا کے اقتدار کے آگے کسی کی نہیں چلتی خدا کی مخلوقات میں سب سے زیادہ عقل مند انسان ہے لیکن وہ بھی غلام ہے۔ تم جانتے ہو غلام کی نہ کوئی ملکیت ہوتی ہے نہ اختیار، غلام تو آقا کے حکم کا بندہ ہوتا ہے۔

اللہ بھائی یہ دُنیا بھر کی چیزیں انسانوں کی نہ ہوئیں — قطعاً نہیں سچ ہے ہر چیز کا مالک خدا ہے۔ ہمارے پاس جو بھی چیزیں ہیں وہ سب اللہ کی امانت ہیں بے شک کہ بارے میں تم جانتے ہی ہو کہ امین کو کچھ بھی تصرف کرنے کا حق نہیں ہوتا جب امانت والا امانت مانگتا ہے اُسی وقت حوالے کر دینی پڑتی ہے۔

درحقیقت مالکِ ہر شے خدا ست — ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست

و! قرآن پاک میں تو خدا نے یہاں تک بیان فرما دیا ہے کہ نہ صرف مال بلکہ جان بھی خدا کی ہے۔ "خرید لیا" کا لفظ بھی ہمیں خوش کرنے کے لیے بولا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے میں بندوں سے ان کی جان و مال کو خرید لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر جنت کے طالب ہو تو اپنی جان و مال میں اپنی من مانی مت کرو یہ چیزیں ہماری خریدی ہوئی ہیں اس لیے ان میں ہمارے حکم کے مطابق عمل کرو اس کے عوض ہم تم کو جنت دیں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؕ — نعیم: "تو بھائی جان لوگ بلاوجہ مال یا اولاد کے ضائع ہو جانے پر رنج کرتے اور روتے دھوتے ہیں۔"

! بالکل غلط کام کرتے ہیں — دیکھو! ایک دُکاندار ہے، اُس کی دُکان میں ہر قسم کا مال بھرا ہوا ہے، اُس نے اپنے شعور اور پسند سے ہر چیز کو قرینے سے رکھا ہے۔ کسی کو نیچے کسی کو اوپر، کسی کو اندر کسی کو باہر، اب کوئی غیر شخص بلاواسطہ آ کر کہنے لگے تم نے فلاں چیز یہاں کیوں رکھی وہاں کیوں نہ رکھی، اس کو لگاؤ اُس کو وہاں جاؤ — ہر شخص جو ذرا سی بھی عقل رکھتا ہے یہی کہے گا۔ ارے تو بے وقوف ہو رہا ہے تجھے دوسرے کی دُکان میں دخل دینے کا کیا حق، مالک کو اختیار ہے جو چاہے کرے — ٹھیک اسی طرح ہماری جان و مال کے بارے میں خدا تعالیٰ کا اختیار و تصرف ہے۔ وہ قادرِ مختار مالک ہے جس کو جہاں چاہے رکھے، کسی کو زمین کے اوپر زندوں میں رکھتا ہے اور کسی کو جب چاہتا ہے زمین کے اندر مُردوں میں پہنچا دیتا ہے —

بھائی! اس دُنیا میں ہمارا کچھ نہیں ہے۔ جو کچھ ہے سب خدا کا ہے۔ سچ تو یہ ہے ہم نے دوسرے کی چیز پر قبضہ جما رکھا ہے، بھلا غیر کی چیز پر قبضہ کب تک رہتا ہے۔ اس غلط قبضے اور ناجائز تصرف ہی کی وجہ سے ہم کو رنج ہوتا ہے۔ اگر کسی کا مال باوجود حفاظت اُٹھ جائے، جل جائے یا کسی طرح ہلاک ہو جائے تو اُسے رونے دھونے کی بجائے اپنے دل کو یہ دلاسا دینا چاہیے کہ وہ درحقیقت میرا مال تھا ہی نہیں، خدا کا تھا اُس نے لے لیا یا جس طرح تصرف کیا مجھے کیا جس حال میں بھی مجھے رکھنا چاہے میں اُس پر راضی ہوں — یا اگر کسی کی اولاد کسی دنگے فساد، آفتِ ناگہانی یا کسی مرض میں مر جائے تو اپنا دل، دماغ، رنج و غم میں کھپانے کی ضرورت نہیں ہے، جس کی تھی لے لی۔ اگر یہ بات ہمارے دل میں بیٹھ جائے تو ہمیں بڑا سکون اور اطمینان ہو، اور ہم کسی بھی حادثہ سے خواہ وہ کتنا ہی ہولناک ہو ہرگز بھی نہ گھبرائیں۔

تو کیوں بھائی خالد کوئی بھی کسی چیز کا مالک نہیں ہے؟ — ہاں! درحقیقت کوئی انسان کسی چیز اور کسی چیز کیا معنی خود اپنے ہوش و حواس، جسمانی قوتوں اور جان تک کا مالک نہیں ہے جیسا کہ میں نے بتایا — لیکن کہیں تم اس اُلجھن میں نہ پڑ جانا کہ پھر لوگ جان و مال کو تیرا میرا کیوں کہتے ہیں؟ ان اشیاء سے کام لینے کے لحاظ سے تو مالک ہیں لیکن حقیقی مالک نہیں ہیں، حقیقی مالک صرف خدا ہے۔ انسان عارضی طور پر چند روز کے لیے بظاہر مالک بنا دیئے گئے ہیں — قرآن ہم کو یہی تعلیم دیتا ہے، ہر شخص کو یہ خیال اپنے دماغ سے کبھی نہ نکلنے دینا چاہیے کہ ہم سب مع جان و مال اور اولاد کے ملکیتی اور انجام کار کے اعتبار سے پھر اُسی کی طرف واپس جانے والے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۔ اسی کی طرف لوٹنے والے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ ہم اس دُنیا کے اصلی باشندے نہیں ہیں، خدا کے یہاں سے آئے ہیں اور پھر واپس لوٹ جائیں گے — "خالد بھائی کچھ خدا کے یہاں کا حال بھی سنائیے" — وہاں کا حال وقت چاہتا ہے، اور آج میرے پاس وقت کم ہے۔ خدا نے چاہا تو آئندہ کسی مجلس میں تم کو وہاں کا

ذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا ۔ یہ صراطِ مستقیم ہی میری راہ ہے ــــ (مشکوٰۃ باب اعتصام ص۳۱)

کے مضامین کی بہت سی روایتیں ہیں ــــ نعیم بھائی کہیں سنتے سنتے اُکتا تو نہیں گئے ؟ ــــ ایک سمجھ دار آدمی
ی زبردست نصیحت ہے۔ میرا خیال ہے اب تم اچھی طرح یہ بات سمجھ گئے ہوگے کہ انسان اس دُنیا میں آزاد نہیں ہے
انون کی بندشوں میں اچھی طرح بندھا ہوا ہے، اور یہ سب جکڑبندیاں صرف امتحان کے واسطے ہیں۔ دیکھو امتحان کے
ار پر کتنی سخت نگرانی، کیسا زبردست کنٹرول، اور کتنا مضبوط پابندیوں کا گھیرا ڈالا جاتا ہے کہ بیچارہ صبر و ضبط سے کام نہ لے
ــــ لیکن اگر امتحان گاہ کی سختیوں کو جھیل کر اپنے فرضِ منصبی کو ٹھکانے سے انجام دے جاتے تو بعد اُس کے لیے عزت و احترام کے
ت و پیار کے گُل دستے ہیں۔ وہی نگرانی کرنے والوں کا گروپ جو اسے آزادی سے پیشاب کرنے کے لیے بھی اُٹھنے نہ دیتا تھا
بیام بھیجتا ہے، وہ آنکھ، جو امتحان گاہ میں سختی کی نظر ڈالتی تھی، وہ زبان جو سیدھے منھ بات نہ کرتی تھی، وہ ہاتھ جو
کارروائی کرنے کے لیے ہمہ وقت آمادہ نظر آتے تھے یہ سب یکبارگی بدل جاتے ہیں، اور نہ صرف بدل جاتے بلکہ
پیش کرتے ہیں ــــ

اسی طرح خدا نے اس دُنیا کو ہمارے لیے امتحان گاہ بنایا ہے، اور تم جانتے ہی ہو کہ امتحان گاہ پابندی کے لحاظ سے
م نہیں ہوتی ــــ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں دُنیا کو جیل خانہ کہا گیا ہے۔ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ،
ــــ ! دُنیا جیل خانہ بھی ہے، مسافر خانہ بھی اور امتحان گاہ بھی۔ یہ مسافر جب تک اس منزل میں ہے، اس مسافر خانے
ں جوں ہی یہاں سے کوچ کا نقارہ بجا، پھر یہ مسافر یہاں سے اس طرح بھاگ جائے گا جس طرح امتحان کا پرچہ ختم کر لینے
امتحان گاہ سے نکل آتا ہے یا جس طرح مسافر سرائے سے کوچ کر دیتا ہے ــــ
ب علم کو امتحان گاہ کی کسی چیز سے اُنس نہیں ہوتا، نہ مسافر کو سرائے کی چیزوں سے دل چسپی۔ دونوں شخص دونوں جگہ
و رغیر مستقل سمجھتے ہیں ــــ یہی حال انسان کا اس دُنیا میں ہے۔ لیکن جس طرح مسافر سرائے میں، اور طالب علم
ب وہاں کے رائج ضابطوں کا پابند ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح انسان اس دُنیا میں خدا کے معین کردہ قانون کا پابند
خص خدا کے مقرر کردہ قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے ــــ وہ خدا کا مجرم ہے ــــ لیکن
قانون کے مطابق زندگی بسر کرے تو وہ زندگی صحیح معنی میں زندگی ہے۔ اس کے لیے خدا کی جنتوں کے
ے کھلے ہیں، اور اس دُنیا کے بعد عالم آخرت میں اس کے لیے بے شمار انعامات ہیں ــــ
کوئی جو خدا کے قانون کی پوری پابندی کے ساتھ زندگی گزارنے کا عہد کرے ؟

بزمِ حسنات

کئی دفعہ سے بزمِ حسنات کے بارے میں آپ کے سامنے کچھ نہیں آیا۔ حسناتی بہن بھائیوں نے یاد دہانیاں اور شکوے بھی شروع کر دیے۔
ہ کہ بزمِ حسنات کی جو رپورٹیں ملیں وہ بڑی لمبی لمبی تھیں، انھیں مختصر کرنے کی ضرورت تھی، ویسے ہی چھاپ دیتے تو شاید پورا رسالہ
ربھر بھی بچ رہتیں۔ مختصر کرنے کے لیے وقت ملا نہیں اور رپورٹوں کی اشاعت ٹلتی ہی رہی۔ اب کچھ رپورٹوں کا خلاصہ پڑھیے۔

عد صاحب۔ دربھنگہ

اس درمیان میں آپ کی دو رپورٹیں ملیں۔ ایک رپورٹ کے ساتھ تو آپ کی بزم کے ہر بھائی اور بہن کی جداگانہ رپورٹ شامل تھی۔ اس کو پڑھ کر
ن اور بھائی کے بارے میں جاننے کا موقعہ تو زیادہ ملا لیکن اچھا یہ ہے کہ آپ ان سب رپورٹوں کو اپنے پاس رکھیں اور ہمیں اپنی کارروائی کا مختصر
ں۔ ایسا حال جس کو شائع کرنے سے دوسرے حسناتی بہنوں اور بھائیوں کو کچھ کام کرنے کا شوق پیدا ہو۔ آپ کی رپورٹوں کا یکجائی خلاصہ یہ ہے:
آپ کے یہاں ہفتہ وار اجتماعات پابندی سے ہو رہے ہیں۔ بزمِ حسنات سے متعلق لڑکوں اور لڑکیوں کے اجتماعات علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ ان میں کچھ
لے اور لڑکیاں بھی شرکت کرتے ہیں۔ سب سے پہلے قرآن پڑھا اور سمجھایا جاتا ہے۔ عام طور پر الحسنات کی شائع شدہ تفسیر سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد
مضامین سُنائے جاتے ہیں۔ آپ کے یہاں لڑکوں کا کام بہت اطمینان بخش ہے۔ آپ نے ایک بزم خواتین کے لیے بھی قایم کی ہے۔ اس کی روداد
ں گے۔ آئندہ انشاءاللہ آپ خود محمد اسعد صاحب کی بھیجی ہوئی رپورٹ پڑھیں گے۔ جو اُمید ہے کہ مختصر اور جامع ہوگی۔

ں الدین صاحب۔ مسجد چاپل بازار۔ حیدرآباد دکن

آپ نے ابھی چند ماہ سے ہی کام کرنا شروع کیا ہے۔ آپ نے ایک دارالمطالعہ قایم کیا ہے، جہاں لڑکوں کو آسان لٹریچر پڑھ کر سنانے اور پڑھواتے
ر اجتماع بھی ہوتا ہے، ابتدا میں کوئی ۳۰ لڑکے شریک اجتماع ہوتے تھے اور اب اُن کی تعداد گھٹ کر ۲۰ رہ گئی ہے لیکن آپ لکھتے ہیں کہ لڑکوں کے کم ہونے سے
م کا شوق کم نہیں ہوا بلکہ توجہ اور انہماک کچھ بڑھ ہی گیا ہے ——— سچ تو یہی ہے کہ اللہ کا پیام پہنچانے کا کام صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے ہی
ب ہی اس میں خیر و برکت ہوگی۔ اگر بھیڑ جمع کرنے یا دوسروں سے داد چاہنے کی خاطر کوئی کام کیا جائے گا تو پھر لوگوں کی توجہ کم ہو جانے پر یا ناخوشگوار
پر کام کرنے کا جذبہ ختم ہو جائے گا لیکن جو شخص اللہ کی خوشنودی کے لیے کام کرے گا وہ صرف یہ اندازہ لگاتا رہے گا کہ کہیں کوئی کوتاہی تو
ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے میں کوئی فرق آجائے، وہ اپنی نیت کو خالص رکھے گا اور پورا دل لگا کر کام کیے چلا جائے گا چاہے
رت میں اسے کوئی نتیجہ نکلتا دکھائی دے یا نہ دے۔ یہی کام ایسا ہے جس میں مایوسی باہر سے نہیں آتی ہے۔ بلکہ خود اپنی ہی کوتاہی سے پیدا ہو جاتی ہے۔
بزمِ حسنات کا نظم بھی باقاعدہ کر لیا ہے آپ کے یہاں ایک امیر کی نگرانی میں کام ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک صاحب جو جماعت اسلامی کے رکن ہیں
وں کے کام کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں اور مفید مشورے دیتے رہتے ہیں ——— آئندہ انشاءاللہ خود آپ کی رپورٹ جو جامع اور مختصر
خدمت میں پیش ہوا کرے گی۔

صاحب۔ گلبرگہ کے آپ کے یہاں ایک بزم لڑکوں کی اور دوسری لڑکیوں اور عورتوں کی قایم ہے۔ لڑکوں کی بزم کے امیر

محمد عبدالرؤف صاحب ہیں، جو ساتویں درجے میں پڑھتے ہیں اور ۱۴ سال عمر ہے، ان کے علاوہ ۹ طالب علم اور ہیں جو بزم میں شریک ہیں۔ کام ہو رہا ہے۔ آپ نے بزم حسنات کا ایک دستوری خاکہ بھی روانہ کیا ہے جو زیر غور ہے اور انتظار ہے کہ چند اور خاکے آجانے پر ایک آخری شائع کر دیا جائے گا۔

محترمہ سعیدہ بیگم صاحبہ۔ بھٹکل

آپ کی رپورٹ خود آپ کے الفاظ میں پڑھیے:

قابلِ احترام حسناتی بہنو! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

چار مہینے اُدھر کی بات ہے کہ میں نے شہر ایروڈ (علاقہ مدراس) سے اپنی تبلیغی کوششوں کی اطلاع انھیں صفحات کے ذریعے دی تھی۔ اس کے مسلسل سفر کی وجہ بلکہ سچ پوچھو تو اپنی دوسری مصروفیات کے سبب تبلیغی کاموں میں حصہ نہ لے سکی۔ اسی سفر میں میں بھٹکل (جو میرا پیدائشی مقام ہے) آئی اور اب تقریباً دو مہینے سے یہاں مقیم ہوں۔ بھٹکل اور بابا پور یہ دو چھوٹے چھوٹے دیہات ہیں، جہاں مسلمانوں کی آبادی کم و بیش ایک ہزار ہے۔ بابا پور کے مسلمانوں میں دینی بیداری پہلے سے موجود ہے۔ اس وجہ یہ ہے کہ مولانا سید عباس صاحب مرحوم (جو مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے ساتھیوں میں سے تھے) اکثر یہاں آیا جایا کرتے تھے۔ یہاں کی خواتین بھی اکثر نماز روزے کی پابند اور شرک و بدعات سے پرہیز کرتی ہیں۔ دکن میں جماعتِ اسلامی کی "آواز" پر لبیک کہنے والے یہی سب سے پہلے لوگ ہیں۔ چنانچہ اب بھی یہاں جماعت موجود ہے۔ اسی کے ساتھ حال میں خواتین کے اجتماعات بھی شروع ہو گئے ہیں۔ یہاں کی خواتین کو ان اجتماعات سے کافی دلچسپی ہے۔ ہر اجتماع میں (۲۰-۲۵) کے قریب عورتیں جمع ہوتی ہیں۔ جماعتِ اسلامی کے بعض ارکان باہر سے آکر تقریر کرتے ہیں اس کے بعد خود خواتین میں سے بعض لکھی پڑھی خواتین اسلامی تعلیمات کو لکھ کر لاتی ہیں اور سُناتی ہیں جن میں قابلِ ذکر یہاں کی معلمات ہیں۔ مجھے بھی تین دفعہ اس قسم کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے یہ موقع عطا فرمایا ہے۔ جب تک یہاں رہوں گی، انشاء اللہ تعالیٰ تبلیغی کام کا موقع زیادہ مل سکے گا۔ سچ پوچھو تو ہم عورتوں میں مردوں سے بدرجہا زیادہ جہالت بڑھی ہوئی ہے۔ ہم عورتوں کی جہالت کا وبال پوری قوم پر پڑ رہا ہے کیونکہ ہم اپنی اولاد کی ایسی تربیت نہیں کر رہی ہیں جس سے وہ آگے چل کر اسلام کے حقیقی علمبردار بن سکیں۔ اللہ نے چاہا تو عنقریب بھٹکل کی خواتین کے اجتماعات بھی شروع ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال ہو تو یہاں کے تبلیغی کاموں سے آپ بہنوں کو واقف کراتی رہوں گی۔

إنَّ الحسنٰتِ يُذهِبنَ السَّيِّئاتِ
بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔
الحسنات
رامپور

جلد ۵ — نمبر ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

رسالہ

الحسنات

رام پور

جو مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

۱۹۵۶ء

مدیر: ابو سلیم محمد عبدالحی

چندہ
سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے — پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے — تین روپے
فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

[illegible] طابع و ناشر نے [illegible] پریس رامپور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رامپور [illegible] سے شائع کیا

احساسات

الحسنات کے آخرت نمبر کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ ہمارے اندازے سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ ہمیں احساس ہے کہ آخرت جیسے اہم موضوع پر جو کچھ کہنا چاہیے تھا اس کے لیے جتنی تیاری ضروری تھی وہ ہم نہیں کر سکے تھے۔ نمبر کی کاپیاں اگرچہ معمولی اشاعت سے کافی زیادہ طبع کرائی تھیں لیکن شائع ہونے کے چند دن بعد ہی ہم اپنے ایجنٹوں کی مانگ کو پورا نہ کر سکے جس کا افسوس رہا۔ اُمید ہے کہ جن صاحبان کی طلب کو ہم پورا نہیں کر سکے وہ ہمیں معذور فرمائیں گے۔

"آخرت نمبر" پر جن اخبارات و رسائل نے تبصرے فرمائے ہیں ہم اُن کے بھی شکر گزار ہیں۔ اُن کی حوصلہ افزائی ہمیں اور زیادہ قوت کے ساتھ کام کرنے پر اُبھارے گی اور اگر اللہ تعالیٰ کی تائید ہمارے شاملِ حال رہی تو انشاء اللہ آئندہ اچھے خاص نمبر آپ کی خدمت میں پیش کر سکیں گے۔

الحسنات کے خاص نمبروں میں اس وقت تک دو خاص نمبر شائع ہو چکے ہیں "توحید نمبر" اور "آخرت نمبر"۔ اب تیسرے نمبر یعنی آپ کو **رسالت نمبر** کا انتظار کچھ دنوں بعد آپ سے آپ شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ نہایت مسرت سے ہم اپنے اس ارادے کا اعلان کرتے ہیں کہ انشاء اللہ اب کی بار الحسنات کا خاص نمبر "رسالت نمبر" ہوگا۔

رسالت پر ہمیں جو کچھ لکھنا چاہیے وہ اتنا زیادہ ہوگا کہ ہمیں ڈر ہے کہ ہم سب کچھ ایک ہی نمبر میں شائع نہ کر سکیں گے۔ یہ طے کیا گیا ہے کہ اس موضوع پر دو نمبر نکالے جائیں "پہلا رسالت نمبر" ہو۔ اور اس کے بعد دوسرا "سیرت نمبر" اس میں صرف رسالت کے بارے میں معلومات جمع کی جائیں اور اس کے بعد "سیرت نمبر" صرف اللہ کے پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لیے خاص کر دیا جائے۔ آپ کی سیرت مبارک پر جو کچھ اب تک لکھا جا چکا ہے وہ چاہے کتنا زیادہ ہو لیکن پھر بھی بہت کم ہے۔ ہماری بھی آرزو ہے کہ "الحسنات" کے صفحات میں ہم بھی اس موضوع پر جو کچھ پیش کر سکیں وہ پیش کریں۔ لیکن اس نمبر سے پہلے "رسالت نمبر" نکالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ارادوں میں برکت عطا فرمائے اور ہمیں اس طرح پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ ہمارے لیے باعثِ خیر ہوں۔

"رسالت نمبر" کے بارے میں ہماری آرزو ہے کہ ہم اسے آخرت نمبر سے زیادہ بہتر اور ضخیم بنا کر شائع کر سکیں [illegible] کے لیے ہم ابھی سے تیاری کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری کوشش یہ ہو گی کہ اس نمبر میں ملک کے بہتر سے بہتر لکھنے والوں کے مضامین [illegible]

ہوسکیں اور یہ مجموعہ اپنی ہر نوعیت کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ کامیاب رہے ۔۔۔۔

"رسالت نمبر" کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لیے یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ مضمون نگار صاحبان کی سہولت کے لیے پہلے سے وہ عنوان مقرر کر دیے جائیں جن پر ہمارے نزدیک اس نمبر میں روشنی ڈالنی ضروری ہے ۔

اس نمبر کے لیے عنوانات حسب ذیل ہوں گے :

(۱) رسالت کی حقیقت ۔۔۔۔ رسالت کسے کہتے ہیں ؟ رسول کا صحیح مقام کیا ہوتا ہے ۔

(۲) رسالت کا مقصد ۔۔۔۔ رسول کیوں آتے ہیں ؟ انسانیت کی فلاح کے لیے رسالت کیوں ضروری ہے ؟

(۳) رسالت پر ایمان کیوں ضروری ہے ؟ ۔۔۔۔ کیا بغیر اس ایمان کے صرف توحید اور آخرت کی بنیادوں پر کسی کامیاب زندگی کی تعمیر ہو سکتی ہے ؟ اور کیا رسالت پر ایمان کے بغیر آخرت کی کامیابی ممکن ہے ؟

(۴) رسالت ہمیشہ انسانیت کے لیے رحمت رہی ہے ۔

(۵) رسولوں کی دعوت کیا ہوتی ہے ؟ اس سے انسانیت کے دکھ کس طرح دور ہوتے ہیں ؟

(۶) رسولوں کی دعوت کی مخالفت کون کرتے ہیں ؟ ان کا انجام کیا ہوتا ہے ؟

(۷) کیا سب رسولوں کا ماننا ضروری ہے ؟ اور کیوں ؟ کس انداز سے ؟ ۔۔۔۔ رسولوں کی تفضیل کی صحیح اور غلط حدود کیا ہیں ؟

(۸) رسولوں کے بعد ان کے ماننے والوں کی ذمے داریاں کیا ہوتی ہیں ؟ اور ان کو پورا کرنے کے لیے کونسا طریقہ اور کیا طرز عمل ضروری ہے ؟

(۹) رسولوں کی امتوں میں بگاڑ کس انداز سے پیدا ہوتا ہے ؟

(۱۰) رسالت اب ختم ہو چکی ہے ۔۔۔۔ کیوں ؟ اب اور نبی کی ضرورت نہیں ہے ۔۔۔ کس لیے ؟

(۱۱) کوئی اور عنوان جو رسالت کے موضوع سے متعلق ہو ؟

مضمون نگار حضرات سے درخواست ہے کہ وہ الحسنات کے لیے جو مضمون بھی تحریر فرمائیں اس کی زبان اور طرز بیان حتی الامکان بہت ہی آسان ہو۔ خیالات کے اعتبار سے مضامین میں بلندی اختیار کی جا سکتی ہے۔ لیکن طرز بیان آسان ہونا چاہیے۔ الحسنات کے خاص نمبران چونکہ اپنے موضوع کے لحاظ سے اہم ہیں، اس لیے ہم اس کی پابندی تو نہ کریں گے کہ خاص نمبران بھی صرف کم عمروں اور کم لکھی پڑھی خواتین کے ہی ذوق کو پورا کریں، البتہ یہ کوشش ضرور کریں گے کہ وہ آسان تحریر کا نمونہ ہوں اور ان لوگوں کے لیے زیادہ ۔۔۔ [illegible] ہوں جو اونچے معیار کی [illegible] [illegible] ان کی [illegible] نوشت و خواند کی [illegible] کی وجہ سے پورا [illegible] [illegible]

ایسے علاقوں میں رہتے ہیں جہاں اردو، عام لوگوں کی زبان نہیں ہے۔

دوسری خوشی کی بات یہ ہے کہ اب ان شاء اللہ تعالیٰ بچوں کے لیے ہندی رسالہ بھی جلد ہی شائع ہونے لگے گا۔ اس رسالے کی زبان ہندوستانی ہوگی، اور رسم الخط دیوناگری۔ یہ اُن حسناتی بچوں کے لیے اور اُن کے دوستوں کے لیے بہت ہی دلچسپ ہوگا، جو اب ہندی زبان سیکھ رہے ہیں یا جن کو اسکولوں میں ہندی پڑھنا پڑ رہا ہے۔ اس رسالے کا نام کمل ہوگا۔ زبان بہت ہی آسان ہوگی، اور باتیں سب اسلامی اور اخلاقی ہوں گی۔ اس رسالے کے نکالنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اب ہندوستان میں رہنے والے بچوں کو اگر اُردو پڑھنے کا موقع کم ہوگیا ہے اور اس طرح ہوسکتا ہے کہ انھیں اللہ کے دین کی ضروری باتیں معلوم کرنے میں دشواری ہو تو ان کے لیے آسانی کی ایک صورت پیدا کی جائے۔ ہم کوشش کریں گے کہ رسالے کو زیادہ سے زیادہ کارآمد اور خوبصورت بنا سکیں ——— آپ اس کی اشاعت کی تاریخ کے اعلان کا انتظار کیجیے۔

اس سلسلے میں ایک بہت ہی ضروری بات جو آپ کی خاص توجہ کی محتاج ہے، اُور بھی ہے، یہ تو اندازہ آپ لگا ہی سکتے ہیں کہ ابھی اس ہندی رسالے کے پڑھنے والے بچے تعداد میں بہت کم ہوں گے اور خصوصیت سے اس حلقے میں جس میں الحسنات پڑھا جاتا ہے ان کی تعداد اور بھی کم ہوگی۔ اس لیے یہ ڈر ہے کہ ہمیں اس کے اتنے خریدار نہ مل سکیں کہ ہم اس رسالے کو چلاتے جائیں۔ اس لیے ہمیں آپ کے تعاون کی خاص ضرورت ہے۔ آپ خاص طور پر اس کے پڑھنے والے اور خریدار پیدا کیجیے۔ اور ہمیں ابھی سے اُن لوگوں کے پتے بھیجیے جو اس کو خریدنا چاہتے ہیں۔ اس کام کے لیے آپ کو اپنی بستی کے اُن لڑکوں سے بھی بات چیت کرنا پڑے گی جو اسکول جاتے ہیں اور وہاں ہندی پڑھ رہے ہیں۔ یہ رسالہ اس قابل بھی ہوگا کہ آپ اپنے غیر مسلم دوستوں کو پڑھنے کے لیے دیں تاکہ انھیں یہ معلوم ہوتا رہے کہ دراصل اسلام [illegible] کتنی بڑی نعمت ہے۔ اس رسالے میں سب باتیں ایسی ہی ہوں گی جو ہر شخص کے لیے مفید ہوں۔ [illegible] آپ دیکھیں گے کہ آپ کے ہندو بھائی اور سکھ دوست اسے پسند کریں گے۔ اس کے خریدار خود بھی بنیے اور دوسروں کو بھی اس کی خریداری کے لیے آمادہ کیجیے۔ اور ہمیں جلد لکھیے کہ آپ کتنے خریدار بنا سکتے ہیں۔

الحسنات کے پاکستانی خریداران اور ایجنٹ صاحبان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّیۡنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ بِرَحۡمَۃٍ مِّنَّا وَ مِنۡ خِزۡیِ یَوۡمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ الۡقَوِیُّ الۡعَزِیۡزُ ۝ وَ اَخَذَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الصَّیۡحَۃُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دِیَارِہِمۡ جٰثِمِیۡنَ ۝ کَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا فِیۡہَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوۡدَا۠ کَفَرُوۡا رَبَّہُمۡ ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّثَمُوۡدَ ۝

(سورۂ ہود۔ رکوع ۔۶)

آخرکار جب ہمارے فیصلے کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح کو اور اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے تھے بچالیا اور اس دن کی رُسوائی سے ان کو محفوظ رکھا، بے شک تیرا رب ہی در اصل طاقتور اور بالا دست ہے۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا تھا تو ایک سخت دھماکے نے ان کو دھر لیا اور اپنی بستیوں میں اس طرح بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے کہ گویا وہ وہاں کبھی بسے ہی نہ تھے۔
سنو! ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا ـــــ سنو! دُور پھینک دیے گئے ثمود!

(تفہیم القرآن)

قابلِ غور پہلو

[illegible]

دشمنی کو بھی مار ڈالا جو معجزے کی صورت میں ظاہر ہوئی تھی، اور اس طرح اس بات کا ثبوت دے دیا کہ اب ان کی اصلاح کسی طرح ممکن ہی نہ تھی ۔

ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ اس قوم کو ہلاک کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مجرموں کو صرف اس صورت میں زمین پر باقی رکھتا ہے جب تک یا تو ان کی اصلاح کی کوئی اُمید باقی ہو یا پھر ان تک اللہ کا پیام پوری وضاحت کے ساتھ ابھی نہ پہنچا ہو۔ اللہ کے نبی کی موجودگی میں یہ پیام پُوری وضاحت کے ساتھ پہنچ جاتا ہے۔ نبی اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی عقل اور صلاحیت کی وجہ سے خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس قوم تک اللہ کا پیام کس طرح پہنچانا چاہیے۔ نبی کی موجودگی میں لوگوں پر پُوری طرح حجت تمام ہو جاتی ہے اور ان کو یہ عذر پیش کرنے کا موقع باقی نہیں رہتا کہ وہ اللہ کے دین کو جانتے نہیں تھے ۔

(۲) قومِ ثمود کے ساتھ یہی معاملہ ہوا۔ ان پر نبی کی حجت تمام ہوگئی۔ لیکن وہ ایمان نہیں لائے۔ اسی لیے ان کو ہلاکت کا سامنا کرنا پڑا، اللہ کا عذاب آیا اور وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے ۔

(۳) اس عذاب سے بچنے کی صرف ایک صورت ہوتی ہے، اور وہ یہ کہ نبی کی دعوت کو قبول کر لیا جائے ۔
چنانچہ قومِ ثمود پر جو عذاب آیا اُس سے بھی حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ وہی لوگ بچ سکے جو اللہ پر اور اُس کے نبی پر ایمان لے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت بہت زیادہ ہے، وہ جس کو بچانا چاہے اُس کو کوئی ہلاک نہیں کر سکتا۔ اور جس کی ہلاکت کا وہی فیصلہ کر دے اُسے کوئی طاقت بچا نہیں سکتی ۔

(۴) اللہ کے عذاب کے سیکڑوں طریقے ہیں، وہ جس وقت چاہتا ہے تو آرام اور آسائش کے اسباب بھی ہلاکت کا پیام ثابت ہوتے ہیں۔ قومِ ثمود کو ایک سخت دھماکے نے آن پکڑا اور آن کی آن میں ان کی ساری بستی اس طرح برباد ہو گئی کہ کوئی دیکھتا تو یہ سمجھتا کہ شاید یہاں کبھی کوئی بستا ہی نہ تھا ۔

(۵) اللہ کا پیام پہنچ جانے کے بعد انکار کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ قومِ ثمود کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان کا سچا آقا کون ہے، وہ ان سے کیا چاہتا ہے، انھیں زمین پر کس طرح رہنا بسنا چاہیے، کون سے کام اچھے ہیں اور کون سے بُرے ــــــ لیکن انھوں نے یہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی اپنی من مانی ہی کی۔ اپنے باپ دادا کے طریقوں پر چلتے رہے اور انکار ہی کرتے رہے ــــــ ان کا نتیجہ ظاہر ہے دُنیا سے ان کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ [illegible] ہمیشہ کے لئے اللہ کی رحمت سے دور ہو گئے۔

(۶) [illegible] قرآن مجید میں اس طرح کے بہت سے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ [illegible] اللہ تعالیٰ کی مکمل ہدایت ہے۔ اب یہ ہدایت جن لوگوں کے پاس ہے اور جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں اور اس کی تمام ہدایت کو سچا جانتے ہیں، وہ سوچیں کہ ان کی ذمے داری کس قدر سخت ہے

وہ اگر اللہ کے دین کا ٹھیک ٹھیک نمونہ دُنیا والوں کے سامنے پیش نہیں کریں گے تو کل قیامت کے دن دُنیا کے سامنے مجرم تو شاید یہ عذر پیش کر دیں کہ انھیں معلوم ہی نہیں تھا کہ اللہ کی ہدایت کیا ہے، اور کہاں ہے۔ لیکن قرآن کے ماننے والے کیا عذر پیش کر سکیں گے۔ اگر قرآن پر ایمان رکھنے کے بعد زندگی اس طرح بسر نہ ہوئی جس طرح قرآن بتاتا ہے، تو پھر سوچیے کہ جواب دہی اور ذمّے داری کس قدر سخت ہوگی —— اللہ کی کتاب دُنیا میں موجود ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کسی کو رسول یا نبی بنا کر نہیں بھیجے گا۔ اب بتایئے دُنیا والوں کو راستہ دکھانے کی ذمّے داری کس پر ہوتی ہے؟ یقیناً آپ یہی تسلیم کریں گے کہ یہ ذمّے داری آپ ہی کی ہے۔

جناب حمید قیصر صاحب

دُعا

اے رحمتِ مجسم   پروردگارِ عالم
میری دعا بھی سُن لے   اک التجا بھی سُن لے
تیرے کرم کا سایہ   مجھ پر رہے ہمیشہ
نیکی سدا کروں میں   نیکی میں بس رہوں میں
عقل و خرد عطا ہو   ہر باب مجھ پہ وا ہو
میں علم کے فلک پر   چمکوں ستارہ بن کر
وہ شوق دے خدایا   وہ ذوق دے خدایا
کچھ کام کر سکوں میں   خوش تجھ کو کر سکوں میں
میرے کریم سُن لے
ربِّ رحیم سُن لے

[illegible] شائع ہوئی تھی اُس کا جواب [illegible]
اور [illegible] والوں کے نام آپ انشاءاللہ
آئندہ رسالے میں پڑھیں گے —— مدیر

جناب محمد مشتاق احمد صاحب معصوم

چند پند

اچھے اچھے پیارے بچّو   ماں کے راج دُلارے بچّو
ننھے منّے بھولے بھالے   آنکھ کے تارے ناز کے پالے
بات تمھاری کیسی اچھی   کتنی میٹھی کیسی سچّی

روز صبح سویرے اُٹھو   سب سے پہلے آنکھیں کھولو
کرکے وضو مسجد کو جاؤ   پڑھ کے نماز آ جاؤ گھر کو
امّاں کو ابّا کو پھر تم   ہنس کر بولو "سلام علیکم"
جلدی سے قرآن کو لاکر   کرو تلاوت دھیان لگا کر

سچ بولو نیکی پھیلاؤ   کبھی کسی کا دل نہ دُکھاؤ
یاد خدا کی رکھو دل میں   سب کی محبت رکھو دل میں
باتیں جب معصوم کی سُن لو
کرو عمل جو کچھ تم سے ہو

محترمہ بنت چودھری رفیع الدین صاحب

بزمِ جنات کے لیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ و صحابہ اجمعین۔ اما بعد
بزرگ بھائیو اور بہنو! اللہ رب العزّت نے ہم آپ سب کو پیدا کیا ہے ہماری زندگی اور پرورش کا سامان کیا، کھانے کے
لیے غلہ، پھل اور ترکاری، گوشت اور مچھلی، دُودھ اور دہی اور قسم قسم کی پاکیزہ چیزیں اُتاریں، پینے کے لیے پانی، پہننے کے لیے لباس،
سانس لینے کے لیے ہوا، رہنے سہنے اور چلنے پھرنے کے لیے زمین اور ضروریاتِ زندگی کے لیے طرح طرح کے سامان۔ سواری
کے لیے مختلف قسم کے جانور پیدا کیے، پرورش اور نگہداشت کے لیے ماں باپ، تقویت اور سہارے کے لیے آل اولاد،
رفاقتِ حیات کے لیے میاں بی بی، وابستگی اور تعلق کے لیے دوست احباب عنایت فرمائے۔ مل کر رہنے سہنے اور کام
کرنے کے لیے ہم جنس ساتھی اکٹھے کر دیے۔ اور خاندان بھائی برادری اور نسل و قوم سے شہریت کی زندگی عطا فرمائی۔ سورج
اور چاند سے گرمی اور روشنی اور مختلف موسم نمودار کیے۔ ہوائیں چلائیں اور ہواؤں کے ذریعے بادل چلائے۔ جو سمندر سے
پانی اُڑا اُڑا کر خشک زمین کو سیراب، سرسبز اور شاداب کرتے ہیں۔ طرح طرح کے پھل پھول، غلہ اور ترکاریاں پیدا کرنے
کا سامان کرتے ہیں۔ پھر دیکھیے ہم کو کیسا سڈول جسم عطا فرمایا۔ دیکھنے کے لیے آنکھیں، سُننے کے لیے کان، کھانے کے لیے منہ، سُونگھنے
اور سانس لینے کے لیے ناک، بولنے کے لیے زبان، کام کاج کے لیے ہاتھ اور بازو، چلنے پھرنے کے لیے پیر اور ٹانگیں، سوچنے
اور سمجھنے کے لیے دل اور دماغ، مسائلِ زندگی حل کرنے کے لیے عقل اور فہم۔ معاملات کی گتھیاں سُلجھانے کے لیے سمجھ اور بوجھ
غرض بے انتہا نعمتیں ہیں جن سے ہم آپ سب کو اللہ العالمین نے نوازا ہے۔ ان کو گن سکنا کس کے بس میں ہے۔ اور میں اس
وقت اس کی نعمتیں گنانے کھڑی بھی نہیں ہوئی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں اور وہ ایسی ہیں کہ اُن میں سے کسی ایک کے
بغیر ہم گزارہ نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، ایسی نعمتیں کہ اُن کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے، مگر ان ساری
نعمتوں سے بڑھ کر اور بہتر ایک اور نعمت ہے۔ وہ نعمت کیا ہے؟ وہ نعمت "دین" ہے۔ یہ دین ایسی نعمت ہے کہ
[illegible] کے بغیر زندگی اور ساری نعمتیں ہمارے لیے مفید ہونے کے بجائے مضر ہو جاتی اور [illegible] کی جگہ نقصان پہنچاتی ہیں۔ دین کے
[illegible] اپنی حیثیت اور [illegible]
یہی وہ دین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور نبیوں کے [illegible] اور راستہ بتایا ہے اُم

حقیقت یہ ہے کہ اس دُنیا کی ساری نعمتوں سے پُورا پُورا فائدہ اُس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب انسان یہاں کی ساری نعمتوں کا ٹھیک ٹھیک استعمال۔ ڈھنگ اور سلیقہ جانتا ہو۔ مثال کے طور پر یہ طرح طرح کی غذائیں اور کھانے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں مگر اسی وقت جبکہ کھانے والا جانتا ہو کہ کیا کھانا چاہیے اور کتنا کھانا چاہیے اور کھانے کی کون کون بے ترتیبیوں سے بچنا چاہیے۔ اگر وہ ناقص اور نقصان دہ چیزیں کھالے یا ضرورت سے زیادہ کھالے، یا کھانے کے دوسرے ضروری آداب کا لحاظ نہ کرے، تو وہی غذا باوجود اللہ کی نعمت ہونے کے اُس کے لیے مصیبت ہو جائے۔ تلوار بلاشبہ اللہ کی ایک نعمت ہے اگر اس سے حفاظت کا کام لیا جائے، مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچایا جائے، لیکن اگر کوئی شخص تلوار سے ڈاکہ مارے، لوگوں پر ظلم اور زبردستی کرے تو وہی تلوار دُنیا کے لیے نعمت کے بجائے مصیبت ہو جائے۔ آج اس سائنس کی ترقی میں آگ، پانی، ہوا اور بجلی سے کیسے کیسے کام لیے جا رہے ہیں۔ ریل، موٹر، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، ٹینک، ریڈیو، ایٹمی طاقت سب آپ کے سامنے ہیں۔ ان سب سے بڑے بڑے مفید کام لیے جا سکتے ہیں بشرطیکہ ظلم اور زبردستی کا کام ہم اُن سے نہ لیں۔ لیکن اگر ہم اللہ کی بخشی ہوئی ان ساری ایجادات کو اُس کے بندوں کے غلام بنانے، اُن پر اپنا اقتدار قائم کرنے اور اُن سے ناجائز فائدے حاصل کرنے کے کام میں استعمال کریں تو یہی ساری نعمتیں دُنیا کی تباہی کا سبب بن جائیں۔

بلکہ یہی کچھ آج دُنیا میں ہو رہا ہے۔ سائنس اور علوم انتہائی ترقی پر ہیں۔ اللہ کی بخشی ہوئی قوتوں سے ہم بڑے بڑے کام لے رہے ہیں۔ برسوں کا سفر دنوں میں طے کر لیتے ہیں، دُور سے دور کی چیزیں اور باریک باریک ریشہ جات کا مشاہدہ کر لیتے ہیں، دُنیا کے ایک گوشے کی بات دوسرے گوشے میں سُن لیتے ہیں۔ پہاڑوں کو کاٹ ڈالتے ہیں، زمین کو پھاڑ دیتے ہیں، دریاؤں کے رُخ بدل دیتے ہیں، سمندر کی گہرائیوں تک جا پہنچتے ہیں، آسمان کی بلندیوں پر چکر لگاتے ہیں، بجلی کی طاقت پر قابو حاصل کر لیا ہے، بڑے بڑے کارخانے چلا رہے ہیں جن سے برسوں کا کام منٹوں میں اور سیکڑوں کا کام اکائیوں سے لے لیتے ہیں، ایک سیکنڈ میں لاکھوں بلب روشن کر دیتے ہیں، ہزاروں پنکھے چلا دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مگر افسوس کہ یہ ساری طاقتیں انسانیت کی فلاح اور بہبود کے بجائے اُس کی تباہی اور بربادی کے لیے استعمال کی جا رہی ہیں، ایک انسان دوسرے انسان کا خون چوسنے پر آمادہ ہے، ایک گروہ دوسرے گروہ کی بربادی کے درپے ہے، ایک طبقہ دوسرے طبقے کو نگل لینا چاہتا ہے، ایک قوم دوسری قوم کو ہڑپ کرنا چاہتی ہے۔ ایک حکومت دوسری حکومت کو نیچا دکھانے کو تیار ہے، کہیں امن نہیں، سلامتی نہیں، ہر جگہ لوٹ ہے کھسوٹ ہے۔ رشوت کا بازار گرم ہے چور بازاری کا سکہ چل رہا ہے، غریبوں کو امیر نگل لینا چاہتے ہیں، امیروں پر غریب ٹوٹ پڑنا چاہتے ہیں، ہر طرف خوف و ہراس چھایا ہوا ہے، بے اعتمادی اور بدگمانی کی ہوائیں چل رہی ہیں، ہر جانب جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں، ایٹم بم اور گیسوں کے ذریعے لڑائی کی تیاریاں ہیں، اتنی تیاریاں کہ خود تیاری کرنے والوں کے قیاس کی حد سے باہر ہے کہ لڑی جانے والی جنگ کتنی ہلاکت خیز ہوگی کیا قیامت ڈھائے گی، اگرچہ وہ خود اس ہولناک جنگ کے خیال سے سہمے جا رہے ہیں مگر پھر بھی بڑھ بڑھ کر اس آگ کو تیز تر کرتے جا رہے ہیں، دُنیا کی تباہی کے آثار ہیں، جان بوجھ کر بھرے گلشن میں آگ لگانے کی فکر ہے۔

یہ سب کیوں؟ محض اس لیے کہ ان اللہ کے بندوں کو پتہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ان قوتوں کو اور اس کی بخشی ہوئی ان نعمتوں کو کس غرض اور کس مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہیے، اور اگر کچھ معلوم بھی ہے تو خود غرضی، عیش کوشی اور نفس پرستی نے ان کو دیوانہ بنا رکھا ہے، اپنے اپنے اقتدار اور عیاشی کے لیے دنیا کو غلام اور آلۂ کار بنانا چاہتے ہیں، ان کو یہ نہیں سوجھتا کہ اگر دنیا تباہ ہوگی تو وہ خود بھی تباہ ہوں گے، دنیا کی بربادی سے خود ان کی بھی بربادی ہے۔

محترم ماؤں اور پیاری بہنو! اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا فضل ہوا کہ اس نے اپنی بے شمار نعمتوں کو پیدا کر کے انسان کی اس کی مرضی، خود غرضی اور نفس پرستی کے حوالے نہیں کر دیا، بلکہ اس نے اپنے منتخب بندوں کے ذریعے اس کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دی، دنیا میں زندگی بسر کرنے کا اور دنیا کی ساری نعمتوں سے ٹھیک ٹھیک کام لینے کا ڈھنگ اور سلیقہ بتا دیا، دین اور شریعت سے نوازا، اور سیدھا اور بے خطر راستہ دکھایا، قرآن پاک میں اس احسان کا ذکر رب العزت نے یوں فرمایا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۝ (آج کے دن میں نے اپنا دین تم پر مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تمام کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو بطور ایک نظام زندگی میں نے پسند کیا) اللہ تعالیٰ جب اپنے دین کی پوری تعلیم فرما چکا تو اس کو اپنی بہت بڑی نعمت قرار دیا اور بندے نے جب اپنے آپ کو اس دین کا تابع بنا دیا تو اسے اس کی خوشنودی حاصل ہو گئی۔ دیکھیے دین اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس سے دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی نصیب ہوتی ہے، اور بے دینی اتنی بڑی لعنت ہے کہ دنیا میں بھی خرابی اور آخرت میں بھی خرابی۔ بغیر دین کی نعمت کے دنیا جہان کی ساری نعمتیں بے کار، بلکہ عذاب کا پیش خیمہ ہیں، مگر ہمارا عجیب حال ہے، ہماری نظر دنیا کی اور ساری نعمتوں پر تو ہر وقت لگی رہتی ہے، اور دین جو سب نعمتوں کی اصل ہے اس کی طرف سے چشم پوشی اور بے پروائی ہے۔ ہم دنیا کے چند روزہ اور مٹ جانے والے فائدوں کے پیچھے دن رات کا پورا وقت اور اپنے جسم و روح کی پوری طاقت صرف کرتے رہتے ہیں، مگر دنیا اور آخرت، ہمیشہ قائم رہنے والے دائمی فائدے کے لیے ذرا سا وقت بھی نہیں نکال سکتے، اور تھوڑی سی توجہ بھی نہیں دے سکتے۔ کتنے شرم کی بات ہے، کیسی بے عقلی کی بات ہے، کتنی ناعاقبت اندیشی ہے، کیسی تباہ کن زندگی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح عقل و فہم دے اور ہم کو اپنے دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ——— آئیے ہم آپ سے آج ہی سے تہیہ کر لیں کہ دن رات کا کچھ وقت دین کا علم حاصل کرنے کے لیے نکالیں گی، اور اپنی زندگی کو دین کے سانچے میں ڈھال کر اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ساری نعمتوں سے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق مناسب اور جائز فائدے حاصل کرنے کی کوشش کریں گی ——— آمین ثم آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝

دو برس کے بعد

جناب شہباز جندی صاحب

میں تو فضلو کو دیکھ کر بالکل دنگ رہ گیا۔ ابھی آٹھویں جماعت ہی تک تو پہنچا تھا مگر لباس اور وضع قطع سے ایسا ہوگیا تھا کہ اگر رنگ جنبی نہ کھا رہا ہوتا تو دیکھنے والے اسے انگریز سمجھتے۔ وہ میرا ماموں زاد بھائی ہوتا ہے۔ تقریباً پورے دو برس کے بعد اس سے ملاقات ہوئی تھی، اس اثناء میں بالکل بدل گیا تھا۔ ادھر میری حالت جوں کی توں تھی بلکہ چہرے پر ذرا ذرا سی داڑھی کے بال نکل آئے تھے، جنہیں نہ منڈوانے کے سبب بقول اس کے دقیانوسیت او رچڑھ گئی تھی۔ اور ہاں قمیص بھی تو کچھ نیچی ہوگئی تھی۔ سلام و مصافحہ کے تھوڑی ہی دیر کے بعد اس نے میری ننھی منی داڑھی کا مذاق اُڑانا شروع کیا۔ اس سلسلے میں گفتگو جو شروع ہوئی تو میری شامتِ اعمال کہیے کہ کہیں زبان سے آخرت اور جزا، سزا کا لفظ نکل گیا۔ بس کیا تھا اس نے چوٹتے لیے ہیں کہ الٰہی توبہ! میں سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ چھت ہم پر نہ گر پڑے جس کے نیچے بیٹھ کر ایسی دیدہ دلیری سے خدا، رسول اور اُس کی کتاب کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے۔ میں اب کی بار بڑی بڑی اُمیدیں اور بڑے بڑے ارمان لے کر آیا تھا۔ سوچا تھا فضلو میرا لنگوٹیا یار ہے، بچپن میں ہم شرارتیں ساتھ مل کر کیا کرتے تھے، نہ جانے کتنی گگریاں ہم دونوں نے مل کر پھوڑی ہوں گی، اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کتنے آم راتوں رات چوری سے ہم نے توڑے ہوں گے۔ اب میں اس سے کہوں گا "فضلو! آؤ اب اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ کرلیں، آؤ اب ہم نیکی کی راہ اختیار کریں۔ اس راہ میں بھی ہم ایک دوسرے سے کندھا ملا کر چلیں۔ دوسرے گاؤں کے لڑکوں سے باتوں کے بتنگڑ بنا کر کتنی لڑائیاں ہم نے لڑی ہیں، آؤ اب ہم دونوں نیکی کے سپاہی بنیں اور حق و باطل کی لڑائی میں اسی چستی کے ساتھ شریک ہوجائیں" لیکن آہ! سارے ارمانوں کا جیسے خون ہوگیا خوف اور انتہائی رنج کے مارے قریب تھا کہ میں رو پڑوں کہ اتنے میں ماموں آگئے اور بات بدل گئی۔

شام کو میں مغرب کی نماز پڑھ کے آیا تو دیکھا فضلو اپنے چھوٹے بھائی سلیم کو سمجھا رہا ہے۔ اس نے پڑوس کے کسی گوالے کے بچے کو مارا تھا اور اُس کی مٹھائی چھین کر کھا گیا تھا۔ فضلو نے اسے سمجھایا کہ آدمی کوئی کام کرے تو سوچ سمجھ کر کرے، کیونکہ آدمی اور جانور میں یہی تو فرق ہے، اگر آدمی بھی بے سوچے سمجھے کام کرنے لگے تو پھر کاٹنے، بھینس اور اس میں کیا فرق رہا۔ تم نے اگر ذرا سا سوچا ہوتا کہ وہ غریب لڑکا ہے تم اُس کی مٹھائی چھین لوگے تو وہ رونے لگا جائے گا۔ خود پھر تم نے یہ سوچا ہوتا کہ کتنی بدنامی کی بات ہے، لوگ کہیں گے کہ فلاں میاں کے بیٹے نے گوالے کی مٹھائی چھین کر کھالی تو تم خود اپنے اس عمل پر

ماحول پہنچتے اور ایسے کام کا خیال بھی دل میں نہ لاتے۔ سلیم بے چارہ مارے شرم کے پانی پانی ہو رہا تھا" اور کہہ رہا تھا اب ایسا نہیں کروں گا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا: "فضلو، سلیم تو بڑا ذہین نکلا۔ اس نے تمہاری بات بہت جلد سمجھ لی لیکن میں کچھ نہیں سمجھ سکا، آخر انسان کیوں سوچ سمجھ کر کام کرے۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟ دوسرے تمام جاندار بے سوچے سمجھے کام کرتے ہیں تو کیا ان کا کام نہیں چلتا؟

وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ "تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ انسان اور حیوان سب برابر ہو جائیں، کیا یہ بھی کوئی نیا فلسفہ سوجھا ہے؟"

"نہیں بھائی!" میں نے بڑی نرمی سے کہا "فلسفہ ولسفہ کیا، تم تو دل لگی کر رہے ہو۔ میں واقعی سمجھنا چاہتا ہوں۔ معلوم ہے کہ انسان کو ایک ایسی قوت ملی ہے، جو دوسرے جانوروں میں نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ خواہ مخواہ انسان یہ سوچنے سمجھنے کی تکلیف کیوں گوارا کرے، کیا صرف اس لیے کہ جانوروں سے امتیاز ہو سکے؟ اگر ایسا ہے تو اس کے لیے تو انسان کی مخصوص جسمانی ساخت ہی کافی تھی۔ اور پھر تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ انسان سوچنے سمجھنے کا بے فائدہ بوجھ اٹھا کر دوسرے جانوروں سے بلند مرتبہ ہو جاتا ہے؟ اگر جانور بھی ہماری طرح بولتے ہوتے اور کہتے کہ ہم اشرف المخلوقات ہیں، جس طرح جی چاہتا ہے، رہتے ہیں، ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہیں، تو پھر اس کا تمہارے پاس کیا جواب ہوتا؟"

وہ خاموش تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بولا: "بھائی بات تو بڑی پیچیدہ ہو گئی۔"

"ہو ہی جائے گی" میں نے مناسب موقع سمجھ کر کہنا شروع کیا "وجہ یہ ہے کہ تم نے خود بیچ انسان سے اس کا جوہر چھین لیا ہے۔ جو چیز انسانیت کا کمال تھی تم نے اسے نظرانداز کر دیا ہے۔ ذرا غور سے سنو۔ یہ بات سمجھنے میں تمہیں کوئی دقت نہیں ہو گی کہ کسی بھی جاندار کی کوئی قوت بے کار نہیں۔ اس کی ہر قوت اس کی کسی نہ کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہے، چنانچہ تمہارے سائنس دانوں نے اس قسم کی بہت سی تحقیقیں کی ہیں۔ بعض ایسی چیزوں کو جنہیں عام طور پر بے کار سمجھا جاتا ہے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ وہ چیزیں زندگی کی فلاں اہم ضرورت کے لیے ناگزیر تھیں، مثال کے طور پر مور کے پر کو لے لو، یہ صرف زینت کے پر ہیں اور ان کو کھڑا کر کے وہ بڑا وجد آفریں ناچ ناچتا ہے۔ بظاہر یہ کوئی کارآمد چیز نہیں معلوم ہوتی لیکن یہ ان کی زندگی کی ایک بڑی اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے، ان خوب صورت پروں اور دلکش رقص کے ذریعے وہ مورنی کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس طرح یہ چیز ان کی بقائے نسل کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اب ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ انسان کو جو سوچنے سمجھنے کی قوت ملی ہے وہ اس کی کس ضرورت کو پورا کرتی ہے، اور اگر یہ قوت نہ ہوتی تو اس کی کون سی ضرورت پوری ہونے سے رہ جاتی؟ اس سلسلے میں اب تک جو بات سائنس کے محققین نے کہی ہے وہ یہ ہے کہ انسان دوسرے جانداروں کے مقابلے میں کم سامان لایا ہے جس کے ذریعے وہ اپنی حفاظت کر سکے یا اپنی روزی حاصل کر سکے

کسی جانور کے سینگ ہیں، کسی کے پنجے ہیں، کسی کے بڑے بڑے خونخوار دانت ہیں۔ لیکن انسان کے پاس ان چیزوں میں سے کچھ نہیں اس کی تلافی کے لیے اسے عقل ملی تاکہ اس سے سوچ سمجھ کر وہ ایسے ہتھیار بنائے اور ایسی ایسی ترکیبیں نکالے کہ ان کی مدد سے دُنیا میں اپنے آپ کو باقی رکھ سکے۔ لیکن ذرا سا غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ بات بڑی بے وزن ہے۔ اس لیے کہ اوّل تو یہی غلط ہے کہ انسان دنیا میں سب سے کمزور جاندار ہے، بہت سے دوسرے جاندار انسان سے بدرجہا کمزور ہیں۔ ایسی صورت میں انھیں سب سے زیادہ عقل ملنی چاہیے تھی۔ تمام دُنیا کے جانداروں کو دیکھنے کے بعد یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کو باقی رکھنے کی ترکیبیں انھیں فطری طور پر سکھا دی جاتی ہیں۔ اس کے لیے انھیں باہر سے کسی عقل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً شہد کی مکھی اور مکڑی پر غور کرو، ان کو ان کے کام کی کیسی کیسی باریک تدبیریں فطری طور پر بتا دی گئیں ہیں۔ لہٰذا صرف بقاء کے لیے عقل کی کوئی ضرورت نہیں۔ انسان کی بھی فطرت میں اسی طرح کی صلاحیتیں رکھی جا سکتی تھیں ـــــ اس بات کو بے وزن ثابت کرنے کے لیے سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب انسان اتنا زیادہ نہیں سوچتا تھا، اس کی عقل ابھی بالکل بچہ تھی، یا یوں کہیے کہ ابھی عقلی حیثیت سے وہ دوسرے جانداروں سے کچھ زیادہ نمایاں نہیں ہوا تھا تب بھی وہ اپنی حفاظت کر لیتا تھا۔ مثلاً یہی سائنسداں بتاتے ہیں کہ شروع میں انسان اپنی حفاظت جنگلی درندوں سے اس طرح کرتا تھا کہ درختوں پر رہتا تھا، اور جھیلوں اور تالابوں میں لکڑیاں نصب کر کے اپنا مکان بناتا تھا، اس سے بھی پہلے پہاڑوں کے غاروں میں رہتا۔ پتھروں سے دروازے بند کر لیتا تھا، تاکہ کوئی درندہ نہ گھس پڑے۔ اسی قسم کے بلکہ اس سے زیادہ سمجھ اور عقل کے کام تو دوسرے جانور کرتے ہیں۔ اس کے لیے انسان کو عقل دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لہٰذا سوال اپنی جگہ پر رہا۔ کہ پھر انسان کو عقل کیوں دی گئی ہے۔ اب ذرا اور سنجیدگی سے سُنو۔ اس بات کا جواب عقل دینے والے نے خود دیا ہے، وہ کہتا ہے کہ تمھیں عقل اس لیے دی گئی ہے کہ اپنے آس پاس کی چیزوں پر غور کرو۔ آسمان پر غور کرو، زمین پر غور کرو، اپنے آپ پر غور کرو، اور جب یہ تم سب کچھ دیکھ کر حیران اور پریشان ہو جاؤ، تمھاری عقل دم بخود ہو جائے کہ یہ سب کیا ہے؟ کیوں ہے؟ کہاں سے آیا؟ کس نے بنایا؟ تو پھر ہم اس تاریکی میں اپنے پیغمبر اور اپنی کتاب کو سورج بنا کر بھیجیں گے اور اس کی روشنی میں تم اپنی عقل کی آنکھ سے اس حقیقت کا پتہ لگاؤ کہ یہ سب اس لیے ہے کہ تم اپنے رب کو پہچانو۔ ان تمام چیزوں کے خالق کی معرفت حاصل کرو، اور ان سب چیزوں کے لیے تمھارا دل اُس کے شکر اور احسان کے جذبے سے لبریز ہو جائے۔ اس طرح اس کی نگاہوں میں تمھارا درجہ بلند ہو اور تم اُس کا تقرب حاصل کر سکو۔ اب دیکھو، تمام سوالات جو بظاہر بڑے پیچیدہ معلوم ہو رہے تھے کس طرح حل ہو گئے۔ اب انسان کا اشرف المخلوقات ہونا اور اس کا سوچنا سمجھنا سب ایک بامعنی بات ہو گئے۔ ورنہ پہلے بالکل ان کا کوئی مطلب ہی نہیں تھا ـــ معلوم ہوا کہ انسان کا طرۂ امتیاز جانوروں سے، یا یوں کہو کہ انسانیت کا جوہر اور اس کا کمال یہی ہے کہ جسمانی ضرورتوں کے علاوہ اس کی ایک ضرورت یہ بھی ہے کہ اپنے اور ساری کائنات کے خالق کا تقرب حاصل کرے، اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے عقل کا ہونا ناگزیر ہے۔"

ماموں بڑی دیر سے کھانے کے لیے بُلا رہے تھے، آکر کہنے لگے تم لوگوں کی بحث کبھی ختم بھی ہوگی؟ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ ہم لوگ بھی اُٹھ کر کھانا کھانے چلے گئے۔ فضلو معلوم ہوتا تھا کچھ سوچ رہا ہے۔

دوسرے دن شام کو سلیم اسکول سے آیا تو کہنے لگا آج ششماہی امتحان کے نمبر بتائے گئے ہیں۔ فضلو نے پوچھا تمہیں کتنے نمبر آئے۔ اُس نے بتایا ۲۷۔ پوچھا سب سے زیادہ کس کے ہیں۔ بتایا سب کے نمبر برابر ہیں۔ فضلو بڑا متعجب ہوا، پوچھا ایسا کیوں؟ کریم نے بتایا کہ مولوی صاحب کہہ رہے تھے ششماہی امتحان ہے، اس میں سب کو برابر ہی دیتے ہیں تاکہ دل بڑھے۔

"عجب اندھیر ہے" فضلو نے کہا۔ میں نے کہا "ٹھیک تو ہے۔ کیا ہوا اگر کسی کو کم البتہ نہیں دینا چاہیے۔ اگر اس مقصد سے کسی کو زیادہ نمبر دیدیے کہ اس کا دل بڑھے تو کیا حرج ہے۔"

"جی ہاں، اور اچھے لڑکوں پر یہ ظلم نہیں ہے؟ ان کا جو دل بیٹھ جائے گا؟"

"تو ان پر کیا ظلم ہوا، ان کو تو اپنے پورے پورے نمبر مل ہی گئے۔"

"یاد ہے؟ ہم لوگ درجہ ۲ میں پڑھتے تھے۔ ایک بار امتحان میں بڑے آسان پرچے آئے تو تم کس قدر بگڑ رہے تھے کہ ان کو تو سب نے حل کر لیا۔ دو ایک سوال ایسے بھی ہونے چاہئیں کہ جن سے ذہین اور کند ذہن لڑکوں کا پتہ چلے۔"

"ہاں یاد تو ہے۔"

"ایسا کیوں تھا؟ اسی لیے تو کہ تم نے یہ دیکھا کہ منوہر اور رحیم وغیرہ جو بغیر پانچ دفعہ سمجھائے کوئی بات نہیں سمجھتے تھے وہ بھی تمہارے برابر ہونے جا رہے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر لائق و نالائق سب کا نتیجہ یکساں ہو تو پھر یہ لائق پر سب سے بڑا ظلم ہے۔"

"بڑے اچھے ہو تم میرے بھائی۔" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن پھر ان لوگوں کو تم کیا کہوگے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم ہے، وہ کیوں اپنے بندوں کو سزا دینے لگا، ایسا تو خود غرض اور خوشامد پسند دنیاوی بادشاہ کرتے ہیں، وہ تو بڑا بے نیاز ہے، اُس کی رحمت سب کو گھیرے گی۔"

"میرے بھائی! اللہ اگر ایسا کرے اور اپنے نیک و بد دونوں بندوں کو یکساں رکھے تو کیا یہ نیک بندوں پر ظلم نہیں ہوگا؟ کیا اسے کسی طرح بھی عدل اور انصاف کا کام کہا جا سکتا ہے؟"

وہ دانت میں انگلی دابے بیٹھا تھا، جیسے کسی گہرے سوچ میں پڑ گیا ہو۔

مغرب کے بعد کھانا کھا کر میں ٹہلنے کے لیے جا رہا تھا۔ فضلو بھی ساتھ تھا کہ اتنے میں سلیم اپنے چچا زاد بھائی کریم کے ساتھ [illegible] لگا۔ فضلو بھیا! کہتے ہیں کہ ہماری کتاب میں لکھا ہے کہ عقل کے ذریعے [illegible] بالکل [illegible]

الگ الگ کیا جا سکتا ہے۔ کیا جھوٹ لکھ دیا ہے؟"

فضلو نے کہا: "یہ کونسی بڑی بات ہے بھائی۔ تم روزانہ دیکھتے ہو یہ کام تو چیونٹی جیسی حقیر چیز کر لیتی ہے۔ انسان نے کیا تو کیا کمال کیا، تم اسی پر تعجب کرتے ہو؟ ایک چڑیا ہوتی ہے ہنس وہ اگر دودھ میں پانی ملا ہو تو دودھ پی جاتی ہے پانی چھوڑ دیتی ہے۔ اب کے اتوار کو بالو میں شکر ملا کر دینا۔ الگ الگ کر کے دکھا دوں گا۔"

چہل قدمی کرتے ہوئے میں نے کہا: "فضلو! چیونٹی اور ہنس خدا کی حقیر مخلوق جب یہ کر سکتے ہیں کہ شکر سے بالو الگ کر لیں، اور دودھ سے پانی نکال لیں تو پھر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انسان جب مر گل کر مٹی ہو جائے گا اور اس کے جسم کا ریزہ ریزہ مٹی میں مل جائے گا، تو اس کو پھر سے اٹھانا ناممکن ہے، ان کا یہ کہنا تو بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔"

اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا "ارے!" اتنے میں عشا کی اذان ہوئی اور اسے وہیں چھوڑ کر میں مسجد کی طرف چلا گیا ــ

صبح سویرے مجھے گھر واپس آنا تھا۔ صبح صادق سے ہی آنکھ کھل گئی۔ سوچا چلوں مسجد، اندر گیا تو دیکھا کوئی بڑی گریہ و زاری کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر مناجات میں مشغول ہے، میں وضو کرنے لگا۔ وضو کر کے ابھی ہاتھ منہ پونچھ رہا تھا کہ وہ باہر نکلا ــ

"ارے!" میرے منہ سے نکلا۔ یہ فضلو تھا۔ مجھے اپنے آپ پر قابو نہیں رہا اور شاید اس کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔ دونوں بے تحاشا ایک دوسرے سے لپٹ گئے اور پھر صبح تک جو جو مشورے ہوئے، اور جو جو باتیں ہوئیں پھر کبھی فرصت ملی تو سنائیں گے ــ

محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ

دوپٹے کے سوراخ

مجید ایک ذہین، نفاست پسند مگر خاموش طبع نوجوان تھا۔ اُس کے سب دوست احباب رشتے دار اُس سے دلی محبت رکھتے لیکن وہ سوائے اپنے عمل کے کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتا۔ کہ اُسے بھی کسی سے کوئی تعلق ہے۔ مجلس کو پسند کرتا لیکن اُسے گرم کرنے میں مطلق کوئی حصہ نہ لیتا۔ دوسروں کی باتیں سُنتا رہتا اور صرف کبھی کبھی یا تو مسکرا دیتا یا خود کوئی لطیفہ کہہ دیتا۔ بعض وقت اُس کے عزیز اُس کی اس سنجیدگی سے اُکتا جاتے اور مذاق سے کہتے یا تو محفل کو پُر رونق بنانے میں ہاتھ بٹاؤ۔ یا اُٹھ جاؤ ورنہ ہماری گفتگو کا کرایہ ادا کرو جس سے محظوظ ہوتے رہتے ہو۔

اتفاق دیکھیے کہ اُس کی جس لڑکی سے شادی ہوئی، وہ اُس کی طرح ذہین تو تھی ہی لیکن ساتھ ہی ملنسار اور نیک دل بھی تھی۔ اُس کے آتے ہی گھر کی رونق کو چار چاند لگ گئے۔ دُور دُور کے تعلق والے آنے لگے۔ لیکن مجید کا وہی حال تھا۔ اُس نے ثریا کو ہر طرح کا آرام اور آزادی دے رکھی تھی۔ ساری کمائی لا کر اُسے دے دیتا۔ کھانا، کپڑا، لین دین، آنا جانا، تحفے تحائف، راہ و رسم، اور سیر و سفر سب کچھ ثریا کے انتخاب اور اہتمام پر منحصر تھا۔ مجید کا کام صرف اُس کا ساتھ دینا تھا۔ وہ جو چاہتی کرتی، مجید کبھی مزاحم نہ ہوتا۔ وہ بیمار پڑ جاتی تو مجید مجنوں بنے کر سرہانے بیٹھ جاتا، زار زار روتا، اُس کے علاج اور آرام کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا، لیکن زبان سے اتنا بھی شاید ہی کبھی کہا ہو کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ تاہم دن اچھے گزر رہے تھے۔

دو سال کے بعد اللہ نے ان کو نعیم دے دیا۔ نعیم کی ذات میں کچھ ایسی کشش تھی کہ جو کوئی ایک دفعہ دیکھ لیتا اُس پر جان دیتا۔ نو ماہ کا پاؤں چلنے لگا، اور ایسی پیاری پیاری باتیں کرتا کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے۔ بچے کی وجہ سے مجید کی ماں بھی مجبوراً انہی کے پاس رہنے لگی۔ اب دو کی بجائے گھر کے چار افراد ہو گئے۔ ساس بہو اور ماں بیٹے میں اکثر اختلاف ہو جاتا اور وہ ایک دوسرے سے بولنا نہ چاہتے لیکن نعیم سب کو اتنا پیارا تھا کہ جب اُس کی باتیں چھڑ جاتیں تو تینوں اپنی اپنی رنجشیں بھول جاتے اور ہنس ہنس کر ایک دوسرے کو اُس کی بھولی بھری شرارتیں بتانے میں مشغول ہو رہتے۔

ایک دن تینوں اسی طرح نعیم کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ثریا نے مجید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: سُنیے جی میرے دوپٹے تم جانتے ہو [illegible] آج کل [illegible] ہے اور [illegible] مجھے ایک شیفون کا دوپٹہ لا دیجیے۔ مجید نے [illegible]

کوئی جواب نہ دیا اور اُس وقت بات آئی گئی ہو گئی ۔

رمضان کی انتیسویں کو مجید کو چھٹی تھی ۔ اکثر وہ چھٹی کا دن بھی گھر ہی میں گزارا کرتا تھا۔ آج ظہر کے وقت کہیں باہر چلا گیا۔ شام کے قریب واپس آیا تو ایک ہلکا سا بنڈل ثریا کی طرف پھینکا ' ثریا نے کاغذ پھاڑا تو شنون کا دوپٹہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ لیکن جب اوڑھنے کے لیے پھیلایا تو اُس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ دوپٹے میں تین چار جگہ سوراخ تھے ثریا کے منہ سے بے اختیار نکل گیا کہ آپ دیکھ کر کیوں نہیں لائے۔ مجید خاموش رہا۔ ثریا نے پھر جھنجلا کر اپنے الفاظ دُہرائے تو اُس نے کھسیانا ہو کر کہا کہ دُکاندار نے میرے سامنے تھان میں سے لپیٹا تھا۔ تھان ہی میں کوئی نقص ہو گا۔ اُس وقت نہ اس نے خیال کیا اور نہ میں نے ۔

ثریا کو خوب معلوم تھا کہ اگر زیادہ دفعہ کوئی بات کہی جائے تو مجید ناراض ہو جایا کرتا ہے لیکن پھر بھی اُسے سولہ روپے ضائع ہونے کا اتنا افسوس ہوا کہ وہ بار بار کہے بغیر نہ رہ سکی۔ اس کی ساس جو ہمیشہ اس کی مخالفت کیا کرتی تھی دوپٹے کے معاملے میں اُس سے متفق ہو کر بیٹے کو کوسنے لگی کہ اتنی لاپروائی بھی اچھی نہیں۔ مجید پہلے تو اس ملامت سے کچھ شرمندہ ہوا۔ لیکن بعد میں ناراض ہو کر کہنے لگا کہ چیز اب خریدی جا چکی اُسے واپس کس طرح کیا جائے ؟ اتفاق سے ان کی ایک عزیزہ ملاقات کے لیے آ گئیں اور اُنھوں نے بات رفع دفع کرا دیا' ورنہ خدا معلوم جھگڑا کیا صورت اختیار کر لیتا ۔

ثریا نے نئے دوپٹے کو رفو تو کر لیا' لیکن جب کبھی اسے اوڑھتی تو اس کھوٹے سودے پر افسوس کرتی۔ ایک دن دوپہر کا کھانے سے فراغت پا کر اکیلی بیٹھی تھی کہ اس کی نظر رفو کے نشانوں پر جا پڑی۔ پھر افسوس کرنے ہی والی تھی کہ اچانک اُسے خیال آ گیا کہ ہم دونوں ساس بہو نے مجید کے خریدے ہوئے اس دوپٹے پر جی بھر افسوس کر لیا' لیکن اُس کے کمائے ہوئے روپے کے عیوب کی طرف ہمارا کبھی دھیان ہی نہیں گیا۔ اوہ ! ہم نے تو کبھی یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی' کہ انشورنس کا تو سارا کام ہی سود اور قمار بازی کا ہے۔ اگرچہ مجید خود نہ سود لیتا ہے' نہ لوگوں کو بیمے پر اکسانے والا ایجنٹ ہے' لیکن آخر کمپنی کے کلرکوں کو بھی اُسی ناپاک آمدنی سے تنخواہ دی جاتی ہے جس کو شریعت اسلامیہ نے قطعی طور پر حرام قرار دیا ہے ... افسوس ! ہماری نماز کیا اور خیرات کیا ! ہم تو خالصتاً حرام کھا رہے ہیں !! بے چینی سے وہ اُٹھ کر ٹہلنے لگی کہ کب مجید آئے اور وہ اُسے سمجھائے۔ پھر سوچتے سوچتے کمرے میں جا کر قرآن کی ورق گردانی شروع کر دی۔ کئی دفعہ نعیم امی امی پکارتا اُس کے پاس گیا' لیکن اُس نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس کی ساس کو بڑا غصہ آ رہا تھا کہ ثریا کتابوں میں ایسی غرق ہو گئی ہے کہ بچے تک کی پروا نہیں رہی ۔

وہ ابھی مطالعے ہی میں غرق تھی کہ مجید نے سائیکل کی گھنٹی بجائی۔ ثریا نے گھڑی کی طرف دیکھا' ساڑھے چار بج چکے تھے۔ جلدی جلدی چائے تیار کی۔ اور جب مجید فارغ ہو کر نعیم سے کھیلنے لگا تو اُسے علیحدگی میں لے گئی۔

ثریا : " دیکھیے پچھلے سال آپ نے میرے لیے یہ دوپٹہ خریدا تھا۔ اتفاق سے اُس میں کچھ سوراخ نکل آئے' اس نقص پر میں نے اور امی جان نے آپ کو کتنی ملامت کی تھی۔ اب اس دوپٹے کا نقص تو میرے ہاتھوں دُور ہو سکتا تھا۔ لیکن آپ کے کمائے ہوئے روپے کے نقص میں کیسے دُور کر سکوں ہوں ؟ میرا تو آج تک اس طرف خیال ہی نہ گیا۔ کہ ہم نماز کے لیے اپنے بدن اور کپڑوں کو ہر طرح کی نجاست

پاک کرتے ہیں۔ لیکن جس روپے سے ہماری غذا اور بدن کا کپڑا خریدا جاتا ہے اُس کی صفائی کا کچھ خیال ہی نہیں۔ بھلا اس صورت میں ہماری نماز کیسے قبول ہوتی ہوگی اور ہمارے صدقہ و خیرات کا کیا حشر ہوتا ہوگا "

مجید .... "

ثریا : " بولتے کیوں نہیں ؟ بھلا یہ بھی کوئی عقلمندی ہے کہ انسان چند دن کے آرام کے لیے ہمیشہ کا عذاب خرید لے ! یہ جون جولائی کی گرمی تو ہم سے برداشت نہیں ہوتی ، حرام کی کمائی کھا کھا کر دوزخ کی آگ کیسے سہاریں گے ؟ توبہ الٰہی توبہ ! رسول اللہؐ کا فرمان ہے کہ جو گوشت حرام کی کمائی سے بنے گا وہ دوزخ کا ایندھن ہے "

مجید (کچھ دیر چپ رہنے کے بعد) : " بات تو تم ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن .... "

ثریا : " لیکن کیا ؟ اس ملازمت پر لعنت بھیجیے "

مجید ....

ثریا : " پھر وہی چپ ؟ میں کہتی ہوں وہ خدا جو پرندوں اور کیڑوں مکوڑوں کو روزی دیتا ہے ، ہمارے لیے کوئی سبیل نہ نکالے گا " ؟

مجید : " آج کل ہر محکمہ میں بڑی گندگی ہے ، حلال کمائی بہت مشکل ہے "

ثریا : " اگر حتی الوسع رشوت ، خیانت ، جھوٹ ، بددیانتی ، کام چوری اور ظلم سے اپنا دامن پاک رکھ کر کوئی دوسری ملازمت کر لی جائے تو اُمید ہے کہ اللہ ہمارے پچھلے گناہ معاف کر دے گا۔ بیمہ کمپنی میں تو آپ کی ساری محنت اور دیانتداری باطل کے کام آ رہی ہے "

مجید ....

ثریا : " سوچتے کیا ہیں ؟ اگر تھوڑی دیر کوئی اچھا کام نہ بھی ملے گا تو کوئی ہرج نہیں ، مجھے تو اب اس کمائی سے گھن آنے لگی۔ اس کو کھانے سے بہتر تو یہ ہے کہ انسان فاقہ کرے۔ فاقے کا انجام اتنا بُرا نہیں جتنا حرام کھا کر موٹے ہونے کا "

مجید . . . . "

کچھ چار ماہ اسی طرح ثریا کہتی سُنتی رہی۔ اب مجید اُس کی ضد پر ناراض ہونے کی بجائے نادم ہوتا۔ آخر مسلسل کشمکش اپنا رنگ لائی۔ مجید نے بیمہ کمپنی سے استعفیٰ دے دیا ، اور جوتوں کی دُکان کھول لی۔ شروع شروع میں آمدنی پہلے سے بہت کم تھی۔ لیکن افرادِ کنبہ پہلے سے بہت زیادہ خوش اور مطمئن تھے ! مجید کی والدہ جو اکثر بہو بیٹے سے ناراض رہا کرتی تھی۔ اب خوش رہنے لگی۔ کیونکہ ثریا نے مجید کی کمائی کے ساتھ اپنی دن بھر کی کمائی پر بھی نظرِ ثانی کی۔ اُس نے پہلے روز ہی سوچ لیا تھا ، کہ جب میں مجید کو ایک غلط پیشے سے روک رہی ہوں ، تو پہلے مجھے بھی اپنے اقوال و افعال کو دُرست کرنا چاہیے۔ ورنہ اُس پر میری باتوں کا اثر نہ ہوگا۔ اس لیے اب وہ ساس کی بے جا ملامت اور روک ٹوک پر درگذر کرتی اور خوش دلی سے اُس کی خدمت میں مصروف رہتی تھی۔

ناسمجھ کون؟

آپ کا خیال یہی ہوگا کہ آپ بہت ہوشیار ہیں۔ آپ کی اتنی عمر ہونے آئی آپ کو دُنیا کے بھلے بُرے کا بہت تجربہ
ہو چکا ہے ——— لیکن بچے ——— بچے تو ناداں ہیں۔ بچے کیا جانیں کون سی بات اچھی ہے کون سی بُری ——— اسی لیے
شاید آپ اُسے اپنا حق سمجھتی ہوں گی کہ بچے کے ہر کام میں دخل دیں، حالانکہ بچے کی اصل معلّم اس کی وہ فطرت ہے جو قدرت نے ا
عطا کی ہے۔ قدرت آپ سے کہیں زیادہ ہوشیار ہے۔ بچہ جو کچھ کرتا ہے اسی فطرت کے اشارے پر کرتا ہے۔ فطرت بچوں کو حکم دیتی
ہے کہ وہ ہر وقت کچھ کرتے رہیں۔ وہ خاموش نہیں بیٹھ سکتے۔ بچہ فطرت کے اُسی حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ لہٰذا اگر وہ نچلا بیٹھنا نہیں
اور ہر آن کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہتا ہے تو اس میں اس کا کیا قصور؟ آپ اس کو روکنے والی کون؟ آپ کا کام اس پر حکومت
کرنا نہیں ہے۔ آپ تو اس کی مدد کرنے کی ذمّے دار ہیں، وہ اس دُنیا میں اپنے ذاتی تجربوں سے جو باتیں زیادہ دنوں میں معلوم
کرے گا، آپ اُس کی مدد کریں کہ وہ ان باتوں کو جلد معلوم کر لے۔ آپ تجربے حاصل کرنے میں اس کی مدد کریں ——— کوئی عدالت
ایسی نہیں جو جُرم سرزد ہونے سے پہلے ہی سزا کا حکم سُنا دے، مگر آپ اکثر بچوں کو "جُرم" کرنے سے پہلے ہی سزا دے دیتی ہیں۔
بچے نے آپ کی سنگار میز کی طرف نظر اُٹھائی اور آپ نے اُس کا کان پکڑتے ہوئے اُسے ڈانٹ بتائی "دیکھ، خبردار!
سنگار میز کو ہاتھ لگایا تو ہڈیاں چور چور کر دوں گی" ——— گویا بچے کا کسی چیز کو دیکھنا بھی جُرم ہے۔ آپ کو اس پر ذرا
اعتماد نہیں۔ آپ کی بے اعتمادی، بات بات پر بددعائیں اور گالیاں دینا۔ سوچیے تو سہی کتنے افسوس کی بات ہے
بچے کی خودداری آپ نے اپنے ہاتھوں ختم کر دی۔ اس کے سامنے غیر اسلامی اخلاق کا ایسا نمونہ پیش کیا جو اس
سادہ ذہن و دماغ پر ہمیشہ کے لیے جم کر رہ گیا۔ بڑا ہو کر وہ بھی بدزبان اور بداخلاق ہوگا، وہ بھی اپنے چھوٹوں کو
حقیر جانے گا۔

اب سوچیے ناداں کون ہے؟ ناسمجھ کس کو کہا جائے؟ اس کو جو بگاڑا جا رہا ہے، یا اُس کو جو بگاڑ
رہا ہے؟

آپ کتاب پڑھ رہی ہیں، بچہ شور مچا رہا ہے۔ لیمپ سے کھیل رہا ہے، دیوار پر لکیریں بنا رہا ہے۔ بہرحال
وہ اپنا کچھ کام کر رہا ہے۔ آپ سمجھتی ہیں وہ آپ کے کام میں مخل ہو رہا ہے، آپ اسے منع کرتی ہیں، وہ نہیں مانتا
آپ چڑ جاتی ہیں، اپنی طاقت کے زور پر اُسے اُس کے کاموں سے روکنے کی کوشش کرتی ہیں۔ بچہ بھی اسی طرح اپنے کاموں
میں دخل پسند نہیں کرتا، وہ بھی چڑ جاتا ہے۔ وہ کمزور ہے، لیکن وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ آزاد ہے، اسے بھی اپنی مرضی

کے احکام کی تعمیل میں کچھ نہ کچھ کام کرتے ہی رہتا ہے۔ وہ آپ کا نافرمان بن جاتا ہے، وہ آپ سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ وہ اپنی آزادی کی بحالی کے لیے کچھ غلط طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا آپ اس کی مددگار بننے کے بدلے اس کی رقیب اور مقابل بن گئیں، آپ کا کام یہ تھا کہ آپ اپنے تجربے سے فائدہ اُٹھاتیں، آپ اس کے لیے مُفید مشاغل تجویز کرتیں، ایسے مشاغل جو آپ کے نہیں بلکہ اس کے مزاج اور طبیعت کے موافق ہوتے، جو اس کے لیے دلچسپ ہوتے ——— آپ کا خیال ہے آپ بڑی ہوشیار ہیں، بچہ ناسمجھ ہے۔ اس ناسمجھ کی راہ نمائی کیجیے، اپنی ہوشیاری سے کام لیجیے۔ پھر دیکھیے بچے کس طرح خود آپ کی مدد کریں گے۔ آپ خاموشی کے ساتھ بڑھنا چاہیں گی تو وہ آپ کی مدد کریں گے، وہ آپ کو خاموشی سے مطالعہ کرنے کا موقع دیں گے۔ کیونکہ انھیں یقین ہوگا کہ آپ ان کی دوست ہیں، آپ تو ان کی دلچسپیوں میں اضافہ کرتی ہیں، ان کے لیے اچھے اچھے مشاغل تجویز کرتی ہیں۔ آپ بچوں کی حاکم نہ بنیے، بلکہ بچوں کی مددگار اور دوست بنیے۔

جناب کپتان سید علی صاحب حیدر

مسلم

جو ———

رب کو جانیں رب کو مانیں
اوّل، آخر رب کو جانیں
خالق، رازق رب کو جانیں
تن، من، دھن، سب رب کا جانیں
آقا، حاکم رب کو مانیں
رہبر اپنا قرآں مانیں
ہادی اپنا احمدؐ مانیں
وہ ہے مسلم
سُن لو سب تم

کافر

جو ———

رب کا کوئی ساتھی ما
احکامِ رب جھوٹے جا
رسم آبا سچی جا
دل جو کہتا ہے وہ ما
حکمِ احمدؐ کو نہ ما
حکمِ بندہ لازم جا
کافر ہے وہ
سُن لو بچو

ہمدردی

تحریر: حافظہ تسنیم صاحبہ

"دُور ہو جا، بس تمام دن ان کمبختوں کو یہی ایک کام ہے، بھیک مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی، دفع ہو جا یہاں سے ورنہ مار کے بھگا دوں گی" نسرین صحن میں کھڑے ہوئے ایک اندھے غریب لڑکے کو ڈانٹ رہی تھی ——— "تین دن سے بھوکا ہوں بی بی، راہِ خدا کچھ دلوا دیجیے" لڑکے نے آہ بھر کر کہا ——— نسرین نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے ملازم کو آواز دی۔ بے چارہ غریب لڑکا ملازم کے آنے تک چلا گیا ——— میں اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔ میں نے نسرین کو بلایا اور کہا: "تمھاری یہ بدزبانی مجھے بہت خراب معلوم ہوئی۔ تم نے ایک غریب نابینا لڑکے کو کس بُری طرح ڈانٹ کر بھگا دیا۔ تمھیں معلوم نہیں یہ کمزور اور محتاج بچوں کی آہ کیا اثر رکھتی ہے" ——— نسرین نے کہا: "بس رہنے دیجیے، کیا تمام لوگوں کے ساتھ ہمدردی ہی کرتے رہیں۔"

میں نے کہا: "ہمدردی دُنیا کی زندگی کے لیے جس قدر ضروری ہے اس سے کون واقف نہیں، ماشاء اللہ تم تو سمجھ دار ہو، یہ کمزور غریب بچے کو جس بُری طرح ڈانٹا ہے کیا جانتی نہیں ہو، یہ بھی تمھاری ہی طرح ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تم ایک عالی شان مکان میں رہتی ہو اور یہ غریب ایک شکستہ کوٹھری یا سرائے میں رہتا ہوگا۔ وہ اپاہج ہے مجبور ہے اس لیے تمھارے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے، تمھیں خدا نے دولت عطا کی ہے۔ لیکن سوچو دولت جو خدا کی ایک بڑی نعمت ہے اس لیے نہیں ہے کہ تم بے موقع خرچ کرو۔ اگر کوئی تمھاری تعریف میں گانے گائے یا فلمی گیت سنائے، یا تمھاری جھوٹی تعریف کرے تو تم جتنا روپیہ پیسہ چاہو دے دو۔ ہمدردی کے یہ معنی نہیں کہ اچھے اچھے کپڑے خوشامدیوں کو تو تم ذرا بات پر خیرات دیا کرو اور ایک غریب کو جو دو تین روز سے فاقہ کر رہا ہو اس طرح دھتکارو، یہ تو کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ اس موقع پر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ دخترِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کا روزہ تھا اور گھر میں چار روٹیوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا آپ نے دو روٹیاں اپنے دونوں صاحبزادوں کو کھلا دیں اور دو روٹیاں رکھیں کہ آپ اور شوہرِ محترم حضرت علی رضی اللہ عنہ روزہ افطار کر کے کھائیں گے۔ اتفاق سے ایک بہت ہی غریب اور پریشان حال مسافر آ نکلا۔ آپ نے اُسے وہ روٹیاں اُٹھا کر دے دیں۔ حضرت علیؓ آئے تو آپ نے تمام قصہ سُنایا، حضرتؓ بہت خوش ہوتے اور دونوں میاں بیوی پانی یا کسی دوسری چیز سے روزہ افطار کر کے ویسے ہی سو رہے ——— سچ ہے یہی وہ ہمدردی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہی ہمدردی کا وہ نمونہ ہے جس میں ایک شخص دوسرے کو اس لیے کھانا کھلاتا ہے اور اس کے آڑے وقت میں کام آتا ہے کہ اس کام سے اللہ تعالیٰ خوش ہو جائے۔ وہ ایسوں کے ساتھ بھلائی کرتا ہے جن سے اُسے کسی بھلائی کی اُمید نہیں ہوتی، وہ ایسوں کو کھلاتا ہے جو کھا کر اس کے گن نہیں گاتے۔ اس کے سامنے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہوتی ہے، اور بس۔ وہ مال کو اللہ تعالیٰ کی امانت جانتا ہے اور مالک کی خوشی کے مطابق مال صرف کرنے میں اسے مزہ آتا ہے۔"

نسرین خاموشی سے میری باتیں سُن رہی تھی، میں نے دیکھا اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔ نسرین نے دوپٹے سے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا: "باجی! اللہ مجھے معاف کرے۔ آج میں نے بڑی غلطی کی، میں خدا کی نافرمان بنی، باجی آپ کی باتوں نے میری آنکھیں کھول دیں، آج آپ نے مجھے بروقت ٹوکا۔ آپ کا یہ احسان میں کبھی نہ بھولوں گی اور آئندہ تمام بُری باتوں سے بچنے کی کوشش کروں گی۔ اللہ تعالیٰ میری مدد کرے۔"

بزمِ حسنات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روداد سہ ماہی بزمِ حسنات کاچیگوڑہ (مسجد جیل بازار) منعقدہ ۹ ربیع الثانی ۹۵ھ بروز جمعہ

جلسے کا آغاز تین ساعت سے ہوا اور ساڑھے پانچ بجے تک رہا ۔۔۔ جلسے میں شرکاء کی تعداد (۸۰) تھی جن میں (۴) اشخاص نے تقریریں بھی کیں۔ جلسے کی کارروائی سے پہلے خواجہ محی الدین صاحب نے گزشتہ سہ ماہی کارگزاری کی روداد سنائی جو ذیل میں درج ہے ۔۔۔ محترم بزرگو اور عزیز دوستو! آج ہم بزمِ حسنات کا خدا کے فضل و کرم سے پہلا اجتماع کر رہے ہیں۔ اس بزمِ حسنات کا کام ہمارے محلے کے بعض خاموش اور سنجیدہ طلبا کر رہے ہیں۔ جہاں جہاں اور جیسا جیسا کام ہمارے ہمدرد اور ناظر رہنما ابھی آپ کو سنا رہا ہوں قبل اس کے کہ یہ سنا دی رپورٹ آپ کے سامنے پیش کی جائے پہلے یہ واضح کرنا بہتر ہوگا کہ یہ بزمِ حسنات کیا ہے کیا مقصد اور نصب العین رکھتی ہے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ کیا کام اور کس طریقے سے کر رہی ہے ۔۔۔ **بزمِ حسنات قایم کرنے کا مقصد:** یہ تباہی کی طرف جو دنیا جا رہی ہے اور اس میں ہزاروں انسان اپنی زندگی سکون سے نہیں گزار رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خدا کو بھول بیٹھے ہیں۔ لہٰذا ہمارا مقصد یہ ہے کہ ان سارے انسانوں کو خدا کی طرف بلائیں اور انھیں بتائیں کہ وہ خدا کو پہچانیں اُس کے حکموں پر چلیں اور اپنی پوری زندگی خدا کے حوالے کر دیں۔ ہماری پہلی درخواست اُن لوگوں سے ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور عملی زندگی میں وہ کام نہیں کرتے جو انھیں کرنا چاہئیں۔ حضرات آپ کو یہاں دعوت دینے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ہمارے کام سے واقف ہوں اور آپ بھی اپنے بچوں کی ہماری باتیں سننے کی طرف توجہ دلائیں جاری ان اجتماعات کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آپ کو دعوت دیکر بس آپ کو کچھ تقریریں سنائیں بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ آپ ہماری باتیں سنیں ان میں جو باتیں ٹھیک ہوں اُن کی اصلاح فرمائیں اور جو ٹھیک ہوں اُن کے کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں ۔۔ اب میں آپ کو اپنے رفقا کے کام کی ایک رپورٹ سناتا ہوں۔ **طلبا میں کام:** ہمارے اکثر ارکان مدرسہ فوقانیہ چیگوڑہ میں پڑھتے ہیں اور بعض دوسرے مدارس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ارکان اپنے ساتھیوں سے مل کر اپنی دعوت پیش کرتے ہیں اور لڑکوں سے ہماری تعارف کراتے ہیں کہ ہم نے بزمِ حسنات قایم کی ہے اور بہت سی لڑکیوں سے بھی ہو سکتے ہیں انھیں پڑھنے کو کتابیں دیتے ہیں دینی کام اور باتیں جو سمجھتے ہیں اور دوسروں کو سمجھاتے ہیں۔ اسی طرح ہمارا لڑکوں اور لڑکیوں دونوں سے ربط قایم کر کے کام کو بڑھا رہے ہیں۔ **ہفتہ واری اجتماعات:** ہفتہ واری اجتماعات ہر جمعہ کو تین بجے سے شروع ہوتے ہیں اور پانچ بجے ختم ہوتے ہیں ان میں شرکاء کی تعداد زیادہ سے زیادہ (۲۰) اور کم از کم (۷) ہوتی ہے اکثر لڑکے ان میں بات چیت کرتے تقریروں میں بھی حصہ لیتے ہیں ان تقاریر کے ختم ہونے کے بعد ایک اجلاس تبادلۂ خیالات کے لیے رکھا جاتا ہے اگر کوئی شک و شبہ ہو تو اس کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور مختلف امور پر غور کرتے ہیں۔ **ماہواری اجتماعات:** ہماری بزم کے ماہواری اجتماع صرف (۲) ہوئے پہلا اجتماع مولوی علیم الدین صاحب رکن جماعت اسلامی کی زیر صدارت ہوا اور دوسرا اجتماع مولوی محمد یونس صاحب امیر جماعت اسلامی حلقہ حیدرآباد دکن کی زیر صدارت ہوا۔ ان دو اجتماعات میں بھی لڑکوں نے مضامین سنائے تقاریر ختم ہونے کے بعد ایک اجلاس تبادلۂ خیالات کے لیے رکھا گیا اس میں تبادلۂ خیال اور مشورے کیے گئے۔ **خصوصی دعوت:** اپنی دعوت سمجھانے کے لیے ایک خصوصی اجتماع ڈاکٹر مولوی عبدالحکیم صاحب کے مکان میں منعقد ہوا جس میں لڑکوں نے مضمون اور تقاریر سنائے۔ **تعداد ارکان:** ہمارے ارکان کی تعداد (۹) ہے۔ زیادہ ارکان نہیں رکھے گئے کہ ہم ایسے لڑکوں کو اپنا رکن بناتے ہیں جن میں اسلامی باتوں کو سمجھنے اور سمجھانے کی صلاحیت ہو اور وہ عملی نمونہ بن سکیں۔ یہ فیصلہ کر لیں۔ **متاثرین کی تعداد:** بزمِ حسنات کے متاثرین کی تعداد (۸۰) ہے ۔۔۔ **خدا کے احکام کی پابندی:** خدا کے فضل سے ہمارے سب ارکان اللہ تعالیٰ کے حدود کی پابندی کرتے ہیں اور اُن میں نیکیوں کی رغبت اور برائیوں کی نفرت پیدا ہو رہی ہے ۔۔۔ **والدین کی اطاعت:** ہمارے سب ارکان والدین کی اطاعت اور پابندی کرتے ہیں وہ جس چیز سے روکتے ہیں رک جاتے ہیں اور دینی باتیں سمجھائی جائیں تو ان پر عمل کرتے ہیں ۔۔۔ اچھے نمونے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھنے اور کام سے جو ان کے ساتھ رہتے ہیں ان کو بھی یہ باتیں سمجھاتے ہیں بُری صحبت سے بچتے ہیں اور گندی باتوں کے قریب نہیں جاتے ۔۔۔

ننھا مجاہد

جناب اشتیاق احمد صاحب ظلی

اسلم اور ریحانہ شرارت کر رہے تھے! ان کی والدہ نے کہا دیکھو تم بہت ہی شریر ہو گئے ہو، اس کمرے میں جو شیطان بند ہے ابھی اگر کھول دیا گیا تو تم دونوں ٹھیک ہو جاؤ گے۔ اسلم اور ریحانہ ڈر گئے جلدی سے والدہ کے پلنگ پر لحاف میں گھس گئے۔ لیکن اسلم کا جی چاہا کہ اس کو دیکھنا تو چاہیے کہ وہ ہے کیا اور کون۔ مگر والدہ کے ڈر سے اس نے کمرے کے پاس جانا مناسب نہ سمجھا۔ رات کو جب سب سو گئے تو اس نے کمرہ کھولا، کمرہ کھلنے کی آواز سے اس کے والد کی آنکھ کھل گئی۔ ان کی عادت تھی کہ جب بھی کسی کو اپنی ہوشیاری سے آگاہ کرنے ٹوکا کرتے تھے خبردار! ان کی زبان سے اُس وقت بھی بے ساختہ نکلا خبردار! اسلم ڈر گیا! لیکن دو تین منٹ کے بعد اس کا ڈر غائب ہو گیا۔ اس نے بڑھ کر بجلی کا بٹن دبایا۔ کمرہ روشن ہو چکا تھا، لیکن وہاں کوئی نہ تھا —— اتنے میں اسلم کے والد اُٹھے، انھوں نے جب دیکھا کہ اس کمرے میں بجلی جل رہی ہے، تو وہ اپنی بندوق لے کر کمرے کی طرف بڑھے، دیکھا اسلم کسی کو تلاش کر رہا ہے۔ انھوں نے پوچھا تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اور یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اسلم کے ہاتھ میں اس کی اپنی ننھی تلوار بھی ہے۔ اسلم نے جواب دیا: "ابا جان، امی نے کہا تھا کہ اس کمرے میں شیطان بند ہے وہ تم کو ستائے گا۔ میں نے سوچا چلو میں خود ہی اس کو اپنی شمشیر سے موت کے گھاٹ اُتار دوں۔"

اسلم کے والد نے کہا: "بیٹا تم تو مسلمان ہو، مسلمان کو شیطان سے کیا ڈر؟ شیطان تمھیں پریشان نہیں کر سکتا۔"

اسلم نے جواب میں کہا: "یہ تو ٹھیک ہے کہ مسلمان کو کسی چیز کا ڈر نہیں ہوتا، کیونکہ مسلمان تو صرف خدا سے ڈرتا ہے اور جو شخص خدا سے ڈرے وہ دُنیا کی کسی چیز سے بھی نہیں ڈر سکتا —— لیکن آخر شیطان ہمارے کمرے میں آتا ہی کیوں؟ اُسے کیوں نہ مار ڈالیں۔"

اسلم کے والد نے کہا: "بیٹا شیطان کو تلوار یا بندوق سے نہیں مارا جا سکتا۔ اس کو مار بھگانے کے لیے تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ تم خود جانتے بوجھتے کسی بُرائی کے کام کو نہ کرو۔ اگر غلطی سے کوئی ایسا کام ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے خطا معاف کراؤ، اور ہر وقت اللہ سے دعا مانگتے رہو کہ وہ تمھیں شیطان کے پھندوں سے پناہ دیجیے —— آؤ اللہ کا نام لے کر سو رہو —— خدا تمھیں ساری عمر شیطان سے بچائے۔"

جلد — نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

رسالہ

الحسنات

جو مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

اپریل اوّل ۱۹۵۰ء

مدیر ابو سلیم محمد عبد الحی

چندہ
سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے — پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے — تین روپے
فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

احساسات

کون نہیں جانتا کہ جاندار کھائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ چوپائے کھاتے ہیں، درندے کھاتے ہیں، پرند کھاتے ہیں، کیڑے کوڑے کھاتے ہیں اور جب ہی زندہ رہتے ہیں۔ آپ بھی اگر کھانا چھوڑ دیں تو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ کیسا ضروری ہے کھانا! ——— اچھا یہ تو بتائیے کہ بس کھانا ہی ضروری ہے یا یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ کیا کھایا جائے اور کیا نہ کھایا جائے ——— آپ جھٹ کہہ دیں گے کہ "دیکھنا" تو "کھانے" سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ کیا کھایا جائے اور کیا نہ کھایا جائے۔ اور ہم کیا یہ بات تو ہر جاندار کے سامنے ہے اللہ تعالیٰ نے سب جانداروں کو یہ تمیز عطا فرمائی ہے کہ وہ کھانے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ وہ کیا کھا رہے ہیں، اور جو کچھ کھا رہے ہیں وہ ان کے لیے مفید بھی ہے یا نہیں ——— کتے گھاس نہیں کھاتے، بکریاں ہڈیاں نہیں چباتیں۔ غرض یہ کہ ہر کھانے والا جانتا ہے کہ کیا کھائے کیا نہ کھائے۔

آپ اپنے آپ کو ہی دیکھ لیں۔ آپ سڑی گلی چیزیں نہیں کھاتے۔ جس چیز کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ صحت کے لیے مضر ہے، آپ اس سے بچتے ہیں۔ ڈاکٹر اگر بہتر سے بہتر کھانے کی چیز کے بارے میں یہ بتا دے کہ وہ آپ کے مرض کو بڑھا دے گی تو آپ اس کے قریب نہیں جاتے، اگر کسی لذیذ سے لذیذ کھانے کے بارے میں بھی آپ کو یہ شبہ ہو جائے کہ اس میں زہر ملا ہے تو آپ چاہے کتنے ہی بھوکے ہوں اسے ہاتھ نہیں لگاتے ——— ایسا کیوں ہے؟

آپ کہیں گے کہ آپ کو اپنی تندرستی عزیز ہے، آپ کو بیماری سے بچنا ہے، آپ اپنی صحت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں اسی لیے آپ کھانے سے پہلے یہ دیکھ لیتے ہیں کہ کیا کھا رہے ہیں اور جو کچھ کھا رہے ہیں وہ آپ کے لیے مفید ہے یا مضر۔

جب آپ چھوٹے تھے اور خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتے تھے کہ کون سی چیز آپ کے لیے مفید ہے اور کون سی مضر تو آپ کے بڑے اس بات پر نظر رکھتے تھے کہ آپ کیا کھا رہے ہیں۔ بہت بار ایسا ہوا ہوگا کہ آپ مچل مچل کر کسی چیز کو کھانے کے لیے مانگتے رہ گئے ہوں گے اور آپ کے بڑوں نے وہ چیز آپ کو نہیں کھلائی ہوگی۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے؟ صرف اس لیے کہ آپ کو خود ابھی یہ تمیز نہ تھی کہ کون سی چیز کھانا چاہیے اور کون سی نہ کھانا چاہیے۔ اور وہ یہ جانتے تھے کہ آپ کی صحت و تندرستی کے لیے کون سی چیز مفید ہے اور کون سی مضر۔

انسان کیا صرف اس جسم کا نام ہے جو چلتا پھرتا کھاتا اور پیتا ہے؟ نہیں، ایسا تو نہیں ہے۔ یہ تو ہر جاندار کرتا ہے۔ انسان تو وہ مخلوق ہے کہتے ہیں جو سوچتا، سمجھتا اور بولتا ہے، جس کے پاس ذہن ہے، دماغ ہے، عقل ہے اور اچھے اور برے میں تمیز کرنے کی قوت ہے ——— غذا جو ہم کھاتے ہیں جسمانی صحت اور تندرستی کے لیے ضروری ہے، لیکن ذہن دماغ اور عقل، جذبات و اخلاق جیسی قوتیں بھی تو غذا کی محتاج ہیں۔ آپ جانتے ہیں سب لوگوں کے پاس یہ قوتیں ... نہیں ہوتیں۔ کوئی ... [illegible]

کوئی کم۔ کسی کی سمجھ اچھے کاموں کی طرف زیادہ چلتی ہے اور کسی کی عقل اسے بُرے راستے پر لے جاتی ہے۔ کوئی بہت زیادہ ذہین اوّل نمبر کا جعل ساز، دھوکے باز اور مکّار بن جاتا ہے، کوئی وقت کا بہترین ادیب اور شاعر بن جاتا ہے۔ کوئی اگر دُنیا میں بد اخلاقی اور بد اعمالی پھیلاتا ہے تو کوئی انسانوں کی اصلاح کا بیڑا اُٹھاتا ہے اور ایسی باتیں کرتا ہے کہ دیکھتے دیکھتے ہزاروں انسانوں کی زندگی کو اخلاق کا سب سے اچھا نمونہ بنا دیتا ہے۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ——— بات یہ ہے کہ ذہنوں کے بننے یا بگڑنے میں بہت سی باتوں کو دخل ہے۔ اچھی تربیت، اچھے ساتھی، اچھی تعلیم اور اچھی کتابوں سے ذہن سُدھرتے ہیں۔ اور اگر ان میں کوئی بگاڑ ہو تو ذہن بگڑتے ہیں۔

اچھا آپ ایک بات سوچیے۔ جسم کی صحت کا جتنا خیال رکھا جاتا ہے کیا اتنا ہی خیال عقل، ذہن، سمجھ اور اخلاق کی صحت کا بھی رکھا جاتا ہے۔ جسم کو جس طرح بُری غذاؤں سے بچایا جاتا ہے کیا اسی طرح عقل، سمجھ، ذہن اور اخلاق کو بگاڑنے والی چیزوں سے بھی بچنے کی فکر کی جاتی ہے؟ افسوس یہی ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ جو لوگ جسمانی صحت کے بارے میں بہت زیادہ احتیاط کرنے والے ہیں وہی اخلاقی اور ذہنی صحت کی طرف سے انتہا بے پروا ہیں ——— یہی وجہ ہے کہ آج ہمارا سماج بہت بگڑ چکا ہے اور روز بگڑتا ہی جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے کوئی ایسا گھن لگ گیا ہے جو بہت جلد ہی اس کی صحت ہی نہیں بلکہ زندگی کا بھی خاتمہ کر کے چھوڑے گا۔

ایک زمانے میں کاغذ اور قلم سے لوگوں کی اصلاح کا کام خوب لیا جاتا تھا، شاید آپ نے سُنا ہو یہ اُسی زمانے کی ضرب المثل ہے کہ لوگ جب کسی بات کو ٹھیک ثابت کرنا چاہتے تھے تو ثبوت میں کہتے تھے "ایسا تو کتاب میں لکھا ہے" مگر آج بالکل اُلٹی بات ہے زیادہ سے زیادہ بگاڑ کا کام کاغذ اور قلم سے لیا جا رہا ہے۔ بُری باتیں، گندے اخلاق، جھوٹ، فریب اور دھوکہ، سب کچھ کاغذ اور قلم کی ہی مدد سے پھیلایا جا رہا ہے ——— جس رسالے کو دیکھیے، جس کتاب کو اُٹھائیے، جس اخبار پر نظر ڈالیے آپ کو بُرائیوں کے جراثیم ضرور مل جائیں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی بستی میں ہیضہ پھیلا ہوا ہے اور وہ اس زور سے پھیلا ہے کہ ہر مٹھائی والے کی مٹھائی اور ہر پھل بیچنے والے کے پھلوں پر مکھیوں نے بیٹھ بیٹھ کر ہیضے کے جراثیم کا گھر بنا دیا ہے اور کھانے والوں کی زندگی پر سے خطرے ہیں۔ ایسے نازک حالات میں آپ کیا کرتے ہیں۔ آپ پوری احتیاط کرتے ہیں کہ کہیں آپ ہیضے کے شکار نہ ہو جائیں ——— آج ہماری بستیوں میں ——— بلا مبالغہ ——— اخلاقی ہیضہ پھیلا ہوا ہے، ہر چیز پر اس اخلاقی وبا کا اثر پڑ رہا ہے، اور ذہن اور اخلاق کی بگاڑ کے لیے ہر طرف سامان موجود ہے۔ ایسے حالات میں تو آپ کو کیا کرنا چاہیے؟

اخلاق و ذہن پر گہرا اثر ڈالنے والی چیزیں چار ہیں:

۱۔ مطالعہ،
۲۔ صحبت اور ساتھی،
۳۔ تقریریں،
۴۔ کھیل اور تماشے،

آپ کو ان چاروں چیزوں پر نظر رکھنا پڑے گی کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے ذریعے ایسے برا ہیم آپ نے اخذ ... آپ کے اخلاق اور آپ کے ذہن کو برباد کرنے والے ہوں۔ سب سے پہلے مطالعے کو لیجیے:

ذہن، عقل، سمجھ، اور اخلاق پر مطالعے کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے۔ آپ کے پڑھنے کے رسالے، اخبارات، کتابیں، قصے کہانیاں سب کے سب آپ کے دماغ پر ایسے نقش قایم کرتے ہیں جو ساری عمر نہیں مٹتے۔ اس لیے آپ اپنے مطالعے کے لیے چیزیں پسند کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیں ——— اس موقعے پر ان لوگوں کی بات یاد آگئی جو کہتے ہیں کہ جب تک خراب باتوں کو نہ پڑھیں گے تو معلوم کیسے ہوگا کہ اچھی باتوں کی اچھائی کیا ہے، اس لیے پڑھنا تو سب کچھ چاہیے۔ دیکھنے میں یہ بات بڑی سیدھی سادی معلوم ہوتی ہے مگر ذرا اس کی حقیقت پر غور کیجیے:

اگر کوئی شخص وبا پھیلنے کے زمانے میں یہ کہے کہ مجھے کیا معلوم کہ کون سی مٹھائی اور کون سے پھل پھلیوں نے بیٹھ کر اسے بیٹھے کے کیڑوں سے آلودہ کر دیا ہے میں تو سب کو کھا کر دیکھوں گا کہ کون سی مٹھائی اچھی ہے اور کون سی بری ——— تو آپ کیا اس کو عقل مند کہیں گے۔ اس بات کی صحیح صورت یہ ہے کہ حفظانِ صحت کے ڈاکٹر اور ماہر لوگ اس کی جانچ کریں کہ کون سی مٹھائی صاف ستھری ہے اور کون سی نہیں۔ اس کے بعد ہم سب کا کام یہ ہے کہ اگر ہمیں اپنی جان پیاری ہے تو ہم ان کے کہنے پر عمل کریں اور کسی ایسی مٹھائی کو نہ کھائیں جس کے بارے میں شبہ بھی ہو گیا ہو کہ اس میں وبا کا اثر آ گیا ہے۔

یہی حال کتابوں کا ہے، ایسے لوگ جو پوری طرح اچھائی اور برائی میں فرق نہیں کر سکتے اور جنھیں یہ معلوم نہیں ہے کہ کون سی بات ان کے ذہن، دماغ اور اخلاق کے لیے زہر ہے اور کون سی غذا۔ انھیں اپنی اخلاقی اور ذہنی موت سے ہر دم ڈرنا چاہیے، اور صرف ایسی کتابیں اور ایسے رسالے ہی پڑھنا چاہییں جن کے بارے میں انھیں یقین ہو کہ ان میں غلط اور مضر باتیں نہیں ہیں ———

——— جب آپ چھوٹے تھے اور ہر چیز کو بلا سوچے سمجھے منھ میں رکھ لیا کرتے تھے تو آپ کے بڑے اس بات پر نظر رکھتے تھے کہ کہیں آپ کوئی ایسی ویسی چیز نہ کھا جائیں، وہ برابر آپ کو بتاتے تھے کہ کون سی چیز کھانے کی ہے اور کون سی نہیں، کس چیز کے کھانے سے نقصان پہنچتا ہے اور کس چیز سے پرہیز کرنا چاہیے ——— آج بھی یہ کام آپ کے بڑوں کا ہی ہے۔ در اصل ان کی بے پروائی ہے کہ آپ بہت سے بچوں کے ذہن اور اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ آج کل بچاؤ کا جو کام غذا اور قلم کی مدد سے ہو رہا ہے اس کے ہوتے ہوئے آپ کے بڑوں کا فرض ہے کہ وہ گھر کی ایک ایک الماری اور ایک ایک بکس کی جانچ کریں اور جتنی پڑھنے کی کتابیں، رسالے وغیرہ موجود ہوں ان کو دیکھ کر فیصلہ کریں کہ ان میں سے کون سی چیز گھر میں رکھنے کے لائق ہے اور کون سی نہیں۔ اس طرح گھروں میں جو رسالے آتے ہوں، جو کتابیں خریدی جاتی ہوں جن قسم کے اخبار دیکھے جاتے ہوں سب کے لیے یہ ضروری ہے کہ انھیں اچھی طرح دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جائے کہ ان میں سے کیا پڑھنے کے لائق ہے اور کیا نہیں۔

ذہن اور اخلاق کو بگاڑنے والی ... [illegible]

[illegible]

صبح سے شام تک پڑھنے لکھنے یا کھیلنے کودنے میں جیسے لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ جس طرح کوڑھی کے ساتھ رہنے سے کوڑھی ہو جانے کا ڈر رہتا ہے اور کھجلی والے کے پاس بیٹھنے سے کھجلی لگ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اسی طرح بُری عادتوں والے کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے سے بھی آپ کی عادتوں پر، آپ کے ذہن پر، اور آپ کے اخلاق پر بُرا ہی اثر پڑتا ہے۔ آپ اس بات پر نظر رکھیں کہ آپ کا جو وقت بھی گزرے وہ نیک اور صالح لوگوں کے ساتھ گزرے۔

جس طرح آپ کے بڑوں کے لیے آپ کی غذا اور آپ کی صحت کی نگرانی ضروری ہے، اسی طرح اُن کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس بات پر نظر رکھیں کہ آپ کے ساتھی کس قسم کے لوگ ہیں، وہ اگر آپ کو بُروں سے دُور رکھنا چاہیں، تو آپ اُسے اپنی آزادی پر غیر ضروری پابندی نہ سمجھیں، بلکہ آپ یقین رکھیں کہ چونکہ وہ آپ کے سچے ہمدرد ہیں اس لیے آپ کی ہمدردی میں ہی آپ پر یہ پابندی لگا رہے ہیں۔ آپ اُس بچے کو کیا کہیں گے جو کسی سڑے ہوئے پھل کے کھانے کے لیے مچل رہا ہو اور جب اس کی ماں وہ پھل اسے دینے کے بدلے اٹھا کر پھینک دے تو بچہ یہ سمجھنے لگے کہ ماں اس کی دوست نہیں ہے بلکہ دشمن ہے۔

بہت سے لوگ بُرائی کو پھیلانے میں تقریر سے بھی کام لیتے ہیں۔ ایسے لوگ مجمع کے سامنے اپنے زور دار الفاظ اور لچھے دار باتوں سے بُرائیوں کو زیادہ سے زیادہ خوبصورت بنا کر پیش کرتے ہیں اور تھوڑی ہی دیر میں لوگوں کی عقل اور سمجھ پر پردے ڈال کر اُن کے دل میں ایسی باتیں اُتار دیتے ہیں جو ان کو نفع سے زیادہ نقصان پہنچاتی ہیں۔ یہ لوگ دوسروں کو بیوقوف بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں۔ انھیں اس بات کی بالکل پروا نہیں ہوتی کہ لوگوں کے اخلاق برباد ہو جائیں گے۔ وہ تو بس اپنی غرضوں کے غلام ہوتے ہیں۔

ان کے علاوہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو خود کسی غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں، ان کے دل میں کوئی غلط بات جم جاتی ہے اور اب وہ اسے پھیلاتے ہیں ——— غرض یہ کہ بُرائیوں کے پھیلانے، ذہنوں کو بگاڑنے اور اخلاق کو برباد کرنے میں تقریروں کو بھی بہت دخل ہے، آپ کا فرض ہے کہ آپ صرف ایسے ہی لوگوں کی تقریریں سُنیں جن کے بارے میں آپ پہلے سے یہ معلوم کر لیں کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں ——— اور اگر اتفاقاً آپ کو کسی نئے شخص کی تقریر سُننے کا موقع مل جائے تو آپ اُس کی باتوں کو دل میں جگہ دینے سے پہلے اچھی طرح معلوم کر لیں کہ وہ باتیں کیسی ہیں۔

صبح سے شام تک ایک ہی قسم کے کام کرتے کرتے آپ اُکتا جاتے ہیں اور آپ کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ آپ تھوڑا سا وقت تفریح میں صرف کریں۔ تفریح کے وقت انسان کا دماغ سکون چاہتا ہے، مگر اس سکون کے وقت بھی اس کا ذہن ان باتوں سے اثر قبول کرتا رہتا ہے جو اس کے چاروں طرف ہوتی رہتی ہیں۔ اس وقت بھی آپ کچھ سیکھتے ہیں۔ اس وقت بھی آپ کے [illegible] یا بگڑتے ہیں۔

[illegible] پر اثر ڈالنے والی دوسری چیزوں پر جس طرح شیطان کا قبضہ ہے اسی طرح تفریح کے

سامانوں پر بھی اسی کا تسلط ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے شیطان اپنے مقصد کے لیے اس ذریعے کو سب سے زیادہ مفید اور کارآمد پاتا ہے۔ آپ کو سب سے زیادہ احتیاط تفریح کے بارے میں ہی کرنا پڑے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ چھوٹی عمر والوں کو تفریح سے کتنی دلچسپی ہوتی ہے اور جب تفریح کے سامانوں پر شیطان کا قبضہ ہو جائے اور شیطان کے ایجنٹ ان کو لوگوں کے اخلاق بگاڑنے اور ان کے ذہنوں کو ٹیڑھی راہ پر لگا دینے کے لیے ہی کام میں لانے لگیں تو معاملہ کس قدر نازک ہو جاتا ہے —— شہروں میں آجکل "سنیما" عام تفریح ہے۔ اخلاق کو بگاڑنے اور ذہنوں کو خراب کرنے کے لیے جس قدر حصہ سنیما نے لیا ہے اس کا ذکر تو انشاء اللہ پھر کبھی کریں گے، اس وقت آپ کو یہ بتانا ہے کہ آج کل سنیما اخلاق انسانیت اور نیکی کے لیے زہر ہے۔ آپ ہمیشہ اس سے بچیں اور کسی طرح بھی اس کے قریب نہ جائیں۔ یہی حال تھیٹر اور ناٹک کا ہے۔

سینما کے علاوہ اور بھی بہت سی شیطانی تفریحیں ہیں۔ مثلاً گانا، ناچ اور مشاعرہ وغیرہ۔ آپ ان سے بھی دور رہیں۔ اگر دنیا کے انتظامات بھلے لوگوں کے ہاتھ میں ہوں تو وہ اپنے نیک شہریوں کے لیے بہت سی مفید تفریحات کا انتظام کر سکتے ہیں۔ لیکن جب تک ایسا نہیں ہے آپ کے لیے سب سے اچھی تفریح یہ ہے کہ آپ اپنے کچھ بھلے ساتھیوں کے ساتھ بستی کے باہر ٹہلنے جایا کریں۔ وہاں قدرتی مناظر دیکھیں۔ اور ان کے بارے میں مل جل کر غور کریں۔ پھولوں کا جمع کرنا، پتیوں کا مطالعہ، بہت سی ایسی تفریحات ہو سکتی ہیں، جن سے آپ کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ آپ کی تفریح کے سلسلے میں انشاء اللہ تعالیٰ پھر کبھی کچھ اور لکھیں گے۔

تقویٰ

بھائی صاحب آج بمبئی سے آئے تو میں نے دیکھا کہ ان کے اٹیچی اور ہولڈال پر کاغذ کی بڑی بڑی چٹیں لگی ہوئی تھیں جن پر پورا نام اور پتہ درج تھا۔

"کیا سامان آپ بُک کر کے لائے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں، تم جانتے ہو، عظیم بھائی کا ہر کام باقاعدہ ہوتا ہے۔ ان کے بچے وغیرہ بھی میرے ساتھ آئے ہیں۔ جس کی وجہ سے سامان بہت ہو گیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے ہر چیز پر لیبل لگا دیے کہ راستے میں کہیں گڑبڑ نہ ہونے پائے۔"

یہ سن کر مجھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مفہوم یاد آ گیا۔ جس میں آپ نے تقویٰ کی تعریف کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک اس کی یہ کیفیت نہ ہو جائے کہ جن کاموں کے کر لینے میں بظاہر کوئی کھٹکا نہیں ہے، ان میں بھی شخص صرف اللہ کے خوف کے خیال سے اس لیے احتیاط برتتا ہے کہ کہیں اس میں کوئی خرابی نہ ہو۔

میں نے کہا: "افسوس کہ ان لوگوں کی ساری احتیاط اور باقاعدگی صرف اپنے دنیوی کاموں کے لیے ہے، اللہ کی رضا کے لیے ان کو اپنے کاموں میں محتاط رہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کاش انھیں معلوم ہوتا کہ رشوت لینا بھی اسی طرح تقویٰ کے خلاف ہے جس طرح کسی کا مال چھین لینا۔"

(وحیدالدین خاں)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ۝ فَلَمَّا رَآ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ ۝

(سورۂ ہود۔ رکوع ۷)

اور دیکھو ابراہیم کے پاس ہمارے فرشتے خوش خبری لیے ہوئے پہنچے۔ کہا "تم پر سلام ہو" ابراہیم نے جواب دیا "تم پر بھی سلام ہو" پھر کچھ دیر نہ گزری کہ ابراہیم ایک بھنا ہوا بچھڑا (ان کی ضیافت کے لیے) لے آیا۔ مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے پر نہیں بڑھتے تو وہ ان سے مشتبہ ہوگیا۔ اور دل میں ان سے خوف محسوس کرنے لگا۔ اُنھوں نے کہا "ڈرو نہیں، ہم تو لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔"

(تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) اس سے پہلے آپ کئی پیغمبروں کے حالات اسی سورۃ میں پڑھ چکے ہیں، حضرت لوط علیہ السلام بھی ایک پیغمبر تھے آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک خاص علاقے میں بھیجا تھا تاکہ وہاں کے بسنے والوں کو اللہ کا پیام سنائیں اور انھیں سیدھے راستے پر لانے کی کوشش کریں، یہ علاقہ عراق اور فلسطین کے درمیان واقع تھا۔ اس علاقے کو آج کل شرقی اُردن کہتے ہیں۔ ان لوگوں کا خاص شہر بحیرہ مردار کے قریب تھا۔ اس کا نام سدوم تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے اور اس کی ہدایت سے منھ موڑ لینے کی وجہ سے اس قوم میں بہت سی بُرائیاں پھیل گئی تھیں، حضرت لوط علیہ السلام نے اس قوم کو اللہ کا پیام پہنچایا، اس کو نیکی اور تقویٰ کی راہ دکھائی، گندی باتوں اور بُرے کاموں سے بچنے کی تاکید کی۔ لیکن چند لوگوں کے سوا آپ کی بات کسی نے نہ مانی اور آخر کار اللہ کے قانون کے مطابق اس قوم کی ہلاکت کا وقت آگیا اور یہ فیصلہ ہو گیا کہ اب اس پر

اللہ کا عذاب آئے۔

آپ کو معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سے طریقوں سے آتا ہے۔ اس قوم پر جو عذاب آیا اُس کی تفصیل تو انشاء اللہ آئندہ آئے گی لیکن ان لوگوں کی بربادی اور ہلاکت کے لیے جو فرشتے بھیجے گئے وہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ ان آیتوں میں انھیں فرشتوں کا ذکر ہے جو لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب ...... لے کر آئے تھے۔

(۲) یوں تو یہ فرشتے لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے آئے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے بھی ایک خوش خبری لائے تھے۔ اس خوش خبری کا حال آئندہ آئے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں آئے۔ پہلی بار آپ نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ لوگ فرشتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان کی مہمانی کا انتظام فرمایا اور ایک بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لا کر ان کے سامنے رکھا ——— لیکن یہ سچ مچ انسان تو تھے نہیں اس لیے انھوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا ——— اب حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ مہمان انسان نہیں ہیں۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ فرشتوں کا اس طرح انسانی صورت میں آنا بلا وجہ نہیں ہے۔ ہو نہ ہو یہ اللہ کا عذاب نازل کرنے آئے ہیں۔ یہ جان کر آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا ہوا کہ کہیں آپ کی بستی والوں سے یا آپ کے گھر والوں سے کوئی خطا نہ ہو گئی ہو جس کی سزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا ہے۔ اس خیال سے آپ کو بہت ڈر لگا۔

فرشتے آپ کی حالت دیکھ کر سمجھ گئے۔ اور انھوں نے کہا کہ آپ کے لیے ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے ہم تو لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سنا تو آپ کی پریشانی دور ہو گئی۔

(باقی واقعہ آپ انشاء اللہ آئندہ پڑھیں گے)

نغمۂ صالحہ

محترمہ صالحہ شاکرہ صاحبہ گیاوی

چلو سازِ فطرت بجاتے چلو — حقیقت بھرے نغمے گاتے چلو
چلو ہمتوں کو بڑھاتے چلو — تکاسل، تغافل مٹاتے چلو
چلو اپنی بگڑی بناتے چلو — برائی سے دامن بچاتے چلو
چلو قصرِ باطل کو ڈھاتے چلو — درِ ظلم و عدوان گراتے چلو
چلو آدمیت بناتے چلو — خدا کی حکومت جتاتے چلو
چلو گنجِ حکمت لٹاتے چلو — سیادت، قیادت سکھاتے چلو

[illegible] تمہیں فطرتِ صالحہ
[illegible] ہدایت جتاتے چلو

محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ

انعام

صفیہ کی شادی کو ابھی چند دن ہی ہونے تھے۔ کہ میاں بیوی میں ناچاقی ہو گئی۔ اس کے نتیجے میں اس کے والدین اور سسرال والوں کے تعلقات بھی بہت خراب ہو گئے۔ بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ چند ماہ بعد رضیہ اپنے ماں باپ کے گھر آ گئی جس دن اُس کی ماں اُسے اپنے ساتھ غصے میں لے آئی تھی اُس کا خیال تھا کہ بیٹی کو پاس رکھنا کچھ مشکل نہ ہوگا' اور کنوار بیٹے کے اٹھارہ اُنیس برس بھی تو ہمارے پاس ہی گزرے تھے۔ آئندہ کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ لیکن جب رضیہ شادی کے بعد ماں کے پاس آ کر رہنے لگی تو ایک ایک دن کٹنا مشکل ہو گیا۔ چند دن بعد ہر آنے جانے والے نے پوچھنا شروع کر دیا' کہ رضیہ بی بی سسرال نہیں گئیں؟ جلیل یا اُس کا کوئی رشتے دار آیا ہے یا نہیں؟ آخر رشتے دار دوں' محلے والوں اور ہمسایوں میں طرح طرح کی باتیں شروع ہو گئیں۔ کوئی کہتی لڑکی میں کوئی خاص عیب ہوگا جس کی وجہ سے دولہا میاں کا دل بُرا ہو گیا۔ کوئی کہتی اس کی ماں بھی تیز مزاج ہے' اس نے اُن کے زیور کپڑوں کو ناپسند کیا تھا۔ الغرض جتنے منہ اتنی باتیں' رضیہ اور اُس کی ماں کا تو جینا مشکل ہو گیا۔

اب وہ دونوں اس انتظار میں رہنے لگیں' کہ کوئی بہانہ بن جائے اور رضیہ کسی طرح سسرال پہنچ جائے۔ خدا کی قدرت سسرال والوں میں ایک نیک دل شخص کو خیال آ گیا کہ رضیہ کو واپس اُس کے گھر لانا چاہیے' یہ ناچاقی ٹھیک نہیں۔ وہ چُپ چاپ رضیہ کی ماں کے پاس پہنچے' اور اُسے سمجھایا کہ لڑکی کا اپنے گھر رہنا ہی ٹھیک ہے۔ ماں تو پہلے ہی تیار بیٹھی تھی' اُس نے پہلے تو سمدھی سمدھن کی بُرائیاں بیان کر کے دل کا بخار نکالا پھر کہنے لگی میں آپ کا کہنا رَد نہیں کر سکتی آپ خود ہی اسے ہمراہ لے جائیں میں اور کسی کے ساتھ نہیں بھیجنے کی۔ لیکن اُس شریف آدمی نے کہا میں اسے اپنے ساتھ لے جانا مناسب نہیں سمجھتا میں اس کے خُسر کو لاتا ہوں' وہ خود ہمراہ لے جائیں گے۔

رضیہ پھر سسرال پہنچی لیکن پھر دبی جھگڑا شروع ہو گیا' پُرانے قصے پھر دہرائے جانے لگے آخر پھر لڑائی ہوئی اور دو تین دفعہ اسی طرح جنگ میں کبھی رضیہ سسرال جاتی اور کبھی پھر میکے۔ آخر ایک دن ایسا آیا کہ رضیہ مستقل طور پر میکے آ گئی۔ اُس دن گھر بھر میں وہ کہرام مچا کہ خدا کی پناہ' بہن کو ماں اور بہنیں اُسے گلے لگا لگا کر روتی رہیں۔ رضیہ بھی سارا سارا دن روتی رہتی۔ نہ کہیں آتی نہ جاتی۔ سال ڈیڑھ سال کے بعد رضیہ کے والدین نے سوچا' بیس بائیس سال کی عمر ہی کیا ہے؟ باقی وقت کیسے کٹے گا؟ اگر بیٹی گھر میں بیٹھی ہو تو بیٹوں کو رشتہ بھی کوئی نہیں دیتا' کہ خواہ مخواہ کا فساد کون مول لے۔ آخر اُنھوں نے جلیل سے مطالبہ کیا کہ وہ رضیہ کو طلاق دیدے۔

جلیل اور اُس کے والدین ایسے ہی نرم دل ہوتے تو یہ نوبت ہی کیوں آتی اُنھوں نے صاف کہہ دیا کہ طلاق دینا دلانا ہماری عزت کے خلاف ہے' ہم طلاق نہیں دیں گے۔ اب وہ بیچارے کیا کر سکتے تھے۔ رضیہ نے سوچا کہ اس طرح تو دن گذارنا بھی بہت مشکل ہے' کیوں نہ میں پھر پڑھنا شروع کر دوں' چھٹی ساتویں تک تو پہلے بھی پڑھتی رہی تھی' لیکن اب کچھ یاد نہیں تھا۔ ماں سے صلاح کر کے وہ جلد کالج میں داخل ہو گئی۔ یہ کالج نیا نیا کھلا تھا۔ اس میں لڑکیاں پہلی سے لے کر ایف۔ اے تک پڑھتی تھیں۔ رضیہ کو انھوں نے ساتویں جماعت میں داخل کر لیا۔

١

اُدھر وہ اسکول میں داخل ہوئی اُدھر جلیل نے ایک فیشن ایبل بیوی سے شادی کر لی۔ اُس نے جب کہا کہ رضیہ کو طلاق دے دو، مجھے اس کا خیال کر کے بھی صدمہ ہوتا ہے تو جلیل نے جھٹ اُس کا کہنا مان لیا۔

جب طلاق نامہ رضیہ کے باپ کو پہنچا تو اُسے سخت صدمہ ہوا۔ وہ تو خاموش طبع آدمی تھا چپ رہا۔ لیکن جب ماں نے کاغذ دیکھا تو وہ رونے پیٹنے لگی اور جلیل کو بد دعائیں دینے لگی، کہ جب میں نے کہا تھا طلاق دے دو تو نہیں دی، اب کچھ وقت اور خراب کر کے دی ہے۔

رضیہ کی حالت مختلف تھی، وہ بالکل نہ روئی۔ اور ماں کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ اماں یہ شور و غل مچا کر اپنے آپ کو اور ذلیل کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ میں میٹرک پاس کر کے کسی مدرسے میں ملازم ہو جاؤں گی اور اس سے عمدہ کپڑے پہنوں گی جو مجھے جلیل پہنا سکتا تھا، اور اُس سے اچھا کھاؤں گی جو مجھے اُس کے گھر میں ملتا تھا۔ کیا جلیل کے بغیر میری زندگی نہیں گزر سکتی؟

رضیہ کو پہلے پہلے اُستانیوں کی زندگی پر بہت رشک آیا کرتا تھا کہ روز کیسا خوبصورت لباس پہن کر آتی ہیں اور کس طرح سارا دن کرسی پر بیٹھی حکم چلاتی ہیں۔ کیا گھر میں ایسی حکومت چل سکتی ہے۔ اُسے اُمید تھی کہ پڑھ لکھ کر وہ بھی جلد ہی یہ پوزیشن حاصل کرے گی۔ اسی لیے اُس نے ماں کو خاموش کر دیا تھا۔ لیکن جوں جوں یہ دن گزرتے گئے اُسے اُستانیوں کے خوشنما لباسوں میں چھپے ہوئے پریشان دلوں کا حال معلوم ہوتا گیا۔ وہ سمجھ گئی کہ ان کی زندگی میں اصلی سکھ چین راحت نام کو نہیں۔ ان کے گھر برباد ہیں اور مدرسے میں بھی عزت کے بجائے وہ ذلت و رُسوائی ہے کہ گھر میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ساس نندیں یا خاوند کسی وقت زیادتی کریں تو ان کے جواب میں کسی حد تک زیادتی کی جا سکتی ہے لیکن اسکول میں منیجر اور ہیڈ مسٹرس کا جس وقت جی چاہے جھڑک دیں، اُستانیاں بیچاری بول نہیں سکتیں۔ پھر انسپکٹرس کا ڈر الگ رہتا ہے۔ معائنے کے وقت اگر کوئی غلطی ہو جائے تو سال بھر بدنامی۔

اب رضیہ اُداس رہنے لگی کہ دُنیا میں تو کہیں سکھ نہیں۔ اب اُسے اسکول کی زندگی سے بھی بیزاری سی ہو گئی تھی۔ لیکن بے سوچے سمجھے پڑھتی چلی رہی تھی۔ جب میٹرک کا امتحان دینے کے لیے گورنمنٹ اسکول میں گئی تو وہاں ایک لڑکی کے ہاتھ میں اُس نے ایک کتاب "سلامتی کا راستہ" دیکھی۔ اُسے خیال آیا کہ دیکھنا چاہیے سلامتی کس چیز میں ہے؟ لڑکی اجنبی تھی لیکن رضیہ نے اُس کے ساتھ بات کر ہی لی، اور آخر وہ "سلامتی کا راستہ" ایک دن کے لیے گھر میں لے گئی۔ دوسرے دن فارسی کا امتحان تھا۔ اُس نے اپنے باپ سے کچھ دیر فارسی پڑھی تھی اس لیے اس میں دوسری لڑکیوں سے کچھ اچھی تھی۔ گھر میں جاتے ہی اُس نے پرچے کی تیاری کرنے کے بجائے کتاب سلامتی کا راستہ پڑھنی شروع کی۔ جوں جوں پڑھتی جاتی اُس کی آنکھیں کھلتی جاتی تھیں۔ اُس نے ایک جگہ بیٹھے بیٹھے کتاب ختم کر دی۔ اب تو اُسے یوں معلوم ہوا جیسے کوئی برسوں کی کھوئی ہوئی چیز ہاتھ آگئی ہو۔ معلوم ہو گیا کہ سچی خوشی اور امن صرف اللہ کی غلامی سے مل سکتی ہے۔ اب تو رضیہ پانچوں وقت نماز پڑھنے لگی۔ اُسے دیکھ کر سب حیران تھے کہ اسے کیا ہوا۔

امتحان دے چکنے کے بعد وہ ہر وقت قرآن اور اسلامی کتابوں کے مطالعے میں مستغرق رہتی۔ خصوصاً حدیث پڑھنے اور اُس کے مطابق عمل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ ایک دن رات کے وقت وہ حدیث کی کتاب دیکھ رہی تھی کہ اُس کی نظر سے گزرا لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلٰثٍ کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑے رکھے۔ اس حدیث سے اُس کے دل میں ایک ایسا تیر لگا کہ کتاب چھوڑ کر پلنگ پر لیٹ گئی اور سوچنے لگی کہ میں خود تو درکنار میری وجہ سے اماں نے بھی خالہ اور اُن کے بچوں کو کئی سالوں سے چھوڑ رکھا ہے تو کیا یہ ٹھیک ہے؟ ایمان کے لحاظ سے ہمارا کیا درجہ ہے؟ وہ خیال کر کے کانپ گئی کہ اگر میرا اور جلیل کا نباہ نہ ہو سکا تو کیا اس کا مطلب [illegible]

کہ وہ تو بہت گھر گھر جھگڑے کے لیے ایک دوسرے سے رُوٹھ جائیں؟ اُدھر انسانوں کی طرح ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ میں بھی شریک ہونا چھوڑ دیں۔ اگر نیا رشتہ نہیں نبھ سکا تو کیا اس کی خاطر پُرانا اور ایسا قریبی رشتہ بھی بھلایا جا سکتا ہے؟ کیا طلاق جھگڑوں کے علاج کی بجائے جھگڑے پیدا کرنے والی چیز ہے؟ ہرگز نہیں! طلاق کے بعد تو ہمارے تعلقات درست ہو جانے چاہییں۔ اچھا اب ان کو کیسے ٹھیک کیا جائے؟ اماں تو ہرگز نہ مانیں گی وہ تو خالہ سے سخت ناراض ہیں۔ اگر میں نے منت سماجت کر کے اماں کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ اپنی بڑی بہن سے ملنے چلی جائیں تو خالہ کونسی نرم مزاج ہیں، وہ سیدھے منہ ان سے بات بھی نہ کریں گی، پھر اماں کو اور غصہ آئے گا اور بات پہلے سے بھی بگڑے گی۔

وہ اسی طرح سوچتے سوچتے سو گئی۔ صبح ہوئی تو جلد جلد ناشتہ تیار کر کے سب کو کھلا پلا کر نہانے چلی گئی۔ نہا کر کپڑے بدلے، کنگھی کی، اماں نے پوچھا بیٹی کہاں جانے کی تیاری کر رہی ہو؟ رضیہ چُپ رہی، ماں نے پھر پوچھا، تو کہنے لگی۔ خالہ سے ملنے جا رہی ہوں، ماں نے حیران ہو کر کہا کونسی خالہ؟ رضیہ نے کہا ایک ہی تو خالہ ہے اور کونسی؟ ماں نے کہا بیٹی ہوش کی دوا کرو اُسی نے تو تمہیں گھر سے نکال دیا اور اور تم ہو کہ پھر ذلیل ہونے جا رہی ہو۔

اتنے میں رضیہ نے بُرقعہ پہن لیا، ماں نے پھر ٹوکا تو کہنے لگی: آپ کو رسول کے سچا ہونے کا یقین نہیں؟

ماں: "نعوذ باللہ کیا میں مسلمان نہیں؟"

رضیہ: "تو پھر رسول کو سچا ماننے کا تو یہی مطلب ہے کہ جو کچھ وہ کہیں ہم اُس پر عمل کرنا شروع کر دیں خواہ اُس میں نقصان ہی کیوں نہ نظر آتا ہو؟"

ماں: "بیٹی! ہم گنہگاروں سے کہاں پُورا پُورا عمل ہو سکتا ہے۔ وہ جیسی اپنے فضل سے بخشنے گا تم اس وقت گھر سے باہر مت نکلو، لوگ مذاق کریں گے۔"

ماں منع کرتی ہی رہ گئی لیکن رضیہ چھوٹے بھائی کو ہمراہ لے کر خالہ کے پاس چلی گئی۔ خالہ کو جلیل کی نئی بیوی کے طور طریقے پسند نہ تھے، اور وہ اُس سے سخت بیزار تھی، رضیہ کو دیکھ کر اُس کا دل بھر آیا اُسے گلے لگا کر اپنی اور اُس کی قسمت پہ خوب روئی۔ رضیہ نے کہا خالہ جان! میرے دل میں آپ کی اُسی طرح عزت اور محبت ہے جیسی شادی سے پہلے تھی۔ اتنی دیر جہالت اور ضد نے جدائی ڈالے رکھی۔ اب اللہ نے اپنی مہربانی سے اسلام کی کچھ سمجھ عطا کی ہے تو معلوم ہوا ہے کہ اپنے رشتے داروں سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ غیروں سے لاکھ میل جول رکھو لیکن جو راحت اپنے عزیزوں سے مِل کر حاصل ہوتی ہے وہ اور کسی کے ملنے سے کہاں مل سکتی ہے؟ اب دُعا کیجیے اللہ مجھے اپنا سچا فرماں بردار بنائے۔"

خالہ کا دل باغ باغ ہو گیا اور دعائیں دینے لگی کہ بیٹی قسمت کی بات تھی۔ اُس وقت ہم دونوں بہنوں کے سر پہ جانے کیا جنون سوار ہوا کہ ہم اس جھگڑے کو مٹانے کی بجائے بڑھانے لگیں۔ چند منٹ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں اور رضیہ سلام کر کے واپس آ گئی۔

جب گھر پہنچی تو ماں نے دیکھتے ہی کہا: کیا انعام لے کر آئی ہو؟ رضیہ نے کہا بچھڑی ہوئی خالہ کی ملاقات بجائے خود ایک بڑا انعام ہے جو اللہ میاں نے مجھے عطا کیا۔ دراصل سب عزیزوں کی ملاقات اور محبت ایک نعمت ہے بشرطیکہ وہ کسی غرض یا چال کے ماتحت نہ ہو۔

ماں خاموش ہو گئی، چند دن کی کوشش کے بعد رضیہ نے اپنی ماں کو بھی اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ بھی اپنی بہن کے پاس جائے اور آخرت سنوار لے۔ ماں ایک سمجھ دار بیٹی کی بات جتنی قبول کرتی ہے کوئی اور کم ہی کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ رضیہ کی کوشش سے دونوں گھروں کا پھر ملاپ ہو گیا۔ جو سُنتا حیران رہ جاتا کہ بھلا جن کی بیٹی کو طلاق مل جائے، وہ بھی کبھی طلاق دینے والوں سے ملتے ہیں؟ لیکن رضیہ کے والدین نے ایسا کر کے دکھا دیا۔

یہ سب رضیہ کی اپنی خداجوئی اور نیک خوئی کا نتیجہ تھا۔ آخر رضیہ کی اس نیکی اور حسن عبدی کا ہر گھر میں چرچا ہوا۔ بہت اچھے اچھے گھرانوں سے رشتے آنے لگے۔ رضیہ کے باپ نے دولت پر شرافت کو ترجیح دی اور اس کی شادی ایک صالح آدمی سے ہوگئی ۔

اب رضیہ دو بچوں کی ماں ہے۔ اور دونوں میاں بیوی خوشی خوشی زندگی گزار رہے ہیں ۔

آپ کا خط ملا

لطیف احمد سعدی صاحب ۔ قادرآباد

آپ کی مرسلہ نظمیں ملیں۔ اگر آپ اپنے کلام میں مقامی طور پر اصلاح لے لیا کریں تو زیادہ مفید ہو۔ کسی کام میں آگے بڑھنے کے لیے آپ محض اس جذبے سے کام نہ لیں کہ عام طور پر لوگوں کے سامنے آنے اور اس کی تعریف ہی کی جانے۔ کام میں آگے بڑھنے کے لیے سب سے اچھا جذبہ یہ ہے کہ آپ اللہ کی رضا کو اپنا مقصود بنائیں اور جو کچھ کر سکتے ہوں صرف اس کی رضا کے لیے کریں ۔

تنویر فاطمہ صاحبہ ۔ سترکھ

خوشی کی بات ہے کہ آپ نے "الحسنات" میں دیئے ہوئے مشورہ پر عمل کیا۔ آپ کا دوسرا مضمون "بہلول" مل گیا انشاءاللہ یہ بھی شائع ہوگا۔ آپ کی "تمثیل" اسی اشاعت میں دی جا رہی ہے ۔

لبیب واسطی صاحب ۔ جمشید پوری

آپ کا افسانہ ملا۔ فن اور ترتیب خیالات کے اعتبار سے بھی یہ بہت قابل ترمیم ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنے کچھ اور اچھے مضامین بھیجیں گے ۔

حبیب اللہ صاحب ۔ آزاد قادری ۔ اجمیر شریف

آپ کا مضمون ملا۔ آپ کی پہلی کوشش ہونے کے اعتبار سے بہت خوب ہے۔ اگر آپ نے مشق جاری رکھی تو انشاءاللہ بہت جلد اچھا لکھنے لگیں گے۔ آپ اگر اسی مضمون کو ذرا مختصر کر کے پھر سے لکھیں اس طرح کہ یہ لکھا ہوا مضمون بالکل آپ کے سامنے نہ ہو اور آپ یہ سوچنے کے بدلے کہ آپ کوئی مضمون لکھ رہے ہیں جو الحسنات میں شائع ہوگا۔ یہ تصور کریں کہ آپ اپنے کچھ ساتھیوں کو سیدھے سادے الفاظ میں یہ سمجھا رہے ہیں کہ والدین کی اطاعت کیوں اور کس وجہ ضروری ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس طرح لکھا ہوا آپ کا مضمون یقیناً ایک اچھا مضمون ہوگا ۔

عبدالرحمٰن خاں صاحب ۔ تبسم

آپ کا مضمون مجیب صاحب "حیات نو" کی وساطت سے ملا۔ مضمون کی طوالت شاید کسی نہ کسی طرح برداشت کر لی جاتی لیکن چونکہ مضمون میں اکثر باتیں بھی آگئی ہیں جو اگرچہ بے انتہا مفید ہیں لیکن موضوع سے براہ راست متعلق نہ ہونے کی وجہ سے اپنے محل پر بے جوڑ معلوم ہوتی ہیں۔ مختصر مضامین میں موضوع سے ہٹنا موضوع کی خوبی کو ختم کر دیتا ہے۔ اس بارے میں آپ اگر اپنی تحریرات پر نظر ثانی فرما کر قدرے ترمیم فرما لیا کریں تو امید ہے کہ آپ کے مضامین بہت مفید اور کارآمد ہو سکیں گے ۔

جناب ذوالفقار احمد صاحب

مسلمان بچے کی دعا

خدایا جس طرح روشن ہیں تارے
انہیں جیسی مجھے بھی روشنی دے

عطا پھولوں کو جیسا رنگ و بو ہے
مرے دل کو بھی اس کی آرزو ہے

مہکتے پھول ہیں گلشن میں جیسے
مرے اللہ مجھے ویسی مہک دے

عطا بلبل کی ہو رنگیں بیانی
منور کر دے میری زندگانی

مجھے ایمان کی دولت عطا کر
مجھے عزت، مجھے رفعت عطا کر

مجھے بازوئے حیدر اے خدا دے
ابوبکرؓ و عمرؓ سا ولولہ دے

عطا ہو کام مجھ کو بھی خضرؑ سا
بنوں میں رہنما خلقِ خدا کا

اگر کچھ ہے تمنا بس یہی ہے
مرے جینے کا منشا بس یہی ہے

محترمہ نسیم آرا صاحبہ
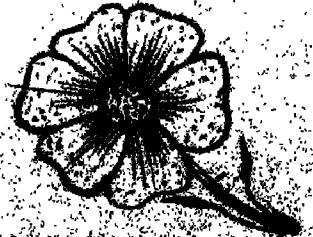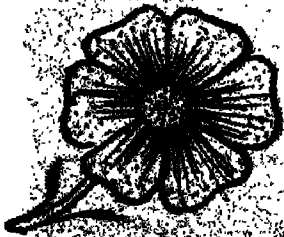
میری پنسل

یہ زرد رنگ کی ایک خوب صورت سی پنسل ہے۔ عرصہ ہوا میں نے اُسے اپنے بھائی کے پنسلوں کے ڈبے سے لیا تھا اور پھر اُسے سنبھال کر اپنے پاس رکھ لیا تھا کہ ضرورت کے وقت کام آئے۔ وہ دیر تک اسی طرح پڑی رہی۔ ایک دن میرے پاس کوئی پنسل نہ تھی چنانچہ میں نے اُسے نکال لیا اور بنا کر اُسے استعمال کرنے لگی تو پتہ چلا کہ اس کا سکہ پھیکا ہے۔

جب مجھے معلوم ہو گیا کہ اس کا سکہ پھیکا ہے اور یہ ٹھیک طرح سے لکھ نہیں سکتی تو فوراً ہی وہ میری نگاہوں میں بے حقیقت سی ہو کر رہ گئی۔ اس کے بعد میں اُسے بے پروائی سے اِدھر اُدھر ڈال دیا کرتی اور اس کی حفاظت کا کوئی خاص اہتمام نہ کیا کرتی۔ حالانکہ یہ وہی پنسل تھی جسے میں نے مدتوں سنبھال کر رکھا تھا۔

ایک دن میری پانچ سالہ بہن رانی نے مجھ سے پنسل مانگی تو میں نے وہی پنسل اُٹھا کر دے دی۔ مجھے خیال بھی آیا کہ رانی کہیں پنسل گم نہ کر دے مگر اس نیم بے کار پنسل کے گم ہو جانے کا خیال کچھ ایسا پریشان کن نہ تھا کہ میں اس پر زیادہ توجہ دیتی۔ رانی پنسل لے گئی مگر چند ہی منٹوں بعد وہ پھر میرے کمرے میں آئی اور وہ پنسل واپس کر دی۔ اس واقعے نے مجھے کچھ حیران سا کر دیا کیونکہ مجھے بالکل یاد نہیں کہ رانی نے کبھی مجھ سے پنسل لی ہو اور پھر واپس بھی کی ہو۔ شاید اس نکمی پنسل کے پھیکے سکے نے اُسے بھی پریشان کر دیا اور اُس نے اُسے واپس کر دینا ہی مناسب سمجھا۔

کتنی ہی دیر یہ پنسل میرے کمرے کی کھڑکی میں سب آنے جانے والوں کی نظروں کے سامنے پڑی رہی اور آج کل ایک دراز میں اپنی فضول زندگی کے دن پورے کر رہی ہے۔ اس دوران میں نہ یہ گم ہوئی ہے، نہ کسی نے اسے اُٹھایا ہے اور نہ ایک دو دفعہ کے بعد اسے بنایا ہی گیا ہے۔

یہ پنسل خوب صورت بھی ہے۔ اس کا گہرا زرد رنگ آنکھوں کو خوشنما بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے سرے پر ایک ربڑ بھی لگا ہوا ہے، لیکن اس کا سکہ پھیکا ہے۔ اور اس پھیکے سکے نے اس کی ظاہری خوب صورتی پر بھی پانی پھیر کر رکھ دیا ہے۔

اس پنسل نے مجھے اپنی اُن بہنوں کی یاد دلا دی ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے شکل و صورت بھی عطا کر رکھی ہے، مال و دولت سے بھی نواز رکھا ہے اور دُنیاوی علم سے بھی حصّہ دے رکھا ہے۔ مگر جن کے دل اللہ تعالیٰ کی محبّت اور اُس کے خوف سے خالی ہیں، وہ جوانی قیمتی اور کار آمد دن ساٹن، کریپ، جارجٹ، سونا، موتی، قہقہوں چہچہوں کی بھینٹ چڑھا دیتی ہیں اور جب بڑھاپے کی شام آتی ہے اور حُسن جھرّیوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے، دولت ٹھیکریاں بن جاتی ہے اور ناقص علم بھول بسر جاتا ہے تو پھر ٹھنڈا سانس بھر بھر کر بڑی حسرت سے گذری ہوئی بہاروں کو یاد کرتی ہیں کہ:

"ہائے کہاں گئے وہ دن!"

اور اس کے بعد قبر کا تاریک گڑھا موجود ہوتا ہے جو خدا معلوم اپنے ساتھ کیا کچھ لاتا ہے اور پھر معاملہ اسی پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ سب سے کڑا امتحان ابھی باقی ہے۔ جس کا نتیجہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔

اے کاش! ہماری ان بہنوں کو ان خطرناک مرحلوں کے آنے سے پہلے پہلے ہی اس بات کا پتہ چل جائے کہ یہ حُسن، یہ دولت اور یہ رنگ و روپ کیا حیثیت رکھتے ہیں، اور جب تک ان کے دلوں میں خدا پرستی پیدا نہ ہوگی ان کی حالت اسی زرد پنسل کی مانند رہے گی جو دیکھنے میں خوشنما ہے مگر جس کے اندر کا سکہ پھیکا ہے۔

कमल
बच्चों के लिये

رام پور

ہندوستانی زبان اور ہندی رسم الخط میں

بچّوں کے لیے ایک ماہوار رسالہ

اس ملک کی سرکاری زبان ہندی ہو چکی ہے۔ آپ کے بچّوں کو ہندی ہی میں سب کچھ پڑھنا پڑ رہا ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ ہندی میں اسلامی تعلیم تقریباً صفر کے برابر ہے۔

- آپ کو اپنے بچّوں کو اسلامی تعلیم دینا ہے،
- انھیں اسلام کے بنیادی عقائد سکھانا ہیں،
- انھیں خیالات، عقائد اور طرزِ فکر کے لحاظ سے سچّا مسلم اور سچّا خدا پرست بنانا ہے۔

کمل بچّوں کو اسلامی عقائد سمجھانے اور انھیں مسلمان بنانے کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا۔
کمل کی زبان سادہ ہندوستانی ہوگی جسے بچّے اچھی طرح سمجھ سکیں۔
کمل کے تمام مضامین بچّوں کی نفسیات کو سامنے رکھ کر مرتب کیے جائیں گے۔
کمل بچّوں کے لیے دینی تعلیمات کا بیش قیمت ذخیرہ ہوگا۔
کمل اس کوشش کا پہلا قدم ہے جو ہمیں اردو کے متروک ہو جانے کے بعد اس ملک میں اسلام کو باقی رکھنے کے لیے کرنا ہے۔

ہمیں اُمید ہے کہ آپ اس مہم کو کامیاب بنانے میں اپنے لفظ و قلم سے تعاون کریں گے اور **کمل** اُس نسل تک پہنچا دیں گے جو زیرِ تعلیم ہے۔

خوبصورت ٹائٹل، دیدہ زیب طباعت اور پابندیٔ وقت کو آپ **کمل** کی خصوصیات پائیں گے۔

سالانہ چندہ ــــ تین روپیہ آٹھ آنے ــــ فی پرچہ ــــــ ۵/

جلد اپنا چندہ بھیج کر خریدار بن جائیے ــــ

منیجر رسالہ کمل دفتر الحسنات رامپور یوپی

بچّے کی دوستی یا دُشمنی؟

بچہ کتاب اُٹھا لایا اور آپ چلائیں ۔ "ارے شریر بھائی کی کتاب اُٹھا لایا، پھاڑے گا؟ رکھ دے کتاب بہت جلد" بچہ یقین دلاتا ہے اور کہتا ہے: "نہیں پھاڑوں گا نہیں" مگر آپ ایک چپت رسید کرتے ہوئے کتاب چھین ہی لیتی ہیں۔ بچہ سسکیاں لیتے یا احتجاج کے طور پر چیختے چلاتے خاموش ہو ہی جائے گا، مگر آپ کو کیا معلوم ان گالیوں، تھپڑوں اور جھڑکیوں میں اس کی بربادی کے کتنے سامان آپ نے جمع کر دیئے۔ آپ نے کتاب کا ورق بچا لیا لیکن اپنے "بچّے" کو نہ بچا سکیں ۔

بچہ سمجھ گیا کہ دُنیا میں بچہ ہونا بہت بُری بات ہے۔ اس کی نظر میں اس کے ماں باپ خوفناک جھڑکیاں اور دھمکیاں دینے لگے۔ وہ ان سے نفرت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اب آپ کی بھلی بات بھی اُسے کڑوی ہی لگتی ہے۔ وہ اب آپ کو اپنا ہمدرد نہیں سمجھتا۔ اس کی فطرت کا تقاضا تھا کہ آپ اسے خود نیک و بد کی تمیز کرنے میں امداد دیتیں آپ نے ایسا نہیں کیا۔ نیک و بد کا فیصلہ آپ نے خود کیا اور اس فیصلے کو ہمیشہ اس پر بزور مسلط کرنا چاہا۔ اس نے اس فیصلے کے کسی جزو پر اگر آپ کی ہیبت سے کوئی عمل کر لیا تو آپ نے سمجھا بچہ سدھر رہا ہے اور اگر اس کی آزاد فطرت نے سرکشی اختیار کی اور آپ کے فیصلے کے آگے سر نہیں جھکا تو آپ نے جانا بچہ بگڑ رہا ہے۔ آپ نے اس کے سدھار کے لیے خوف کو اپنا ہتھیار جانا، لیکن آپ کو یہ خبر نہ ہوئی اس کی اپنی فطرت سے آپ کس طرح کام لیں۔ قصور آپ کا تھا مگر بچہ بگڑ گیا۔ اب چاہے آپ قسمت کو روئیں یا ماحول کو لیکن قدرت کی نگاہ میں مجرم آپ ہی ہیں۔

بچہ کھیل میں لگا ہوا ہے۔ کچھ بن رہا ہے، کچھ بگڑ رہا ہے۔ بگڑی کو بنانے کی بار بار کوشش ہو رہی ہے، بار بار جا رہا ہے، بہت کٹھن مہم درپیش ہے، اگر اس وقت دھیان کسی طرف بھٹک جائے تو سب کچھ برباد ہو جائے گا، جیتی ہوئی بازی ہر جائے گی، کھانا بعد میں کھایا جا سکتا ہے۔ مگر آپ ہیں کہ بار بار پکار رہی ہیں۔ "ارے نالائق ادھر آ، کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے، میں کب سے لیے بیٹھی ہوں، کھانا ہے تو کھا لے نہیں ابھی ایسی خبر لوں گی کہ یاد ہی کرے گا۔"

بچہ مجبور ہو کر جھوٹ کا آسرا لیتا ہے۔ بار بار کہتا ہے: "آتا ہوں" "ابھی کھاتا ہوں"، مگر نہیں آتا جھوٹ اور فریب کی مشق ہو رہی ہے، مگر آپ کو ضد ہے کہ کھانا ابھی کھلا کر رہوں گی۔ بچے کی فطرت کا تقاضا ہے کہ جو کچھ کر رہا ہے اُسے انجام تک پہنچا کر نتیجہ تو دیکھ لے۔ بچّے کے سامنے کھانے سے زیادہ اہم کام ہے۔ اس وقت وہ کھانا کیسے کھا سکتا ہے۔ مگر آ... وہ گھسیٹا جائے گا، پیٹا جائے گا، اس کے کان کھینچے جائیں گے، اسے کھانے پر مجبور کیا جائے گا

وہ کہتا ہی رہے گا "بس، اب نہیں کھاتا، پیٹ بھر گیا۔" کون سنتا ہے۔ وہ اٹھے گا، مگر زبردستی پھر بٹھا دیا جائے گا۔ اس کے منھ میں نوالے ٹھونسے جائیں گے، اس طرح مزے دار سے مزے دار کھانا بھی اس کے لیے کڑوی دوا بن جائے گا وہ سوچتا ہے: "آپ اس کی کیسی دشمن ہیں!"

کھیل بچوں کا پیدائشی حق ہے۔ انھیں کبھی اس سے محروم نہ کیجیے۔ ان کا کھیل زندگی کا کھیل ہے۔ وہ کھیل کے ذریعے آئندہ کے لیے تیاری کر رہے ہیں، وہ گھر بنانا سیکھ رہے ہیں، وہ گھوڑے کی سواری کی مشق کر رہے ہیں، وہ سائیکل چلانا سیکھیں گے، انھیں موٹر چلانا ہے، بندوق چلانا سیکھنا ہے، انھیں کھیلنے دو۔ ان کی بھوک کا اندازہ آپ کیسے لگا سکتی ہیں، جب بھوک لگے گی وہ خود آپ سے آپ دوڑے آئیں گے اس وقت سوکھے نوالے قورمے اور پلاؤ کا مزہ دیں گے۔ خوب سیر ہو کر شوق سے کھائیں گے۔

آپ ان کے کاموں میں مخل نہ ہوں، ان کے کاموں میں امداد کریں۔ کھیل کے ذریعے انھیں سیکھنے میں امداد دیں۔ یہی ان کے حق میں آپ کی دوستی ہے۔

اکثر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بڑی عمر کے لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دینے کا نام "تعلیمِ بالغان" ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک تعلیمِ بالغان کا یہ نہایت ناقص مفہوم ہے۔ پڑھنا لکھنا دراصل تعلیم نہیں ہے۔ بلکہ تعلیم حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے ——— علم کیا ہے؟ ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ انسان کو کم از کم یہ معلوم ہو جائے کہ دُنیا میں اس کے وجود کا مقصد کیا ہے، اس سارے عالم اور خود اس کے پیدا کرنے والے سے اس کا کیا تعلق ہے؟ وہ اپنے کاموں کے لیے کس کے سامنے جواب دہ ہے اور یہ کہ انسان کی ہدایت کا صحیح سرچشمہ کیا ہے۔

اللہ کے بندوں تک ان سوالات کے صحیح جوابات پہنچا دینا اور اسی بُنیاد پر ان کی زندگیوں میں تبدیلی پیدا کر دینا ہی دراصل "تعلیم دینا ہے" اس تعلیم حاصل کرنے کے لیے لکھنا پڑھنا بھی ایک ذریعہ ہے۔ اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر تعلیمِ بالغان کے کام کو سہل کرنے کے لیے حسبِ ذیل کتابیں لکھی گئی ہیں جو بحمد اللہ بہت مقبول اور مُفید ثابت ہوئی ہیں:

قاعدہ ۲ر پہلی کتاب ۳ر دوسری کتاب ۳ر تیسری کتاب ۳ر

ان سب کتابوں میں اُستاد کو وہ تمام موضوعات مل جاتے ہیں جن پر گفتگو کرنے کے بعد وہ اپنے شاگردوں کو اسلام کی بُنیادی تعلیم اور عقائد اچھی طرح پڑھا سکتا ہے۔ اس کے بعد

عبادت — ایک دلچسپ مکالمہ ہے، جس میں تعلیمِ بالغان کی صحیح اہمیت واضح کرنے کے ساتھ ساتھ عبادت کا صحیح مفہوم نہایت سادہ انداز میں دل نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ قیمت ——— ۸ر

نماز — عبادت کے بعد نماز اس سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ جس میں نماز میں پڑھی جانے والی دعاؤں کا مفصل ترجمہ بتانے کے ساتھ ساتھ نماز کی اصل روح سمجھائی گئی ہے ——— قیمت ۸ر اس کتاب کے بعد طالب علم میں اتنی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دینی معلومات پر لکھی ہوئی آسان کتابیں خود پڑھ سکے۔ اس سٹ کی مدد سے آپ بھی [illegible] خدمت کرنے کا موقع تلاش کریں۔

مینجر مکتبہ الحسنات رامپور۔ یو۔ پی

نوٹ: [illegible] مکتبہ الحسنات [illegible] فہرست طلب فرمائیں۔

از ممتاز جہاں صاحبہ

بھائی جان کی شادی کے سلسلے میں ممانی جان، خالہ جان، چچی جان اور خدا معلوم کون کون سے رشتے دار جن کو تمام عمر دیکھنے کا اتفاق بھی نہیں ہوا تھا، آئے ہوئے تھے۔ گھر میں خوب رونق تھی۔ تقریباً ہر ایک کے ساتھ کچھ نہ کچھ بچے تھے۔ اور ان بچوں کے ساتھ ان کی ماؤں کی چاہت الامان والحفیظ۔ ایک صاحبہ ہیں، ان کے شوہر کے والد صاحب اور ہمارے دادا صاحب دوست تھے، لہٰذا آپ ہماری چچی جان ہوئیں۔ ماشاءاللہ ان کے تین لڑکیاں اور چھ لڑکے ہیں۔ میں نے کبھی ان کو کسی بچے کا منہ دھلاتے نہیں دیکھا، خواہ کتنے ہی گندے پھر رہے ہوں لیکن اس سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ انھیں بچوں سے محبت نہیں۔ ذرا کسی بچے کو کچھ کہہ کر تو دیکھیے، آپ کے کیسے لتے لیتی ہیں۔ یہ خالہ جان ہیں کس رشتے سے خالہ ہوتی ہیں، معاف کیجیے باوجود کوشش کے مجھ کو یاد نہ ہو سکا۔ بچوں سے محبت کی سب سے بڑی نشانی ان کے نزدیک یہ ہے کہ بچے خواہ کچھ ہی کیوں نہ کریں کبھی ان کو نہ ٹوکیں، یہ بات الگ ہے کہ چھوٹی اماں پر غصہ آیا تو گود میں سے بچی کو نیچے پھینک دھڑا دھڑ پیٹ ڈالا۔ آئیے اب ممانی جان سے بھی تعارف کرا دوں۔ آپ کا ایک ہی لڑکا ہے، لہٰذا جتنی بھی چاہت ہو کم ہے۔ لڑکا بھی حالانکہ ڈھائی تین برس کا ہوگا لیکن اپنی قدر و قیمت سمجھتا ہے۔ کسی کے کاٹ لیا، تو کسی کو دھکا دے دیا۔ کسی کے چپت جمایا، اور ان کی والدہ ہیں کہ بیٹے کی یہ حرکتیں دیکھ کر نہال نہال ہو رہی ہیں۔

ایک روز دوپہر کے وقت کمرے کے دروازے اندر سے بند کر کے باغیچے کی طرف کی کھڑکی کھول کر میں اپنے بستر پر دراز ہو گئی، اس ارادے کے ساتھ کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ہرگز نہ اٹھوں گی۔ بھلا آپ ہی بتائیے رات کو سونا ملے نہ دن کو آرام تو آدمی کا کیا حال ہوگا۔ دن کو بچوں کا شور اس قدر ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے مکان کی چھت اڑ جائے گی۔ رات کو جب یہ اخوان الشیاطین سو جاتے تو محترم ماؤں کی کانفرنس شروع ہو جاتی جو رات کے ایک دو بجے تک جاری رہتی۔ ذرا آنکھ لگی تھی کہ فجر کا وقت ہو گیا۔ نماز و تلاوت سے فارغ ہو کر لیٹنے کا ارادہ ہی تھا کہ ادھر سے آواز آئی "ثمینہ؟ دیکھو یہ خالدہ کی بچی قمیص نہیں پہنتی کیسی گندی ہے، تم ہی اسے لال پھول ست دینا۔" لیجیے سونا ختم۔ بہلا پھسلا کر خالدہ خانم کو جو ابھی خود بچی ہے لیکن ان کی والدہ صاحبہ "خالدہ کی بچی" کے لقب سے پکارتی ہیں، بنایا سنوارا۔ ابھی اس سے فارغ نہیں ہوئی تھی کہ دوسری طرف سے پکار پڑی [illegible] اس وقت میں تہیہ کر کے لیٹی تھی کہ خواہ کوئی آواز دے میں ہرگز نہ اٹھوں گی۔ لیکن انسان کے ارادے سے کیا ہوتا ہے۔ [illegible] کھڑکی سے باہر کیا دیکھتی ہوں کہ دو صاحبزادے کھڑے آتش بازی چھوڑ رہے ہیں۔ آتش بازی [illegible]

مزاج کو دھوپ میں ضبط نہ ہو سکا۔ باہر نکلی تو چھوٹے صاحبزادے مزے سے میٹی پھانک رہے تھے، منجھلے صاحب درختوں میں پانی دینے والا فوّارہ لے کر کپڑوں سمیت نہا رہے تھے۔ چھت پر نگاہ گئی تو بڑے زور سے پتنگ بازی ہو رہی تھی۔ میرا خون کھول اُٹھا۔ بھلا دیکھو تو، یوں تو بچوں پر جان جاتی ہے اور اُن کو سنبھال رکھتا ہے، ایسی چلچلاتی دھوپ میں چلے ہے کپڑوں میں آگ لگ جائے، جل جاویں یا بھاپ ہو، پر کچھ خبر ہی نہیں۔ واپس پلٹی تو چچا کی امّاں جان سے کہوں، دالان کے قریب پہنچی تھی کہ کانوں میں آواز آئی:

"کیا بتاؤں بہنا قسمت ہی ایسی لے کر نہیں آئے کہ کسی اولاد سے سُکھ دیکھتے۔" یہ ہماری چچی جان تھیں ان کا ایک لڑکا آوارہ ہو گیا ہے بیٹا شادی ہو کر ماں باپ سے ایسا فرنٹ ہوا کہ کبھی صورت دکھانے کا بھی روادار نہیں، ایک بیٹی کی شادی کی ہے اُس کی شوہر اور سسرال والوں سے بنی نہیں اس کے جھگڑے پڑے ہوتے ہیں انہیں کے رونے رو رہی تھیں —— ان کی باتیں سُن کر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آخر ان کو حق کیا ہے اولاد کی شکایت کرنے کا جب کہ یہ خود ان کی پرورش اور تربیت و تعلیم سے اتنی غافل ہیں، ساری عمر ان کو یہ خیال نہیں آیا کہ ان کے اوپر اولاد کی کچھ ذمہ داری بھی ہے۔ بچوں کے اخلاق خود خراب کریں، بُری عادتیں خود ڈالیں، اور پھر طُرّہ یہ کہ اپنا بُرا نمونہ ان کے سامنے پیش کریں۔ بچے نے کچھ قصور کیا تو محض اس لیے کہ باپ ڈانٹے یا کچھ سزا نہ دے اس کی صفائی میں خود جھوٹ بولا، جلدی سے اس کی پُشت پناہ بن گئیں۔ ویسا ہی ان کو ماحول ملا کہ بچپن سے ہی اچھے نیک لڑکوں سے کبھی نہ بنی، جس کا اخلاق جتنا زیادہ خراب وہی ان کا گہرا دوست، نواب صاحب اپنے کپڑوں میں ہی پھولے نہیں سماتے خوشامدی اور لالچی لڑکوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ والد صاحب اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو بچے سے پہلے ان کی ماں پسور نے بیٹھ جاتی ہیں۔ تو آخر بڑے ہونے کے بعد ان سے یہ اُمید کیسے کر لی جاتی ہے، کہ یہ ماں باپ کے فرماں بردار اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوں گے۔ جیسے بیج بوئے ویسے ہی پھل کھانے پڑ رہے ہیں، پھر اس کی شکایت کیوں! کاش ہماری مائیں اور بہنیں یہ بات سمجھ لیں۔ دُنیا میں تو اولاد کے ہاتھوں جو رنج سہتی ہیں سو ہے لیکن آخرت کا رنج اور دُکھ اس سے کہیں زیادہ ہوگا۔ جب کہ اللہ تعالےٰ کے آگے پیش ہوں گی اور وہ اپنے بندوں کے متعلق جو آپ کی تحویل میں دیے گئے تھے سوال کرے گا اور اُس وقت پچتانے اور افسوس کرنے کا بھی وقت نہ ہوگا +

اعلان

ہم نے اس خیال سے کہ زیادہ سے زیادہ مضامین آپ کے سامنے پیش کر سکیں الحسنات کے مضامین باریک خط میں لکھوانا شروع کیے تھے اور حسناتی بھائی بہنوں سے دریافت کیا تھا کہ انھیں یہ باریک خط پسند ہے یا نہیں؟ جا بجا سے اس سلسلے میں جو خطوط آئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ حسناتی بہنوں اور بھائیوں کو باریک خط پسند نہیں ہے۔ چنانچہ اب انشاءاللہ آئندہ سے ہم الحسنات کی کتابت تقریباً اسی خط میں کرائیں گے جس میں پہلے ہوتی تھی۔ —مدیر"

محترمہ تنویر فاطمہ صاحبہ

ایک دعوت میں

افراد:

صوفیہ: ایک دین دار خاتون۔

شہناز: ایک دُنیا دار خاتون۔

رخسانہ: صوفیہ اور شہناز کی سہیلی۔

منظر:

شام کا وقت ہے۔ ایک سجے ہوئے مکان میں طرح طرح کی عورتیں جمع ہیں اور ایک دوسرے سے باتیں کر رہی ہیں کچھ لڑکیاں اس طرف جلدی جلدی ادھر اُدھر آ جا رہی ہیں جیسے کوئی انتظام کر رہی ہوں۔ یا انتظام ایک دعوت کا ہے جو رخسانہ کی سالگرہ پر منائی جا رہی ہے۔

شہناز مکان کے صدر دروازے سے داخل ہوتی ہے اور سبھوں کو سلام کرتی ہوئی ایک پلنگ کی طرف بڑھتی ہے پاس ہی صوفیہ بھی بیٹھی ہوئی ہے۔ جس کو وہ پہلے سے نہیں جانتی ہے اس کو رسماً سلام کرتی ہے اور بیٹھ جاتی ہے۔ اتنے میں ادھر رخسانہ بھی آ پہنچتی ہے۔

رخسانہ: "تسلیمات بہن شہناز۔ خیر خدا کا شکر کہ تم آ تو گئیں۔"

شہناز: "تسلیم! بہن کیا بتاؤں بس چلنے میں ہی کچھ دیر ہو گئی۔"

رخسانہ: (مسکرا کر) "کچھ نہیں کہتیں کر کیا سکتی ہیں۔ دیر ہوئی ہی بس تمہاری طرف سے اُمید ہو چلی تھی۔"

شہناز: (مسکراتے ہوئے) [illegible]

[illegible]

مجھے کام زیادہ ہے اس لیے چلتی ہوں تم جب تک میری عزیز سہیلی صوفیہ سے باتیں کرو (صوفیہ کی طرف مخاطب ہو کر) اچھی صوفیہ یہ میری بچپن کی سہیلی شہناز ہیں۔ اُمید ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہو گی۔ شہناز خیال رکھنا ہماری صوفیہ بھی "مولانا" ہیں۔

[رخسانہ یہ کہہ کر ہنستی ہوئی چلی جاتی ہے اور صوفیہ و شہناز ایک دوسرے کی طرف دیکھتی ہیں اور باتیں کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ البتہ شہناز کچھ گھبرائی ہوئی سی معلوم ہوتی ہے۔ شاید مولانا کے لفظ سے گو یا اتفاق صوفیہ کے پاس بیٹھنا پڑا تھا اس لیے مجبور تھی]

صوفیہ: "بہن آپ کچھ اکتائی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔"

شہناز: (گھبرا کر) "نہیں تو آپ کا خیال ہے۔ ہاں البتہ یہ رخسانہ بعض وقت ایسے مذاق کرتی ہے کہ دوسروں کے احساس کا بالکل خیال ہی نہیں رکھتی۔"

صوفیہ: "کیسا مذاق؟"

شہناز: "یہی کہ جیسے آپ کو مولانا کہہ کر آپ پر چوٹ بھی کر گئیں۔"

صوفیہ: (مسکراتے ہوئے) "آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔ ویسے بہن [illegible]

[illegible]

شہناز: "بہن میں تو آپ کے [illegible] تک کرنے کے لائق نہیں مگر [illegible] ضرور ہے کہ [illegible] آپ [illegible] ہو گئی۔"

[illegible]

[illegible]

شہناز: "سچ پوچھئے تو یہ آپ کا انکسار ہے۔ ورنہ آپ بہت کچھ ہیں۔"

صوفیہ: "اچھا آپ تو بنا دیں گی مجھ میں غرور پیدا کر کے ہی۔ اور حقیقت یہ ہے وہ صرف اتنی ہے کہ میں اپنے پیدا کرنے والے سے خائف ہوں۔"

شہناز: [صوفیہ کا اس جملے سے کتنا متاثر ہو جاتی ہے لیکن اپنے پر جبر کرتے ہوئے جواب دیتی ہے] سب کو ہی خائف ہونا چاہیے۔"

صوفیہ: "میں سمجھتی ہوں کہ مجھے ایک دن پھر اُس کے سامنے جانا ہے، اور جو کچھ میں نے یہاں کیا تھا اس کا جواب دینا ہے۔"

شہناز: "آپ ٹھیک کہتی ہیں۔"

صوفیہ: "میں خود کو اُس کی مرضی کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کرتی ہوں، اور اس لیے مجھ کو کافی سکون ملتا ہے۔"

شہناز: "جی ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔"

صوفیہ: "بہن آپ کو تعجب ہوگا کہ میں بھی ایک زمانے میں کئی ایک سہیلیوں کی طرح ناؤ نوش پسند کرتی تھی۔ مگر ایک دن اتفاقاً مجھ کو یہ احساس ہوا کہ مجھے صرف اس دنیا میں ہی نہیں رہنا ہے، بلکہ یہ زندگی تو آنے والی زندگی کے ایک لمحے کے برابر بھی نہیں ہے تو پھر میں کیوں ایک چھوٹی زندگی کے لیے ایک بہت بڑی زندگی کو برباد کروں۔"

شہناز: "آپ کا کہنا درست ہے بہن۔"

صوفیہ: "ذرا غور تو کیجیے کہ کوئی غریب ایک سرد رات کو خود کو گرم رکھنے کے لیے اپنے پھوس کے جھونپڑے کو جلا کر تاپ تو لے لیکن اس کے بعد پھر ساری عمر سردیوں کے نیچے بیٹھا ہوا سردی، بارش، اور دھوپ وغیرہ کا شکار بنے گا۔ یا ہم میں سے کوئی بھی یہ تو پسند نہ کرے گا کہ ایک مرغن اور لذیذ کھانے کھا لے اور پھر آئندہ مفلسی کی وجہ سے عرصے تک بھوکوں مرے۔ اور جب کوئی ایسا نہیں کرتا تو پھر ہم میں سے ایک بہت بڑی تعداد یہ کیوں کرتی ہے کہ ایک بہت بڑی زندگی کو ایک چھوٹی سی زندگی پر قربان کر دیتی ہے۔"

[شہناز جیسے خواب سے چونک پڑتی ہے اور اس کو احساس ہوتا ہے کہ جتنا اہتمام اور بناؤ سنگار وہ ایک دنیاوی دعوت کے لیے کرتی ہے اور اُس کا انجام چند منٹوں کی خوشی ہوتی ہے، اگر وہ اتنا ہی اہتمام ایک ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لیے کرے تو کتنا اچھا ہو]

شہناز: "بہن میں آپ کی بہت احسان مند ہوں کہ آپ نے مجھ کو سیدھا راستہ دکھا دیا ہے، اور میں اپنے کندھوں پر فرض کا ایک بھاری بوجھ محسوس کر رہی ہوں۔"

صوفیہ: "(خوشی سے اُچھل کر) بہن میرے کان مجھ کو دھوکہ تو نہیں دے رہے ہیں؟"

شہناز: "نہیں بہن بلکہ حق کی آواز سن رہے ہیں۔

صوفیہ: "تو پھر بہن ہم کو چاہیے کہ اس عارضی دعوت سے ہٹ کر ایک حقیقی دعوت کی تیاری کریں۔

آپ اس بارے میں کچھ اور سوچیں!

آپ کے لیے بالکل نئی کتابیں
دعوتِ دین
تبلیغ دین کا فریضہ کس درجہ اہم ہے اور اس کو پورا کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے اس موضوع پر مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے ۱۹۴۲ء کے ترجمان القرآن کے اشارات میں جو قیمتی ذخیرہ جمع فرمایا تھا وہ پہلی بار ہندوستان میں کتابی صورت میں شائع ہوا ہے دین سے تعلق رکھنے والے تمام صاحبان کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بے حد ضروری ہے کتاب مجلد ہے مع گردپوش
قیمت — دو روپے بارہ آنے۔
سرمایہ داری اور اشتراکیت
مصنفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی
انسانیت کے لیے یہ دو "بلائیں" کس طرح تفرقہ ثابت ہوئی ہیں۔ ان دونوں کی اصل حقیقت جاننے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ اس کتاب کے مطالعے کے بعد آپ مجبور ہو جائیں گے کہ دنیا کی اقتصادی مشکلات کا حل کچھ نئے انداز سے سوچیں — یہ مضامین مولانا نے حال ہی میں ملتان جیل میں لکھے ہیں —
ٹائیٹل دیدہ زیب، کتابت، طباعت عمدہ، کاغذ ولائتی صفحات ۱۱۰۔
قیمت — ایک روپیہ ۸ آنے
قومی ملکیت - مصنفہ نعیم صدیقی صاحب
قیمت ۱۲
مکتبہ جماعت اسلامی رام پور یو پی
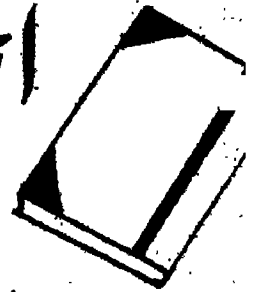
پہیلی کا جواب

فروری دوم کے رسالے میں ایک پہیلی شائع ہوئی تھی۔ اس کے بہت سے جوابات وصول ہوئے۔ سب سے پہلے تو صحیح جواب سُن لیجیے:

باغ میں آم گرا! آم گرا!!

دو پاؤں پہنے گئے وہ پہنے نہیں لے گیا "ہاتھ"

جو لے گیا، وہ کھاتا نہیں، کھا گیا، "منھ"

جو کھا گیا، وہ پٹا نہیں، پٹ گئی "پیٹھ" (یا رُخسار، شانہ وغیرہ)

جو پٹ گیا وہ رویا نہیں، رو پڑی "آنکھ"

جوابات میں سے اکثر صحیح تھے۔ صحیح جواب بھیجنے والوں کے درمیان قرعہ ڈالا گیا۔ انعام پانے والوں کے نام حسبِ ذیل ہیں:

(۱) علی مظفر صاحب مکان شاہ عزیز صاحب ڈپٹی چیئرمین بہار لیجسلیٹو کونسل پھلواری شریف پٹنہ

(۲) غلام مرشد انصاری صاحب۔ پرانی رانچی۔ عبدالکریم لین رانچی

(۳) ثناء اللہ خاں صاحب۔ جامعہ عمر آباد۔ پوسٹ عمر آباد۔

(۴) احمد مجتبیٰ صاحب مدرسۃ الاصلاح۔ سرائے میر۔ اعظم گڑھ۔

(۵) عبدالستار صاحب۔ معرفت ڈپٹی اسٹور نیو مارکٹ۔ شاہی مسجد۔ مراد آباد۔

(۶) علاء الدین انصاری صاحب۔ کنراس گڑھ۔ مان بھوم۔

(۷) محمد سرور الحسن صاحب معرفت ایم۔ اے غفور اسٹور۔ راج گنج۔ لین سنکر اپل

(۸) سید شاہ محمد اسعد صاحب۔ دربھنگوی۔ انیس آباد پٹنہ۔

(۹) رحیم الدین صاحب ایم۔ بی۔ ہائی اسکول ادکاڑہ

انعام پانے والوں میں سے ہر ایک کو مکتبۃ الحسنات کی کتابوں میں سے کوئی سی بھی کتابیں جو قیمتاً ایک روپے کے برابر ہوں ہماری طرف سے بطور انعام پیش کی جاتی ہیں۔ اب انعام پانے والے اپنی پسندیدہ کتابوں کے نام لکھ کر ہمیں بھیج دیں اور منگا لیں۔ منگاتے وقت اپنا مکمل صحیح پتہ لکھیں تاکہ کتابیں ضائع نہ ہو جائیں۔ کتابیں ان کی خدمت میں رجسٹرڈ پیکٹ کے ذریعے بھیجی جائیں گی اور ان کا محصول ڈاک ہم ادا کریں گے۔ مکتبۃ الحسنات کی جلد کتابوں کے نام آپ کی سہولت کے لیے درج ذیل ہیں:

انسان کی کہانی۔ کون ہے راجہ؟ سدھارکی بیل۔ ننھے کا جورن۔ عبادات۔ تعلیم بالغان کا سٹ فار والے۔ سینچر والے۔ گاؤں والے۔ نماز اردو۔ نماز ہندی۔ آپ کیا کریں۔

نوٹ: انعام پانے والے صاحبان اگر اپنے انعام کی مد سے زائد قیمت کی کتابیں منگانا چاہیں تو ان کے ساتھ مزید رعایت کی جائے گی یعنی یہ کہ ان انعامی کتابوں کا محصول ڈاک ہم خود ادا کریں گے اور انعام کی کتابوں کو چھوڑ کر بقیہ کتابوں کی رقم کا وی۔ پی بھیج دیں گے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۳۴ پر)

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

تاروں سے بچوں کی باتیں

ناچو ناچو ننھے تارو!
چمکو چمکو ننھے تارو!
جگ مگ جگ مگ کرتے جاؤ
روشن تم جگ کرتے جاؤ
روشن تم سے سارا جگ ہے
سڑکیں، گلیاں سب ہیں روشن
جنگل، میداں سب ہیں روشن
سب جھرنا جھلمل جھلمل
سب دریا جھلمل جھلمل
لیکن تارو یہ تو بولو
کس نے کیا ہے؟ روشن تم کو
سن کے تارے فوراً بولے
پیارے بچو! اچھے بچو!
ہم کو روشن کرتا ہے جو
رب ہے جانو!
رب ہے جانو!

جناب وحید قیصر صاحب

میل و محبت

بڑھاؤ زمانے میں میل اور محبت
کہ دُنیا ہے قایم اسی کی بدولت
یہی جاہ ہے اور یہی مال و دولت
اسی میں ہے عزت، اسی میں ہے ثروت
اسی اک محبت کے شیدائی تھے سب
ہوئے بام پر جاکے جو اہلِ عظمت
وہی ہو گئے ہیں فنا اہلِ دُنیا
کہ جن میں نہ تھا کچھ بھی میل اور محبت
زمانے میں کیا پاؤ گے پھر بھلا تم
دلوں میں نہیں جب محبت کی عظمت
بڑھاؤ قدم تم محبت کی جانب
جو خواہش ہے حاصل ہو چین اور راحت

فضل من اللہ
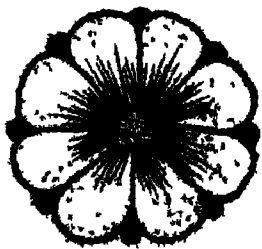
عشاء کی نماز پڑھ کر ہم امام صاحب کے حجرے کا رُخ کرتے۔ نو دس آدمیوں کی حاضری حجرے کو ایک نئی زندگی بخش دیتی اور جہاں دن کے وقت بھی امام صاحب کے خراٹے بلند ہوتے وہاں رات کو زندگی کے آثار نظر آنے لگتے۔ لطیفے ہوتے، کہانیاں کہی جاتیں، سیاست کی ٹانگ توڑی، اور چند لمحوں کے لیے حاضرین کچھ ایسا کھو جاتے کہ انھیں یہ بھی یاد نہ رہتا کہ اس دن انھوں نے درس قرآن میں کیا پڑھا تھا۔ یہ صورتِ حال ایک گھنٹہ رہتی۔ پھر مجلس برخاست ہو جاتی اور حجرے میں ایک ہولناک سکوت چھا جاتا۔

روزانہ کی طرح محفل جم گئی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ختم ہوئیں اور ہم نے بابا نبیا (نبی بخش) سے کہانی کی فرمائش کر دی۔ بابا نبیا ایک بوڑھا شخص تھا، اُس کا ایک بازو کٹا ہوا تھا، جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ بابا عرب گیا تو چوری کرنے کی سزا میں بازو کٹوا بیٹھا کیوں کہ وہاں کی حکومت نے اسلام کا قانون تو نافذ کر دیا تھا مگر اسلامی ماحول پیدا نہ کیا تھا جس میں کسی ایسے شخص کے لیے روٹی کمانا ناممکن نہ ہوتا جو روٹی کمانا چاہتا ــــ تو خیر بابا نبیا ہماری فرمائش ٹالتا نہ تھا بلکہ کوئی کہانی شروع کر دیتا ــــ اپنی کہانی نہیں بلکہ اپنی نانی سے سُنی ہوئی ہزار کہانیوں میں سے ایک کہانی اور اسے اس طرح نمک مرچ لگا کر بیان کرتا کہ بہترین افسانہ بھی اُس کے سامنے ماند ہو جاتا۔

"یہ اُن دنوں کا ذکر ہے" بابا بولا ــــــ اور ہم سب سُننے لگے کیونکہ بابا کہانی شروع کر چکا تھا۔

"ہاں! تو یہ اُن دنوں کا ذکر ہے جب انسان ابھی انسان تھا، درندہ نہ بنا تھا۔ بلکہ اُس وقت تو درندے بھی انسانوں کو بلا وجہ دُکھ نہیں دیتے تھے۔ کہ ایک شہزادہ سیر کرنے گیا، جنگل میں پہنچ کر وہ ساتھیوں سے بچھڑ گیا اور اِدھر اُدھر بھٹکنے لگا۔ اچانک سامنے سے ایک شیر آتا دکھائی دیا۔ شیر نے شہزادے کو تنگ کرنے کے بدلے کچھ محبت کا اظہار کیا۔ دُم ہلائی اور گردن جُھکا کر کھڑا ہو گیا، اور جب شہزادہ جنگل سے واپس ہوا تو دونوں میں گہری دوستی ہو چکی تھی۔

چند دن بعد شہزادے کی شادی ایک پڑوسی بادشاہ کی لڑکی سے طے ہوئی۔ شہزادے نے شیر کو بھی بلا بھیجا۔ بارات دُھوم دھام سے شہزادی کی سُسرال پہنچی۔ دونوں بادشاہوں نے اس تقریب پر دل کھول کر جشن منایا۔ شادی کے بعد شہزادے نے اپنے دوست شیر کو اپنی اور اپنی بیوی کی حفاظت کا فرض سونپ دیا۔ اتفاق سے رات کو جب تمام لوگ آرام کر رہے تھے ایک اژدہا نکل آیا لیکن شیر نے اُسے مار ڈالا۔ مرنے سے پہلے زخمی اژدہا کچھ اس طرح تڑپا کہ اس کے زہر کے چند قطرے شہزادی کے چہرے پر جا پڑے۔ شیر اس زہر کو دُور کرنے کے لیے شہزادی کی طرف جُھکا ہی تھا کہ شہزادہ جاگ اُٹھا اور شیر کو جُھکا ہوا دیکھ کر چیخ پڑا۔

"ظالم! تو نے میری امانت میں خیانت کی کوشش کی ہے، ٹھہر تو جا تجھے مزا چکھاتا ہوں" لیکن جب وہ تلوار نکال کر شیر پر لپکا تو اس نے دیکھا کہ شیر تو پتھر کا شیر بن گیا تھا، وہ حیران رہ گیا ــــــ اِدھر اُدھر دیکھا اژدہا مرا پڑا تھا۔ زہر کے چند قطرے شہزادی کے چہرے پر پڑے تھے

شہزادہ پوری بات سمجھ گیا۔ اسے اپنی بے وقوفی کا احساس ہو کر بہت رنج ہوا کہ اس نے اپنے محسن کو سخت سست کہہ کر اس حالت کو پہنچایا۔ کاش وہ ضبط سے کام لیتا!

شہزادی کے چہرے سے اُس نے زہر کے چھینٹے ہٹا دیئے، مگر شیر کی حالت دیکھ کر اسے سخت صدمہ تھا۔

"تمہارے سب سے پہلے بچے کی چھنگلی کا خون اس پتھر کے شیر کو اصل شیر بنا سکتا ہے۔" محل کی دیوار سے آواز آئی۔ شیر کو وہیں چھوڑ کر شہزادہ گھر واپس چلا آیا۔ اپنی مصروفیتوں میں وہ اتنا کھو گیا کہ اپنے محسن کو بھی بھول گیا، اور اُس کا خیال اس کو اُس وقت آیا جب کچھ زمانے کے بعد اُس کے یہاں پہلا بچہ پیدا ہوا۔ کچھ دن بعد وہ سسرال پہنچا۔ بچے کی چھنگلی کا خون شیر پر گرایا۔ پتھر کے شیر نے جھرجھری لی، اور شہزادے کا جانی دوست پھر اُس کے سامنے آگیا۔ چند دن کے بعد شہزادہ شیر کو لے کر واپس پلٹا۔ لیکن جب وہ اُسی مقام پر پہنچا جہاں اُس کی شیر سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ تو شیر نے اُس سے ایک درخواست کی، جسے سُن کر شہزادہ حیران رہ گیا۔

"پوری قوت کے ساتھ میرے سر پر تلوار کا وار کیجیے۔"

شہزادے نے بہت منع کیا، لیکن شیر نہ مانا، اور آخرکار اُسے وار کرنا ہی پڑا۔ زخم گہرا لگا، لیکن شیر نے ایک جھرجھری لی اور جب شہزادے نے شیر کا سر دیکھا تو زخم بھر چکا تھا۔ "تلوار کا گھاؤ بھر سکتا ہے مگر زبان کا زخم ہرا ہی رہتا ہے۔ تیر، تلوار، بندوق وغیرہ سے جسم کو نقصان پہنچتا ہے، اور ان کا زخم اچھا بھی ہو سکتا ہے مگر زبان سے نکلی ہوئی بُری بات کا اثر دل پر ہوتا ہے اور دل کا یہ زخم کسی طرح اچھا نہیں ہوتا جب تک یہ بات یاد رہتی ہے زخم ہمیشہ ہرا رہتا ہے۔" شیر یہ بات کہہ کر جنگل میں چلا گیا۔ ——"

سب سُننے والوں نے واہ واہ کی۔ کہانی ختم ہو گئی۔ ہمارے ایک ساتھی نے کہا مجھے اللہ کے پیارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک پیاری بات یاد آگئی وہ بھی سُن لو، حضرت نے ایک بار فرمایا:

"سنو! جس دن ہر شخص اپنے کیے کے لیے اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے جواب دے گا تو بہتوں کے اچھے اچھے اعمال اُن کی زبان کے غلط استعمال کی وجہ سے ضائع ہو جائیں گے۔ یاد رکھو! انسان کی انتہائی بربادی کا باعث اور اُسے جہنم میں منہ کے بل گرانے والی یہ زبان کی کھیتیاں (باتیں) ہی ہوں گی۔"

آپ نے دیکھا، زبان سے بات نکالنے میں کسی شخص کو کتنی احتیاط کرنا چاہیے۔ زندگی بھر کے نیک کام اُن باتوں سے برباد ہو سکتے ہیں جو بے سوچے سمجھے زبان سے نکالی جائیں۔ غیبت، عیب جوئی اور بیہودہ باتیں یہ سب ایسی کھیتی ہیں جو زبان سے بوئی جاتی ہے، اور قیامت کے دن جس کی فصل کاٹنا پڑے گی۔

مرکزی درس گاہ جماعت اسلامی ہند کی طرف سے پہلی بار چند ابتدائی درسی کتب شائع ہو رہی ہیں۔ یہ کتابیں نہ صرف فنی اعتبار سے نہایت کامیاب ہیں بلکہ دینی تعلیم اور اسلام کے بنیادی عقائد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے آپ اپنی نظیر ہیں۔

(۱) **چھوٹوں مُنّوں کی کتاب** صرف تصاویر کی مدد سے حروف ہجا کی شناخت کرائی گئی ہے بہت چھوٹے بچوں کے لیے نہایت ہی دلچسپ کھلونا ہے۔ تصاویر سب ایسی ہیں جو بچے کے قریبی ماحول سے تعلق رکھتی ہیں خود دیکھ کر آپ کو انتخاب کی داد دینا ہی پڑے گی کہ چار تصاویر غیر فنی قسم کی ہیں آرٹ پیپر پر بلاکوں کے ذریعے رنگین طباعت۔ قیمت .... دو آنے چھ پائی

(۲) **ہماری کتاب (قاعدہ)** یہ کتاب بھی مصور ہے۔ ٹائٹل نہایت دیدہ زیب۔ قیمت ۸ر

(۳) **ہماری کتاب (نمبر ۱)** باتصویر۔ قیمت ———— ۸ر

(۴) **ہماری کتاب (نمبر ۲)** ———— قیمت ۸ر

(۵) **ہماری کتاب (نمبر ۳)** ———— قیمت ۱۰ر

اسی معیار کی ہندی درسی کتب بھی پریس میں ہیں
جلد ہی ان کا اعلان بھی آپ کے سامنے آئے گا۔

منیجر مکتبہ جماعتِ اسلامی رامپور

اچھّا بتاؤ تو سہی؟

(ایک انعامی مقابلہ)

جس سماج میں ایسے لوگ زیادہ ہو جاتے ہیں جو خدا سے اور اُس کے سامنے اپنے اچھے بُرے کاموں کے جواب دینے سے نہیں ڈرتے، تو وہاں ہر قسم کی بُرائیاں نئے نئے انداز میں دکھائی دینے لگتی ہیں۔
کون کہہ دے گا کہ بے ایمانی اچھی چیز ہے لیکن آج کل لوگ اپنی چالاکیوں اور مکّاریوں پر گھمنڈ کرتے ہیں اور اگر وہ کسی چالاکی سے کسی کو دھوکہ دے کر کچھ مال مار لیتے ہیں تو اس کو بڑی شان سے بیان کرتے ہیں۔

اسکولوں اور کالجوں میں لڑکے تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں، اُمید تو یہ ہو سکتی تھی کہ تعلیم پانے کے بعد لوگوں میں امانت، دیانت، اور ایمانداری کا احساس بڑھ جائے گا مگر یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اس طبقے میں اس قسم کی بے احتیاطی معیوب ہی نہیں سمجھی جاتی بلکہ یہ اُلٹے ایسی حرکتوں پر فخر کرتے ہیں اور اسے اپنی عقل مندی اور ہوشیاری جانتے ہیں۔

آئیے آپ کو آج کل کے طالب علموں کا ایک نیا لطیفہ سُنائیں! جس کو ایک بار وہ خود مزا لے لے کر فخر سے بیان کر رہے تھے۔

کچھ لڑکے اپنے اسکول سے رُخصت ہو کر اپنے گھر چلے۔ یہ پانچ تھے۔ لیکن انھوں نے پانچ ٹکٹوں کی بجائے صرف ڈیڑھ ٹکٹ خریدا اور اطمینان سے گاڑی میں سوار ہو گئے۔

انھیں بھولے سے بھی یہ خیال نہ آیا کہ ان کا یہ کام بھی چوری اور بے ایمانی ہے۔ ویسی ہی چوری اور بے ایمانی جس کے بارے میں اگر ان سے خود سوال کیا جاتا تو یہی کہتے کہ "چوری اور بے ایمانی کرنا بہت بُری بات ہے۔"

ان بے ایمان لڑکوں نے اپنی چوری کو اپنی عقل مندی سے چھپانے کی ایک ترکیب سوچی۔ ان میں سے تین تو اوپر والے برتھ پر بیٹھے جہاں اکثر سامان وغیرہ رکھا جاتا ہے اور دو بالکل ٹھیک ان کے نیچے والی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد کسی اسٹیشن پر ٹکٹ چیکر صاحب ڈبے میں آ گئے۔ اور سب مسافروں کے ساتھ انھوں نے ان لڑکوں سے بھی ٹکٹ دیکھنے کے لیے

گے۔ انھوں نے وہی ڈیڑھ ٹکٹ دکھایا۔ لیکن ٹکٹ چیکر صاحب نے کہا کہ آپ تو پانچ ہیں
رہ ڈیڑھ ٹکٹ کیسا ؟ ایک لڑکے نے جو اوپر بیٹھا ہوا تھا سوال کیا "کیوں ٹکٹ چیکر صاحب
پ نے کچھ حساب بھی سیکھا ہے ؟" ٹکٹ چیکر صاحب نے جواب دیا "ہاں سیکھا کیوں نہیں ہے
ی لیے تو پانچ آدمیوں کے پانچ ٹکٹ مانگ رہا ہوں۔"

"مگر شاید آپ نے کسور عام تک حساب نہیں پڑھا ہے۔" دوسرے شریر لڑکے
نے کہا۔

اس پر ٹکٹ چیکر صاحب کچھ ناراض ہونا ہی چاہتے تھے کہ اوپر بیٹھے ہوئے لڑکے نے
پنی جگہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ".."

یہ بات سن کر ٹکٹ چیکر صاحب لڑکے کا منھ دیکھنے لگے، اور گاڑی کے تمام مسافر
بے اختیار ہنس پڑے۔

بات ہنسی میں پڑ گئی اور لڑکوں کو رائڈ کرایا دینے کی نوبت ہی نہ آئی۔

آپ بتائیے ان شریر لڑکوں نے کیا جواب دیا ہوگا ؟

ٹھیک جواب لکھنے والوں کو ۵ انعام دیے جائیں گے۔ بہت
سے جواب اگر ٹھیک آئیں گے تو فیصلہ قرعہ سے کرلیا جائے گا۔

(صفحہ ۔۔ کا باقی مضمون) صحیح جواب بھیجنے والوں میں ایک بچی شہبانو ہیں۔ جن کی عمر ۸ سال ہے۔ ان کے والد سید محمد عیسٰی صاحب نے
لکھا ہے کہ ابھی وہ خود پہیلی کا جواب سوچ ہی رہے تھے کہ اس بچی نے جواب بتادیا، اور وہ جواب صحیح ہے۔ اس بچی کا نام قرعے
میں تو نہیں نکلا۔ البتہ انھیں ایک مزید انعام خصوصی طور پر دیا جاتا ہے۔ یہ بھی اپنی مطلوبہ کتابوں کے نام لکھ بھیجیں۔

جن حسناتی بہنوں اور بھائیوں کو پہیلیوں سے دلچسپی ہے، وہ اب کوئی اچھی سے پہیلی خود بھیجیں جن کا
جواب بھی ساتھ ہو، ان پہیلیوں میں سے کوئی اچھی سی پہیلی چھانٹ کر ان کے نام سے شائع کی جائے گی۔
اور اس کے بھی صحیح جوابات پر انعام دیا جائے گا۔

"منیر"

Regd. NO. A - 306 "ALHASANT" Fortnightly RAMPUR U.

إن الحسنات يذهبن السيئات
بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔
الحسنات

نمبر ۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

رسالہ

الحسنات

رام پور

جو مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

۱۹۵۰ء

مدیر: ابو سلیم محمد عبد الحی

چندہ
سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے ——— پانچ روپیہ آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے ——— تین روپے
فی کاپی ——— چار آنے

فہرست مضامین

محمد یوسف طابع و ناشر نے نرمی برقی پریس رامپور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رام پور (یو۔ پی) سے شائع کیا

احساسات

آپ نے سُنا ہوگا کہ بنگال میں ہندو مسلم فساد پھر پھوٹ پڑا ہے ہندوستان کی تقسیم کے وقت بنگال بھی دو حصّوں میں بٹ چکا ہے، ایک حصّہ پاکستانی حکومت میں ہے، اور دوسرا حصّہ ہندوستانی حکومت میں۔ پاکستانی حکومت والے بنگال میں جو فسادات ہورہے ہیں ان میں جان اور مال کا نقصان زیادہ تر ہندوؤں کا ہورہا ہے اور ان میں سے اکثر گھر سے بے گھر ہوکر ہندوستان آرہے ہیں اور اسی طرح ہندوستان کے فسادات سے جان اور مال کا زیادہ تر نقصان مسلمانوں کا ہورہا ہے اور ان میں سے بہت سے بھاگ بھاگ کر پاکستان جارہے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا اسی طرح کی ایک بھگدڑ ۱۹۴۷ء میں مشرقی اور مغربی پنجاب اور دہلی وغیرہ میں ہوئی تھی۔ اُس وقت بھی لاکھوں جانوں کا نقصان اور اربوں روپیوں کی املاک کی بربادی ہوئی تھی اور انسانوں نے ایسے ایسے حیوانی کام کیے تھے کہ جنھیں تاریخ کبھی نہ بھُلا سکے گی۔ اور آنے والی سیکڑوں نسلوں کی گردنیں اپنے باپ دادا کے ان ذلیل کاموں کا ذکر سُن سُن کر شرم کے مارے جھک جایا کریں گی۔

آپ کے دل میں ضرور یہ خیال آتا ہوگا کہ آخر لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ اس طرح انسانوں کے خون سے ہولی کھیلتے ہیں، ہزاروں بے گناہوں کو قتل کرتے ہیں اور انھیں گھر سے بے گھر کردیتے ہیں۔ کیا انھیں قتل و غارت میں لطف آتا ہے؟ کیا اخلاق اور انسانیت ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے؟ ——— ان سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب جانے بغیر آپ یہ نہ سمجھ سکیں گے کہ انسانیت کی اس مصیبت کو دور کرنے میں آپ کا کام کیا ہے۔ اور کس طرح آپ باوجود کم عمر ہونے کے ملک اور انسانیت کی کوئی خدمت کرسکتے ہیں۔

کچھ باتیں ایسی ہیں جن کو سب اچھا کہتے ہیں۔ میٹھے بول، محبت کا برتاؤ، سچائی، ایمانداری، عہد اور انصاف کو سب پسند کرتے ہیں۔ انسان میں یہ اچھائیاں اُس وقت سب سے بہتر طریقے پر پیدا ہوتی ہیں جب اس کے دل پر خدا پر ایمان اچھی طرح گھر کرلیتا ہے۔ خدا پر ایمان رکھنے والا اور اس بات پر یقین رکھنے والا کہ اسے ایک دن اپنے خدا کے سامنے ضرور حاضر ہونا ہے اور اپنے اچھے بُرے کاموں کے بارے میں جواب دینا ہے کبھی اُن اچھی باتوں کو نہیں چھوڑ سکتا جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔ ایسا شخص سب سے زیادہ

بااخلاق، سچا، ایمان دار اور انسانوں کا سب سے بڑا ہمدرد ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھوں ظلم نہیں ہوتا وہ ہم
انصاف کی بات کہتا ہے اور انصاف پر قایم رہتا ہے۔ انصاف، سچائی اور ایمان داری کے مقابلے :
وہ عزیزوں اور بیٹوں تک کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کیوں کہ سب کی خوشی سے زیادہ وہ اللہ تعالیٰ کی
حاصل کرنا چاہتا ہے اور اسے سب انسانوں سے بڑھ کر خدا کا ڈر ہوتا ہے بلکہ سچ پوچھو تو اس کے
صرف اللہ کی خوشی اور اُس کا ڈر ہی ہوتا ہے ——— اللہ پر ایمان لانے اور قیامت کے دن
یقین رکھنے کا مطلب یہی ہے ———. ایسے لوگ "خدا پرست" کہلاتے ہیں۔ ان کے سامنے
کے بیچے ہوئے کچھ اصول ہوتے ہیں جن کے مطابق وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور آپس میں ان کا
یا ان کا لڑنا صرف اُن اصولوں کی ہی خاطر ہوتا ہے۔ ان سے ہٹ کر نہ وہ خاندان کی پرواہ کرتے
نہ قوم اور ملک کی محبت میں گرفتار ہوتے ہیں۔

جب کبھی ایسے خدا پرستوں کا غلبہ ہوجاتا ہے تو دُنیا سے فساد اور خونریزی ختم ہوجاتی
اور لوگوں کو سچا امن نصیب ہوجاتا ہے ——— لیکن اس کے برخلاف جب انسان خاندان ا
نسل کی محبت میں یا قوم اور ملک کی محبت میں اس درجہ پھنس جاتا ہے کہ وہ ان کی خاطر اصولو
کو بھی چھوڑ دے اور بُرائی اور بھلائی کی اُسے کوئی تمیز نہ رہے تو وہ دُنیا کے لیے فساد اور جنگ کا س
بن جاتا ہے۔ آپ ہی سوچیے اگر آپ کے محلّے میں کوئی شخص اپنے خاندان والوں کی بے جا حمایت محض اس
کرنا شروع کردے کہ وہ اُس کے "اپنے" ہیں اور ان "اپنوں" کی خاطر دوسروں سے بگاڑ لے تو محلّے میں
ہوجانا یقینی ہے۔ محلّے میں امن اُسی وقت رہ سکتا ہے جب سب لوگ بُرے کو بُرا اور بھلے کو بھ
سمجھیں۔ لیکن اگر مختلف خاندان والے صرف اپنے خاندان کو بھلا اور باقی سب دوسروں کو بُرا
کہیں اور سوچ سوچ کر وہی کام کرنا شروع کردیں جن میں صرف اُن کے اپنے خاندان کا کسی نہ کس
بھلا ہوتا ہو چاہے دوسروں کو اُس سے کیسا ہی نقصان پہنچتا ہو تو ظاہر ہے کہ محلّے والوں میں جنگ
ہوجانا ضروری ہے۔ جو لوگ اس طرح سوچتے ہیں اور جن کے سامنے صرف اپنے خاندان کا نفع ہو
اور جو دوسرے لوگوں سے اس طرح برتاؤ کرتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ بس ان کے نز
اچھا وہی ہے جو ان کے اپنے خاندان سے ہے باقی چاہے کیسا ہی آدمی ہو وہ بُرا ہے۔ تو ایسے
لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ "خاندان پرستی" میں مبتلا ہیں۔ اسی طرح جب یہ مرض
بڑھ کر پوری قوم پر چھا جاتا ہے تو اُس کو "قوم پرستی" کہتے ہیں۔ اگر کسی فرقے کے لوگ اس

میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ انھوں نے "فرقہ پرستی" اختیار کرلی ہے اور جب کوئی "ملک" اس بیماری کا شکار ہو جاتا ہے تو اُسے "ملک پرستی یا وطن پرستی" کہتے ہیں۔

آج جو مصیبت دُنیا پر آ رہی ہے وہ ان ہی "پرستیوں" میں سے کسی نہ کسی "پرستی" کی لا(ئی) ہوئی مصیبت ہے۔ آپ نے سُنا ہوگا' پچھلے سالوں میں دُنیا میں کیسی بھیانک لڑائی لڑی گئی۔ یہ سب کرشمہ قوم پرستی اور وطن پرستی کا ہی تھا۔ بالکل اسی مصیبت میں آج ہندوستان اور پاکستان بھی مبتلا ہے۔ فرقہ پرستی' قوم پرستی اور ملک پرستی کی وجہ سے لوگوں نے حق پرستی' سچائی' ہمدردی' انسانیت اور انصاف سب کچھ چھوڑ دیا ہے اور انھیں کسی بات کے کرنے میں کوئی جھجک نہیں۔ چاہے وہ سراسر درندگی اور حیوانیت ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ کا بڑا فضل ہے کہ آپ مسلمان ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ پہلے آپ کو یہ اچھی طرح سمجھا دیں کہ قوم پرستی فرقہ پرستی یا وطن پرستی وغیرہ وغیرہ کے بارے میں ایک سچے مسلمان کا طریقہ کیا ہوتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ مسلمان اُسی کو کہتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو' جسے قیامت کے آنے کا یقین ہو اور جو اللہ کے بھیجے ہوئے سب رسولوں کو سچا جانتے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا رسول مانے' اُن کی بتائی ہوئی سب باتوں پر یقین کرے اور اُن کے سکھائے ہوئے طریقے پر اپنی پوری کی پوری زندگی کو ڈھالنے کا فیصلہ کرے ——— اس ایمان اور اس فیصلے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ فرقہ پرست' قوم پرست یا وطن پرست نہیں بن سکتے۔ آپ کے سامنے تو اللہ کے بتائے ہوئے دین کے کچھ اصول ہوں گے' انھیں اصولوں کی محبت اور پابندی آپ کی زندگی کا سب سے بڑا کام ہوگا۔ اللہ کی اطاعت اور اُس کی فرماں برداری آپ کا شیوہ ہوگا۔ اور آپ صرف "خدا پرست" ہوں گے۔ جو بات آپ کے اصولوں کے خلاف ہے آپ اُس کو ہرگز اختیار نہ کریں گے چاہے آپ کے ایسا کرنے سے آپ کی قوم ناراض ہو جائے یا آپ کے وطن والے بُرا مانیں۔ آپ کو خدا کی خوشی اور ناخوشی کا خیال ہوگا۔ آپ کو صرف خدا کی ناراضگی کا ڈر ہوگا۔ آپ کا کسی سے جُڑنا یا کٹ جانا صرف خدا کے لیے ہوگا۔

اس وقت ہمارے ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے خدا پرستی کے علاوہ دوسروں کی طرح قوم پرستی یا وطن پرستی کی باتیں کرنا شروع کر دی ہیں ———

جس طرح ہر مرض کے دور کرنے سے پہلے اُس کی اصل وجہ کو دُور کرنا ضروری ہے اسی طرح آجکل کے حالات کی درستی کے لیے سب سے پہلے فرقہ پرستی، قوم پرستی اور وطن پرستی کے خیالات کو دُور کرنا نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا اس بارے میں سب سے پہلا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ خود بھی سچے "خدا پرست" بننے کی کوشش کریں اور اپنے آس پاس جتنے لوگوں کو آپ اچھی باتیں پہنچا سکیں پہنچائیں اور اُنھیں بھی خدا پرست بنائیں۔ آپ اپنی پُوری زندگی کو اسلامی اصولوں کا نمونہ بنائیں، اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط کریں۔ زندگی میں اُس کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کریں۔ اگر کبھی غفلت یا نادانی کی وجہ سے کوئی خطا ہو جائے تو فوراً معافی چاہیں اور پھر کوئی غلط کام نہ کریں۔ اگر آپ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے درست ہو جائے آپ اُس کے نیک بندے بن جائیں، اُس کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنے لگیں تو دونوں ملکوں سے فساد دُور ہونے لگے۔ مثلاً اگر آپ پاکستان میں رہتے ہیں تو آپ کے یہاں غیر مسلموں کی جان و مال اور آبرو اس طرح محفوظ ہو جائے گی جس طرح خود آپ کی۔ آپ ان پر ظلم نہ کریں گے اور اس طرح وہ ہنگامے شروع نہ ہوں گے جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اسلامی قانون کے مطابق آپ اپنے ملک کے رہنے والے غیر مسلموں پر اس بنیاد پر کوئی زیادتی نہیں کر سکتے کہ آپ کے بھائی مسلمانوں پر ہندوستان میں کوئی ظلم ہو رہا ہے۔ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اگر کچھ کر سکیں تو براہِ راست کسی ظالم کو سزا دینے کے لیے کچھ کیجیے لیکن آپ کے لیے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کسی کے ظلم کا بدلہ کسی بے گناہ سے لینے لگیں۔ اسی طرح اگر آپ ہندوستان میں رہتے ہیں تو آپ کی نیکی اور شرافت کا اثر آپ کے قریب رہنے والوں پر لازماً پڑے گا۔ جب آپ کے مخالف کو یہ یقین ہو جائے کہ آپ نے ان باتوں کو چھوڑ دیا ہے جن کی وجہ سے اب تک اس سے جنگ ہو رہی تھی تو لازماً اس کا رویّہ آپ سے بدل جائے گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان کے غیر مسلموں سے مخالفت کی بنیاد قوم پرستی اور فرقہ پرستی رہی ہے۔ ابھی تک ان سے مخالفت اس بنیاد پر نہیں ہوئی تھی کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا حاکم اور مالک کیوں مانتے ہیں؟ اُس کے بتائے ہوئے قانون پر کیوں زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں؟ اُس کے بھیجے ہوئے رسول حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کو کیوں رسول مانتے ہیں؟ آخرت کے بارے میں ہمارا عقیدہ ایسا اور ایسا کیوں ہے؟ وغیرہ وغیرہ اس لیے ہمیں اُمید ہے کہ اگر فرقہ پرستی اور قوم پرستی کی بجائے ہم صرف خدا پرستی پر جم جائیں تو معاملہ بالکل دوسرا ہو گا ——— پھر ساتھ ہی ساتھ آپ کو اپنے ملک کے غیر مسلموں میں سے ایسے لوگوں سے تعلقات بھی پیدا کرنا ہوں گے جو کسی سنجیدہ بات کو سُننے کی قابلیت رکھتے ہوں۔ ہمارا

تجربہ ہے کہ ابھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے ان لوگوں کے سامنے اگر خالص خدا پرستی کے اصول آئیں تو آپ دیکھیں گے بہت سی باتیں مشترک مل جائیں گی جن کو آپ اور وہ دونوں بھلا کہیں گے۔ اور اس طرح یہ ممکن ہے کہ ہماری آپس کی مخالفت اور دشمنی کم ہونا شروع ہوجائے۔ ابھی تک ہمارے ملک کے غیر مسلموں کو یہ اندازہ ہی نہیں ہوا ہے کہ اگر آپ خالص اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے لگیں تو آپ کیسے آدمی ہوں گے۔ آپ کی زندگی میں اب تک بہت سی اسلامی اور غیر اسلامی باتیں ملی جلی پائی جاتی رہتی ہیں اس لیے ابھی آپ کا یہ سمجھنا ٹھیک نہیں ہے کہ ان کی "دشمنی" "اسلام دشمنی" ہے۔

اس بارے میں جو کچھ ہمارا تجربہ ہے اُس کی بنیاد پر تو ہمیں یہ یقین ہے کہ اگر ہماری خالص اسلامی طرز کی زندگیاں غیر مسلموں کے سامنے آئیں تو انھیں ہمارے بارے میں اور خود اسلام کے بارے میں اپنی رائے بدلنی ہی پڑے گی۔ اور اُس وقت حالات یہ نہ ہوں گے جو اب ہمارے سامنے ہیں۔

یہ تو وہ مستقل کام ہے جو آپ کو ہمیشہ کرنا ہے۔ اور یہی وہ کام ہے جس کے نتائج بھی مستقل ہوں گے. لیکن آج کل کے حالات کے ماتحت کچھ کام ایسے ہیں جو آپ کو فوری کرنا ہیں۔ ان کاموں کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ بتائیں گے اس درمیان میں آپ اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے کے لیے اُس کی طرف خصوصیت سے رجوع ہوں اور سیدھے راستے پر چلتے رہنے کے لیے اُس سے توفیق مانگتے رہیں +

جناب وحید قیصر صاحب

درسِ عمل

اسلام کے سپوتو کچھ کرکے تم دکھا دو
خاموش کیوں ہو اتنے اتنا مجھے بتا دو
تاچند خوابِ غفلت ہر ایک کو جگا دو
خود اپنی قوتوں سے تم ظلمتیں مٹا دو
تم علم کا خزانہ ہر گوشے میں لٹا دو
قیصر یہ کہہ رہا ہے
اپنے قدم بڑھا دو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

(سورۂ ہود۔ رکوع ۷)

ابراہیم کی بیوی بھی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ یہ سُن کر ہنس دی۔ پھر ہم نے اُس کو اسحٰق کی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی خوش خبری دی۔ وہ بولی: "ہائے میری کم بختی! کیا اب میرے یہاں اولاد ہوگی جبکہ میں بڑھیا پھونس ہوگئی اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہوچکے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔" فرشتوں نے کہا: "اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو؟ ابراہیم کے گھر والو! تم لوگوں پر تو اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہیں اور یقیناً اللہ نہایت قابلِ تعریف اور بڑی شان والا ہے۔"

(تفہیم القرآن)

تشریح

اب اس سے پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ فرشتوں کو انسانی صورت میں دیکھ کر حضرت ابراہیمؑ کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ یہ ضرور اللہ تعالیٰ کا کوئی عذاب لے کر آئے ہیں اور اس لیے اُن پر اللہ تعالیٰ کا ڈر غالب ہوگیا تھا۔ ان کی پریشانی کو دیکھ کر ان کے گھر والے بھی پریشان تھے۔ لیکن جب

فرشتوں نے بتادیا کہ وہ دراصل قومِ لوط پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں تو ابراہیم علیہ السلام کی پریشانی دُور ہوئی اور اُن کے ساتھ ہی ساتھ جب آپ کی بیوی حضرت سارا نے یہ سُنا تو وہ بھی مطمئن ہوگئیں اور فرشتوں کی بات سُن کر ہنس دیں۔

۲۔ لوط علیہ السلام کی قوم بہت بُری بُری باتوں میں پھنسی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمان تھی اور ان کی زندگیاں بڑے گندے کاموں میں بسر ہوتی تھیں، ان کا حال کچھ تفصیل سے آپ انشاءاللہ آئندہ پڑھیں گے۔ ان لوگوں کے برباد کردینے اور ان پر اللہ تعالیٰ کا بدترین عذاب نازل کرنے کی خبر لے کر جو فرشتے آئے تھے وہ ساتھ ہی ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی بیوی حضرت سارا کے لیے ایک خوش خبری بھی لائے تھے۔ جس زمانے کا یہ ذکر ہے اُس وقت شہر سدوم (قومِ لوط کا شہر) بڑا آباد اور زرخیز تھا۔ لیکن اس کی آبادی اور سرسبزی ظاہری تھی۔ اخلاقی اعتبار سے وہ بدترین شہر تھا اور اب وقت آگیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اس شہر پر آئے اور اُسے ہمیشہ کے لیے ویران اور بنجر بنادے۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک بیوی کا نام حضرت ہاجرہؑ تھا۔ ان سے حضرت ابراہیمؑ کے ایک صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوچکے تھے۔ لیکن آپ کی دوسری بیوی حضرت سارا سے کوئی اولاد نہ تھی۔ حضرت سارا اس بات سے غمگین رہتی تھیں، فرشتوں نے اِس وقت حضرت سارا کو اس بات کی خوش خبری بھی دی کہ ان کے یہاں بھی بیٹا پیدا ہوگا (حضرت اسحٰق علیہ السلام) جو ایک جلیل القدر پیغمبر ہوگا۔ اور پھر اس کے بعد حضرت اسحٰقؑ کے یہاں بھی بیٹا پیدا ہوگا (حضرت یعقوب علیہ السلام) اس طرح ان فرشتوں نے جو ایک طرف نافرمانوں کو ہلاک کرنے آئے تھے یہ اطلاع دے دی کہ آخرکار اللہ کے فرماں برداروں کا بول بالا ہوگا۔ اور آج جو شخص (حضرت ابراہیم علیہ السلام) بغیر کسی ظاہری سازوسامان کے اللہ کے دین کی دعوت دے رہا ہے اور جسے لوگ معمولی آدمی سمجھ کر اُن کی بات بھی نہیں مان رہے ہیں اسی کی نسل بہت جلد اس ملک کی حکمراں ہوگی۔ اس کی اولاد کو پیغمبری کی نعمت سے نوازا جائے گا اور ہزاروں برس تک لوگ ان کی لائی ہوئی برکتوں سے فائدہ اُٹھائیں گے۔

آج ہم جانتے ہیں کہ قومِ لوط کی بستیوں کا تو ایسا خاتمہ ہوا کہ سوائے ایک عبرت کی کہانی کے ان کا کہیں نام و نشان نہ رہا۔ حالانکہ اُس وقت وہ بڑے عروج پر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل اور آپ کے اہلِ خاندان تمام دُنیا کے لیے برکت اور رحمت کا سبب ہوئے کہ آپ کی اولاد

ہیں بہت سے نبی پیدا ہوئے۔حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام (ان سب پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں) جیسے جلیل القدر پیغمبر آپ کی ہی نسل سے ہوئے اور سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ ہی کی نسل سے پیدا ہوئے اور آں حضرت کی ذات با برکات کی وجہ سے دُنیا کو اللہ تعالیٰ کی جو رحمت نصیب ہوئی اُس کا کوئی کیا اندازہ کرسکتا ہے ۔

اب آپ خود مقابلہ کیجیے ایک طرف قومِ لوط ہے۔ خوش حال، مالا مال اور اپنے حال میں مست، خدا سے غافل، اس کی ہدایت سے بے نیاز اور ہر قسم کی بندشوں سے آزاد ۔ دوسری طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ۔ مشکلات کو جھیل کر اللہ کا پیام پہنچانے والے ۔ بظاہر بے یار و مددگار۔ ہر وقت اللہ سے لَو لگائے ہوئے اس کی ہدایت کی روشنی دُنیا میں پھیلا دینے کے لیے بے چین، اُس کی جنّتوں کے منتظر، قدم قدم پر مخالفتوں کا مقابلہ اور دُشواریوں کا سامنا ——— فرشتے آتے ہیں اور دونوں کے انجام کی خبر دیتے ہیں ایک کے لیے سراسر بربادی اور ہلاکت اور دوسرے کے لیے دائمی کامیابی ——— ایسی کامیابی جس کا تصور بھی محال ہے۔

انجام کے لحاظ سے نیکی اور بدی کی راہ کا فرق کس قدر ظاہر ہے ۔

۴۔جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت حضرت سارہؓ کی عمر ۹۰ سال ہوچکی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال کی تھی ایسی عمر میں چونکہ عام طور پر اولادیں پیدا نہیں ہوتی ہیں اس لیے تو حضرت سارہؓ نے جب اولاد کی خوش خبری سُنی تو انھیں تعجب ہوا اور خوشی اور تعجب کے موقعہ پر جیسے کہ عام طور پر عورتیں کچھ کہہ دیا کرتی ہیں اسی طرح آپ نے بھی فرمایا : " یا وَیْلَتٰی " " ہائے کمبخت " اس سے دراصل کوئی اظہارِ افسوس مراد نہیں ۔

۵۔ فرشتوں نے کہا کہ تم جیسی مومنہ عورت کے لیے اس خوش خبری میں اچنبھے کی کونسی بات ہے ؟ تم تو جانتی ہی ہو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کیسی ہے ؟ وہ جب چاہے اور جو چاہے کرسکتا ہے۔ اس کو سب طاقت ہے ——— تمھیں تو یہ یاد کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی لائقِ شکریہ ہے۔ سب تعریف اُس کے لیے ہے اور اُس کی شان بہت بلند ہے۔ یہ موقعہ اظہارِ تعجب کا نہیں ہے بلکہ اس مالک کا شکریہ ادا کرنے اور اُس کی شان کو یاد کرکے اُس کی پاکی بیان کرنے کا موقعہ ہے ۔

ب انور عظمی صاحب

ایک کی بات

اُس کی سمجھ میں یہ سیدھی سادی بات آگئی کہ بات ایک ہی کی ماننی چاہیے کیونکہ اُس نے ہی
کیا ہے اور اُسی نے روزی دی ہے۔ اُس نے جتنا سوچا اُسے یہ بات ہر طرح ٹھیک معلوم ہوتی۔
اس نے سوچا "جب دُنیا میں کسی نہ کسی کی بات ماننی ہی ہے تو کیوں نہ سب سے بڑی ہستی
ت انی جائے، اگر میں سُورج کی، چاند کی، یا دُنیا کی اور چیزوں کی بات مانوں تو یہ بے چارے
. بول سکتے ہیں اور نہ ہمیشہ میرے ساتھ رہ سکتے ہیں اور جب یہ سب میری خدمت میں لگے
تے ہیں تو ان کی تابعداری کیسی، بڑی حماقت کی بات ہوگی، رہ گئے انسان تو ان میں سے
، ہی کی کیوں مانوں اس لیے کہ انسان ہونے میں تو سب برابر ہیں، کوئی انسان کیوں کسی کی بات
. اور دوسرے کو یہ حق کہاں سے پہنچا کہ وہ دوسروں پر اپنا حکم چلائے حکم چلانے کا حق
؛ کو ہے جس نے پیدا کیا ہے۔ تابعداری اُسی کی مناسب ہے جو رزق دیتا ہے، اُسی کی تابعداری
ب سے بڑی کامیابی ہے۔

یہ باتیں اور اسی قسم کی اور باتیں اس کے ذہن میں آئیں اور دل میں جم گئیں۔
کچھ دنوں بعد اس کے ایک گہرے دوست نے اس سے آکر کہا: "رشید! تم اگر چاہو
بُن گوکل کے کھیت پر قبضہ کر لوں، تمھیں پٹواری سے صرف اتنا کہنا ہے کہ وہ اپنے کاغذات
ا یہ لکھ دے کہ گوکل کے کھیت کو میں دو سال سے جوت رہا ہوں! رشید! پٹواری تمھاری
، تعریفیں کرتا ہے، اگر تم اُس سے یہ کہوگے تو وہ ضرور یہ کام کر دے گا۔"
رشید نے کہا: "میرے دوست! مجھے تم سے یہ اُمید نہیں تھی کہ تم مجھ سے ایک غلط
، لوگے اور ایسا کام جو خدا کو سخت ناپسند ہے۔ دوست! معاف کرنا، میں نہ تو اپنے لیے
ٹ بولتا ہوں اور نہ تمھارے لیے۔ پٹواری سے ایک جھوٹی بات کس طرح کہوں گا۔"
رشید کا دوست تو اُس وقت چُپ چاپ چلا گیا، مگر گاؤں بھر میں شور مچاتا رہا کہ
سے نیک بنے ہیں، بڑی پرہیزگاری کا ڈھونگ ہے، ابھی کل تک حرام حلال سب ہڑپ کر
تے تھے اُس وقت خدا اور رسول معلوم نہیں کہاں چلے گئے تھے؟ رشید نے یہ تمام باتیں

اور کچھ نہ کہا' بات آئی گئی ہوگئی۔ رشید نے تو پھر میل ملاپ کی کوشش کی مگر اس کا دوست منھ پھلائے ہی رہا۔

ایک دن وہ دوپہر کو کھیت سے واپس آیا' گرمی کی وجہ سے پسینے میں شرابور تھا دروازے پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کا باپ ایک اجنبی آدمی سے سخت سخت باتیں کر رہا ہے۔

"سیٹھ جی! میں نے پارسال یہیں لاکر آپ کو روپے دیئے ہیں" اجنبی کہہ رہا تھا۔

"مگر وہ میں تمھیں واپس دے چکا ہوں" رشید کے باپ جواب دے رہے تھے۔

رشید نے جب یہ باتیں سنیں تو گھر میں چلا گیا اور ہاتھ منھ دھونے لگا' اتنے میں اس کا باپ بھی گھر کے اندر چلم بھرنے کے لیے آیا' رشید نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا:

"لائیے ابا! میں چلم بھر دوں"۔

اس کے والد نے اسے چلم دے دی اور خود کچھ کھڑا ہوکر سوچنے لگا۔

"آپ سے وہ کیسے روپے مانگ رہے ہیں ابا"۔ رشید نے چلم پر آگ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"انھوں نے کچھ روپے قرض دیے تھے وہ مانگ رہے ہیں" اس کے والد نے جواب دیا۔

"تو اس میں جھگڑا کس بات کا ہے؟" رشید نے پوچھا۔

"میں وہ قرض واپس کر چکا ہوں"۔ اس کے والد نے کہا۔

"تب وہ کیوں کہتے ہیں کہ آپ نے نہیں دیا؟" رشید نے گردن موڑتے ہوئے کہا۔

اتنا سن کر اس کے والد اور قریب پہنچ گئے اور آہستہ سے کہا:

"دیا تو نہیں ہے میں نے مگر ان کے پاس اس کا ثبوت کیا ہے کوئی دستاویز تھوڑے ہی لکھی تھی"۔

رشید کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا۔ "ابا! آپ یہ کیا کہتے ہیں! اس کا قرض لیا ہے تو ادا کیجیے دستاویز نہیں لکھی ہے تو کیا خدا کے یہاں بھی نہیں لکھا ہے؟"

اس کے والد اتنا سنتے ہی آگ بگولا ہو گئے' اس کی ماں نے کہا۔

"بڑا زبان دراز ہے' باپ کے منھ لگتا ہے"۔

اس کی بیوی نے اسے اشارے سے بلایا اور وہ چلم رکھ کر جب اس کے پاس گیا تو اس نے کہا "تمھیں نہ تو اپنے باپ کا خیال رہتا ہے اور نہ ماں کا لحاظ' تم اس طرح رہو گے تو کون تمھارے ساتھ رہے گا"۔

رشید نے اس کی طرف تیز تیز نگاہوں سے دیکھا اور کہا۔ "تو تم یہ چاہتی ہو کہ میں خدا کے نزدیک مجرم ٹھیروں اور میرا باپ بھی! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا' آئندہ اس قسم کی باتیں مت کرنا' یاد رکھو!"۔۔۔۔ یہ کہہ کر وہ تیزی کے ساتھ وہاں سے چلا گیا اور اجنبی کے پاس پہنچ کر کہا: "جناب! مجھے معلوم ہے کہ آپ کے روپے میرے باپ پر

ض ہیں لیکن وہ دینا نہیں چاہتے۔ میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ مجھے کچھ دنوں کی مہلت دیجیے میں آپ کی
و ایک پائی بیباق کر دوں گا۔" اجنبی نے کہا: "بیٹے تیری بات میرے دل کو بہت بھلی لگی، تم جب چاہو دے دینا۔"
یہ کہہ کر وہ تو چلا گیا، مگر اسی دن سے رشید کے ماں باپ اور اس کی بیوی یعنی گھر کے سب لوگ
ن سے خفا رہنے لگے اور رشید کا یہ حال تھا کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

ایک بات اور ہوئی۔ ایک دن کچھ لوگ اس کے پاس آئے، انھوں نے رشید کی باتوں کو کہیں سن لیا تھا
ں لیے ایک ایسے معاملے میں اس سے بات چیت کرنے آئے تھے جس میں رشید اگر چاہتا تو اچھا خاصا نفع کر لیتا۔ مگر جب
س نے ان کی پوری بات سنی تو نرم لہجے میں کہنے لگا: "جناب! آپ لوگوں کا میں احسان مند ہوں کہ آپ نے میرے
ائدے کی ایک بات سوچی، مگر مجھے افسوس ہے کہ یہ بات اس طرح نہ ہو سکے گی جس طرح آپ لوگ چاہتے ہیں کیونکہ یہ
ام کا تمام معاملہ سود پر چلتا ہے اور آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ ہمارے اور آپ کے مالک نے سود کو حرام کر دیا ہے۔
ں لیے جب میں نے اسی ایک کی بات ماننے کا عہد کر لیا ہے تو خدا کے لیے مجھے آزمائش میں ڈالنے کی کوشش نہ کیجیے۔"
جو لوگ آئے تھے وہ تو اٹھ کر چلے گئے، مگر راستے میں آپس میں کہہ رہے تھے: "پاگل ہو گیا ہے نفع کی بات بتاؤ تو خدا اور رسول کو بیچ میں لے آتا ہے۔"

ایسی ہی ایک بات اور ہوئی۔ یعنی اس کے گاؤں میں پنچایت قایم ہو رہی تھی۔ اس گاؤں کے لوگوں کی خواہش ہوئی کہ
شید کو پنچ چنا جائے کیونکہ وہ امانت دار بھی ہے اور لکھا پڑھا بھی۔ مگر جب لوگوں نے اس سے کہا تو رشید نے صاف جواب دے دیا
: "ایک تو آپ لوگ خود چٹان پر کھیتی کرنا چاہتے ہیں اور پھر یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس حماقت میں میں بھی پھنس جاؤں۔ اصلی کام تو یہ ہے
لوگوں کے دل کے اندر خدا کا خوف اور اس کی محبت پیدا کی جائے جب یہ کام ہو جائے گا تو ویسے ہی لاکھوں ایمان دار پیدا
ہو جائیں گے اور آج جو بے ایمانی اور ظلم و فساد پھیلا ہوا ہے ختم ہو جائے گا۔ چونکہ یہ کام ہے کٹھن اس لیے اس سے بچنے
کے لیے آپ لوگ چاہتے ہیں کہ کوئی آسان طریقہ ہو جس پر مزے سے چل چل کر بے ایمانی اور ظلم و فساد کو روک دیں حالانکہ اگر دق کا علاج کرنا ہے
تو عقل مند شخص دق ہی کی دوائیں استعمال کرے گا کوئی ایسا ہی بے وقوف ہوگا جو دق کی بیماری میں زکام کا نسخہ استعمال کرے۔"

لوگ بہت خفا ہوئے اور اسی کے منھ پر کہنے لگے: "دیکھو رشید اس میں تمھاری شہرت بھی تھی اور فائدہ بھی مگر تم تو ایتنے
معقول قسم کے لڑکے ہو کہ سیدھی بات بھی تمھیں ٹیڑھی لگتی ہے۔"

رشید نے کہا: "آپ لوگوں کا شکریہ، معاف کیجیے گا میری باتوں کا یہ کوئی معقول جواب نہیں۔"
وہ لوگ تو چلے گئے مگر بہت دنوں تک رشید کے متعلق طرح طرح کی باتیں سننے میں آتی رہیں مگر رشید
کے دل کو کہیے گا کہ اس پر کوئی اثر نہیں جیسے ایک چٹان ہو جس پر ہر موج آ آ کر سر ٹکراتی رہتی ہے۔
ں ایک روز اس سے ملا اور ان تمام باتوں کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا:
"بھائی صاحب! اب میں ایک کی بات مانتا ہوں اور بس۔"

عبدالخالق ماہر حسن دستقیمی

بچوں کی حکومت عوام پر

آؤ بچو ہم بتلائیں　　اچھا اچھا قصہ سنائیں
منو چُنّو کا اک قصہ　　آج ہم تم کو یاد دلائیں
مُنّو بولا کچھ بچوں سے　　آؤ چلو ہم کھیل کھلائیں
اک ہو کلکٹر جج ہو ایک　　ایک گورنر ہم ٹھہرائیں
ہاں ہاں ایک کمشنر بھی ہو　　پھر ہم اپنا کھیل دکھائیں
باقی سپاہی اور داروغہ　　گاؤں کا چکر شب کو لگائیں
جن کا نام لیا ہے میں نے　　جلدی جلدی بن کر آئیں
مٹی لاؤ پھر سب مل کر　　جس سے ہائی کورٹ بنائیں
بستی کے محافظ بن کے سپاہی　　رات کو میٹھی نیند سلائیں
راہ میں روڑا بن کے جو اٹکے　　کھینچ کے ہائی کورٹ میں لائیں
فیصلہ کرنا کام ہے اُس کا　　جس کو جج سب مل کے بنائیں
چونک کے چُنّو فوراً بولا　　قانون ہو کس کا جس کو چلائیں
مُنّو بولا تو ہے ناداں　　عقل بھی کچھ ہے؟ کیا سمجھائیں
مسئلہ یہ تو کچھ نہیں مشکل　　قانونِ الٰہی سب یہ چلائیں
جس کے سب ہیں غلام اور بندے　　اُس کے حکم کے تابع آئیں
چُنّو اُچھل کر بولا واہ　　اپنے خدا کے گیت بھی گائیں
کھیل سے پہلے سارے مل کر　　اپنے خدا کی حمد سنائیں
پھر ہم سب مل جُل کر　　دُنیا والوں کو بتلائیں
آؤ ایک جماعت بنا کر　　فرض پھر سب کا یاد دلائیں

تاکہ خدا ہو ہم سے راضی
کھیل تماشا بھول ہی جائیں

بچّہ یا امتحان کا پرچہ؟

ماں کچھ سی رہی ہے بچّہ پوچھتا ہے "امّی جان! آپ یہ کیا کر رہی ہیں؟" ماں کہتی ہے "چُپ، جا مجھے کام کرنے دے۔" باپ کچھ لکھ رہا ہے، بچّہ پوچھتا ہے: "ابّا جان پ کیا کر رہے ہیں؟" باپ کہتا ہے: "چُپ، جا تیرا کیا کام۔" بہن آٹا گوندھ رہی ہے۔ بچّہ وچھتا ہے: "آپا آپ کیا کر رہی ہیں؟" بہن جواب دیتی ہے: "چُپ، جا اپنا کام کر۔" بھائی وات میں روشنائی ٹھیک کر رہا ہے۔ بچّہ پوچھتا ہے: "بھائی جان، یہ کیا ہے؟" بھائی جواب دیتا ہے: "چُپ، مجھے خود دیر ہو رہی ہے۔"

چُپ! چُپ! چُپ! ہر طرف سے چُپ! یا اللہ! بچّہ کیا کرے اور کہاں جائے؟ لس سے بات کرے۔ وہ کچھ جاننا چاہتا ہے اسے کون بتائے؟ وہ کچھ سمجھنا چاہتا ہے، اسے کون سمجھائے؟

بچّہ سوچنے لگتا ہے، یہ کیسے لوگ ہیں، انھیں مجھ سے نفرت کیوں ہے! یہ میری باتوں جواب کیوں نہیں دیتے۔ اگر میں خود کوئی کام کرتا ہوں تو وہ انھیں پسند نہیں آتا۔ بات ات پر گالی گلوج اور مارپیٹ، اور اگر کچھ پوچھوں تو بتاتے نہیں —— بچّہ اُداس رہنے لگتا ہے۔ اس کی خاموشی کو دیکھ کر بڑے سمجھتے ہیں بچّہ اب سلیقہ مند ہوتا جاتا ہے —— حالانکہ انھیں نہیں معلوم بچّے کا نازک دماغ غم و غصّے سے سُلگ رہا ہوتا ہے، وہ چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ اس کی صحت روزانہ گرنے لگتی ہے، اس کا دل ہر کام سے اچاٹ ہونے لگتا ہے، وہ نکمّا بنتا جاتا ہے ۔ کرنے اور کچھ سوچنے کی قوّت فنا ہو رہی ہوتی ہے۔

اُستاد کہتا ہے خوشامد بُری چیز ہے۔ بچّہ غور سے سُنتا ہے اور اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنے ارادہ رکھتے ہوئے فیصلہ کرتا ہے کہ وہ کبھی کسی کی خوشامد نہ کرے گا —— مگر انسپکٹر صاحب ی تشریف آوری پر وہ دیکھتا ہے کہ اُستاد خود کتنا بڑا خوشامدی انسان ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ شاید دُنیا میں خوشامد کے جو فن اس کے اُستاد کو آتے ہیں وہ کسی کو نہیں آتے —— اسے اُستاد سے نفرت ہو جاتی ہے۔

باپ کہتا ہے جھوٹ بولنا بڑا ہے۔ کبھی کسی جھوٹ پر وہ بچے کو ڈانٹتا بھی ہے۔ بچہ یہ فیصلہ کرلیتا ہے کہ وہ کبھی جھوٹ نہ بولے گا ——— مگر جب کسی کے پکارنے پر باپ بچے سے کہتا ہے کہ "جاؤ بیٹا' باہر کوئی صاحب آئے ہیں اُن سے کہنا کہ ابّا گھر پر نہیں ہیں" تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں' اس کے ننھے دماغ میں ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوتا ہے وہ سخت اُلجھن میں پڑ جاتا ہے کہ باپ سے نفرت کرے یا جھوٹ سے!

ماں' باپ کو بچے کی مذہبی تعلیم کا بڑا شوق ہے۔ "دینیات" پڑھانے کے لیے مولوی صاحب تشریف لاتے ہیں۔ مولوی صاحب بتاتے ہیں: "نماز پڑھنا بہت ضروری ہے۔ اللہ کی عبادت انسان کا سب سے بڑا فرض ہے۔ مسلمان صبح سویرے اُٹھ کر نماز پڑھتا ہے' مسلمان جانتے بوجھتے کسی وقت کی نماز نہیں چھوڑتا..........." بچہ سب کچھ سُنتا ہے اور اب اس کی آنکھیں ڈھونڈھتی ہیں کہ وہ امّاں اور ابّا کو کسی وقت اللہ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہوا دیکھے۔ لیکن یہ حادثہ کبھی پیش نہیں آتا۔ اس کے دل میں ایک ولولہ اُٹھتا ہے کہ وہ صبح سویرے اُٹھے اور اپنے مالک کے سامنے جا حاضر ہو۔ شوق کی وجہ سے اس کی آنکھ بھی کھل جاتی ہے۔ مگر وہ دیکھتا ہے کہ اس کے علاوہ سارا گھر سویا پڑا ہے۔ اسے بڑی مایوسی ہوتی ہے ——— کیا اس کے ماں باپ مسلمان نہیں ہیں؟ مسلمان نہیں ہیں تو پھر کون ہیں؟ ——— وہ تو ضرور مسلمان ہیں ——— یہ مولوی صاحب بھی جھوٹ باتیں بناتے ہیں ——— نماز ایسی ہی اچھی چیز ہوتی تو کیا ابّا نہ پڑھتے یہ سب مولویوں کی باتیں ہیں۔ نماز تو غریب آدمی پڑھتے ہیں ——— بے پڑھے لکھے ——— جاہل ——— اسے مولوی صاحب سے نفرت ہو جاتی ہے وہ ان کی باتوں کو بے کار سمجھنے لگتا ہے۔

بچے کی کسی سے لڑائی ہوگئی۔ غصّے میں اس نے ایک اینٹ کھینچ ماری ——— ماں نے سمجھایا: "دیکھو بیٹا غصّہ کرنا بہت بُری بات ہے۔" بچے کو ندامت ہوتی ہے۔ اسے اپنے فعل پر خود افسوس ہورہا ہے۔ وہ یہ فیصلہ کرلیتا ہے کہ اب غصّہ آئے گا تو وہ اُسے دبانے کی کوشش کرے گا ——— لیکن وہ دیکھتا ہے کہ ایک دن بی ہمسائی کی بلّی دُودھ پی گئی تو ماں کو کیسا غصّہ آیا۔ ان کا چہرہ کیسا سُرخ ہورہا تھا' ان کی آنکھوں سے آگ برس رہی تھی' ان کے منّھ سے تھوک اُڑ رہا تھا' اور وہ بی ہمسائی کے منّھ میں آرہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں۔ ان کا بس چلتا تو ہمسائی کو کچا چبا جاتیں۔ بچہ سوچتا ہے: "امّاں نے جھوٹ کہا کہ غصّہ کرنا بُرا ہے۔ غصّہ بُرا ہوتا تو خود کیوں کرتیں۔" اب وہ غصّہ

...نے کے بہت سے طریقے جان گیا۔ اسے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہو گئیں جو غصّے میں مُنھ سے نکالی جاتی ہیں۔ وہ بھی اپنے ساتھیوں پر اسی طرح غصّہ کرے گا ـــــ غصّہ کرنا بڑے ہونے کی علامت ہے۔

بچہ کتاب میں پڑھتا ہے "غریبوں کی امداد کرنا ہمارا فرض ہے" بچہ باپ سے اس کا مطلب پوچھتا ہے۔ باپ مطلب بتاتا ہے اور بچے کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ بھی ہمیشہ غریبوں کی مدد کیا کرے ـــــ لیکن بچہ جب اپنی پُرانی ٹوپی کسی غریب ساتھی کو دے آتا ہے تو اس پر مار پڑتی ہے۔ بچہ حیران رہ جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے یہ کیا دھوکے بازی ہے۔ لوگ کہتے کچھ ہیں اور چاہتے کچھ ہیں۔ بچہ عجب اُلجھن میں پڑ جاتا ہے۔

بچے کا سب سے بڑا معلّم اس کا ماحول ہے۔ اس ماحول کے خلاف جو تعلیم بچے کو دی جائے گی وہ اس کی ذہنی اور عقلی صلاحیتوں کو منتشر کر دے گی۔ بچے کی صحیح تعلیم کے لیے اس کے گرد ایک صحیح ماحول بھی پیدا کرنا ضروری ہے ـــــ اگر زیادہ نہیں تو کم از کم ماں، باپ، بھائی، بہن وغیرہ کی حد تک تو اسے پوری امداد ملنا چاہیے اگر یہ بھی نہیں ہے تو پھر آپ یقین کر لیجیے کہ آپ سے بڑھ کر بچے کا دشمن کوئی اور نہیں ہے ـــــ ـــــ اور یہ بھی یقین کر لیجیے کہ اس دشمنی کی بدترین سزا آپ کو اس مالک کی عدالت سے ضرور ملے گی، جس نے اپنی یہ امانت آپ کے سپرد کی ہے ـــــ یہ بچے نہیں ہیں یہ آپ کے امتحان کے پرچے ہیں۔ کیا آپ پسند کریں گے کہ اپنا پرچہ بگاڑ کر امتحان میں ناکام ہو جائیں؟

محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ

دو رُخ

عظمت (اپنی بہو سے) "ثریّا بیٹی! دیکھنا میرے سر میں کھجلی ہو رہی ہے۔ کوئی جوں تو نہیں ہے"

ثریا۔ (کچھ دیر بالوں میں دیکھ کر): "امّاں جان آپ کا سر تو بالکل صاف ہے۔"

عظمت: "نہیں کھجلی تو ہو رہی ہے۔"

ثریّا: "کچھ نظر تو نہیں آیا۔"

عظمت: "تم دیکھنے کی وجہ سے بھی ایسے کہہ دیا کرتی ہو۔"

ثریّا: "اچھا کسی اور سے دکھوا لیجیے۔"

عظمت: "مجھے پہلے ہی تم سے ایسی اُمیدیں تھیں، تم جیسا آرام طلب ہم نے دُنیا میں کوئی نہ دیکھا (اپنی بیٹی سے) رضیہ تو تم دیکھو۔"

رضیہ (تھوڑی دیر دیکھ کر): "امّی بالوں میں تو کچھ نہیں۔ یوں وہم کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں۔"

(عظمت ابھی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ایک ہمسائی آ جاتی ہے۔ علیک سلیک کے بعد عورتوں کا دل چسپ مشغلہ غیبت، چغلی، عیب چینی شروع ہو... رضیہ کچھ دیر ان کی باتیں سنتی ہے۔ آخر قریب آ کر کہتی ہے) رضیہ: "امّی جن کی باتیں ہو رہی ہیں وہ اگر سُن لیں تو پھر؟ آپ اس قسم کی باتیں نہ کر..."

عظمت: "میں کوئی جھوٹ تھوڑی کہہ رہی ہوں، آئی ہیں بڑی مجھ کو سکھانے۔ لو جی ہو تو بہو بیٹی کو بھی میری عزت کا خیال نہیں۔ کس ہمت سے ٹو..."

آپ نے دیکھا۔ ایک طرف تو عظمت کو صفائی کا اتنا خیال ہے کہ محض جوں کے شک پر بہو کے آگے سر رکھ دیا۔ کہ وہ اس کا عیب نکال دے، دوسری طرف جب اپنی بیٹی نے اخلاق کے ایک عیب کی طرف توجہ دلائی تو ناراض ہو گئی۔

کتنی عجیب بات ہے، کہ عورتیں بالوں میں تو ایک جوں بھی برداشت نہیں کرتیں اور اخلاق میں چاہے سیکڑوں کیڑے... رہے ہوں، انھیں دور کرنے کی مطلق فکر نہیں، بلکہ جو کوئی ان کی طرف اشارہ بھی کر دے تو اُس کی جان کو آ جاتی ہیں۔ پھر اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز بات ہے کہ سر کی ایک ذرا سی کھجلی تو انھیں بتا دیتی ہے کہ بال صاف نہیں۔ لیکن آ... کے لڑائی جھگڑے، گالی گلوچ، فضیحتی اور قسم قسم کی ناچاقیوں سے ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ضرور اُن کے اخلاق میں کوئی گندگی... دُور کرنے اور کرانے کی اُسی طرح ضرورت ہے جس طرح سر کی جوئیں۔ کاش انھیں معلوم ہو جائے کہ سر اور کپڑوں کی... اخلاق کو صاف رکھنے کے لیے بھی کچھ اپنی محنت کی ضرورت ہے اور کچھ دوسروں کی تنقید کی۔

اصل پاکیزگی جسم اور لباس کی نہیں بلکہ اخلاق و عادات کی ہے +

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اسلام کے مشہور خلیفہ حضرت عمرؓ ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ اسلامی قانون کی رُو سے کوئی شخص صرف اتنی سی بات پر مسلمانوں کا خلیفہ نہیں بن سکتا کہ وہ کسی خلیفہ کا بیٹا ہے۔ یہ بادشاہوں کی بات ہے کہ ان کے بعد ان کا بیٹا ہی گدّی پر بیٹھتا ہے' چاہے وہ گدّی کے لائق ہو یا نہ ہو۔ اسلامی قانون اس کی اجازت نہیں دیتا۔ مسلمان اپنے لیے خلیفہ خود چُنتے ہیں۔ ان کے نزدیک جو سب سے زیادہ قابل' لائق اور خدا سے ڈرنے والا ہوتا ہے وہ اُسی کو خلیفہ بناتے ہیں۔ چنانچہ جب حضرتِ عمر فاروقؓ کا آخر وقت آیا اور یہ سوال اُٹھا کہ آپ کے بعد مسلمانوں کا خلیفہ کون ہوگا تو آپ نے اس بات کا فیصلہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سُپرد کر دیا اور ان کو یہ ہدایت کر دی کہ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو صرف مشورے میں تو شامل کیا جائے لیکن انھیں خلیفہ نہ بنایا جائے۔

ایک اچھے مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی حکومت میں بھی کسی عہدے کا طالب نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر اسے کوئی عہدہ دے دیا جاتا ہے تو اُس پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خوف غالب رہتا ہے اور وہ ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں اس سے کوئی کوتاہی ہو جائے اور قیامت کے دن اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے بحیثیتِ مجرم پیش ہونا پڑے۔

یہی حال حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب آپ کو قضا کا عہدہ (جج یا مُنصف جیسا عہدہ) پیش کیا گیا تو آپ نے بہت معذرت کی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی بات یاد ہے کہ قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جنھیں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے قانون کا ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہوتا اور وہ اس قانون کے خلاف غلط فیصلے کر دیا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو دُنیا کے کسی لالچ میں گرفتار ہوتے ہیں اور صرف چند روزہ زندگی کے کسی فائدے کی خاطر صحیح فیصلہ نہیں کرتے۔ یہ لوگ بھی دوزخی ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو اللہ کی

دی ہوئی عقل کو کام میں لاتے ہیں اور اللہ کے بھیجے ہوئے قانون کی روشنی میں حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں' ایسے لوگوں کے لیے نہ کوئی عذاب ہے اور نہ ثواب انھوں نے بس اپنا فرض ٹھیک ٹھیک ادا کر دیا ـــــ اس بات کو بالکل اسی طرح سمجھیے کہ جب کوئی عہدے دار غلط کام کرتا ہے تو سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ لیکن ہر صحیح کام کرنے پر اسے انعام نہیں ملتا۔ کیونکہ صحیح کام کرنا تو اس کا فرض تھا' جسے اگر اس نے ٹھیک ٹھیک ادا کیا تو کسی پر احسان نہیں کیا۔

یہی وجہ ہے کہ جو مسلمان اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کے سامنے اپنے سارے کاموں کی جواب دہی کا یقین رکھتا ہے وہ کبھی بھی کسی عہدے کا طلب گار نہیں ہو سکتا بلکہ وہ تجارت کرنا' مزدوری کرنا' یا کسی اور طریقے سے اپنا رزق کما لینا اس سے بہتر سمجھتا ہے کہ وہ کسی صوبے کا گورنر یا عامل بنا دیا جائے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اگرچہ کسی عہدے کو قبول نہیں کیا لیکن وہ جہاد فی سبیل اللہ میں برابر شریک ہوتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادتؓ کے بعد کچھ لوگوں نے آپ کو خلیفہ بنانے پر زور دیا۔ لیکن آپ نے کسی طرح قبول نہیں کیا لوگوں نے آپ کو قتل کی دھمکی دی لیکن آپ نے اس کی بھی کوئی پروا نہ کی۔

حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہو گئے تھے جنھوں نے حضرتِ علیؓ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ یہ لوگ تھوڑے تھے۔ انھوں نے حضرت علیؓ کے خلاف لڑائیاں بھی کیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو اس شرط پر تسلیم کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی آپس کی لڑائی میں کسی طرف سے بھی حصّہ نہ لیں گے۔ آپ کی خواہش تھی کہ آپ کے ہاتھوں کسی مسلمان کا خون نہ بہے۔ اس لیے آپ نے جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں کوئی حصّہ نہ لیا۔ یہ دونوں لڑائیاں حضرتِ علیؓ اور آپ کے مخالفین کے درمیان ہوئی تھیں۔ لیکن آپ کو ان جنگوں میں حصّہ نہ لینے کا آخر دم تک افسوس رہا۔ آپ فرماتے تھے کہ سچّی بات کی خاطر لڑ کر جان دے دینا بہت بہتر ہے۔

آپ نے ۷۴ھ میں تراسی یا چوراسی سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حج کے زمانے میں آپ کے پیر میں کسی شخص کا زہر سے بجھا ہوا نیزہ لگ گیا۔ اسی کا زہر آپ کی موت کا سبب ہوا۔

آپ کا شمار اپنے وقت کے بڑے علماء میں تھا۔ قرآن، تفسیر، اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ کو قرآن سے بہت لگاؤ تھا۔ قرآن کے بہت سے مشکل مقامات کی تشریح آپ نے بہت خوبی سے بیان فرمائی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب مسلمانوں میں خانہ جنگی چھڑی ہوئی تھی تو اُس وقت آپ سب سے الگ تھلگ تھے۔ کسی ہنگامے میں حصّہ نہیں لیتے تھے۔ کچھ لوگوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ ملک میں فتنہ و فساد برپا ہے اور آپ جنگ کے لیے نہیں نکلتے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ — ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے

وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ — "اور دین خالص خدا کے لیے ہو جائے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: "بے شک ہم لڑے یہاں تک کہ "فتنہ" باقی نہ رہا اور "دین" خدا کے لیے ہوگیا۔ لیکن تم لوگ اس لیے لڑنا چاہتے ہو کہ "فتنہ" پیدا ہو اور "دین" بادشاہ کے لیے ہو جائے۔" دراصل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، شرک اور کفر سب سے بڑا فتنہ ہے۔ اس کو مٹانے اور دُور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا ہے تاکہ اللہ کے بندے صرف اُس کی اطاعت اور فرماں برداری کرسکیں۔ لیکن کسی شخص کی بادشاہی قایم کرنے کے لیے لڑنا، چاہے وہ شخص مسلمان ہی کیوں نہ ہو خود فتنہ ہے، جہاد فی سبیل اللہ نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے جتنی احادیث مروی ہیں وہ اگر حدیث کی کتابوں سے علیحدہ کردی جائیں تو علمِ حدیث بہت بڑی حد تک ناقص ہو جائے۔ آپ سے ۱۶۳۰ احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ۱۷۰ تو ایسی ہیں جنھیں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں نے مستند قرار دیا ہے، اور ان کے علاوہ ۸۱ صرف امام بخاریؒ کے نزدیک اور ۳۱ امام مسلمؒ کے نزدیک مزید مستند ہیں۔

جناب نیاز احمد صاحب

عزم

میں دُنیا میں ایمان لے کر اُٹھوں گا

اور اسلام کو لے کے آگے بڑھوں گا

یہ میرا ارادہ ہے باطل سے لڑ کر

میں اسلام کا بول بالا کروں گا

مٹا دوں گا باطل کو بالکل جہاں سے

زمانے میں حق کی اشاعت کروں گا

مَیں لادینیت کو جہاں سے مٹا کر

خدائی حکومت بنا کر رہوں گا

یہی ایک مسلم کے دل کی صدا ہے

کہ مسلم کو مسلم بنا کر رہوں گا

محترمہ نسیم آرا صاحبہ

خانہ بدوشوں کا ڈیرا

رات کے ایک بجے اچانک بلقیس کی آنکھ کھل گئی۔ گرمیوں کے دن تھے اور چاندنی رات، چھت پر پاس پاس بچھے ہوئے پلنگوں پر اس کے دونوں بھائی اور والدین گہری نیند سو رہے تھے۔ جنوب کی طرف کتوں نے بھونک بھونک کر آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ بلقیس آہستہ سے بستر سے اٹھی اور چھت کی جنوبی دیوار سے نیچے کی طرف جھانکنے لگی۔ مکان کے سامنے والے کھلے میدان میں دُور، دُور تک مٹیالے رنگ کے خیمے لگے ہوئے تھے۔ جن کے اردگرد بیل، گدھے اونٹ اور کتے نظر آ رہے تھے۔ اونٹ تو اپنی روایتی شرافت سے کام لیتے ہوئے خاموش بیٹھے تھے مگر کتوں کو کسی طور چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر گھومتے اور چلاتے اور پھر گھومنے لگتے۔ کوئی بیٹھا کوئی اٹھتا کوئی اونٹوں سے ٹکراتا اور بھونکنا شروع کر دیتا۔

بلقیس کا گھر ایسی جگہ واقع تھا جہاں شہری آبادی ختم ہو کر دیہاتی علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ خیموں والے وسیع میدان کے دائیں بائیں اور آگے دُور تک کھیت ہی کھیت نظر آ رہے تھے، جن کے درمیان کہیں کہیں دیو قامت درخت کھڑے تھے۔ کسی کسی وقت ہوا کا جھونکا آتا تو درختوں کی جھومتی ہوئی ٹہنیوں سے سرا را سرا را کی آوازیں آنے لگتیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد دُور سے کسی نگہبانی کرنے والے کسان کی للکار سنائی دے جاتی اور کتوں کی ٹولی اور بھی زیادہ زور سے بھونکنا شروع کر دیتی ——— چودھویں رات کے چاند کی دودھیا چاندنی نے ان مٹیالے خیموں، وسیع کھیتوں اور جھومتی شاخوں والے اونچے اونچے درختوں کو کچھ ایسی دلفریبی عطا کر رکھی تھی کہ بلقیس بُت بنی کھڑی تھی۔

کچھ دنوں سے اس میدان میں خانہ بدوشوں کا ایک گروہ ٹھیرا ہوا تھا۔ یہ لوگ اپنے اونٹوں، گدھوں، خیموں اور معمولی ساز و سامان کو لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ جہاں مناسب جگہ دیکھتے ہیں، خیمے گاڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ وہاں گزارتے ہیں پھر خیمے اور سامان پھر اونٹوں پر لادتے ہیں اور کتوں کو ہمراہ لے کر کسی اور جگہ جا نکلتے ہیں۔ جس دن سے یہ اس

میدان میں فروکش ہوئے تھے بلقیس دن میں کئی بار کھڑکی سے ان کے خیمے دیکھا کرتی تھی۔ گہرے نیلوں کا نظارہ ہمیشہ سے پیارا معلوم ہوا کرتا تھا۔ اس پر دُور سے بچوں اور جانوروں کی چل پہل اُسے اور بھی متاثر کرتی۔ کئی دفعہ اُس کا جی چاہا تھا کہ قریب جاکر ان لوگوں کا حال چال دیکھے، مگر پھر بات آئی گئی ہوجاتی۔ آج چاند کی ٹھنڈی ٹھنڈی میٹھی میٹھی چاندنی میں یہ منظر ایسا پیارا معلوم ہورہا تھا کہ اُس نے وہاں جانے کا پکّا ارادہ کرلیا۔ وہ دیر تک اس حسین نظارے کو تکتی رہی اور آخر اسی کے متعلق سوچتی ہوئی سوگئی۔

دوسرے دن صبح دس بجے کے قریب وہ ماما کو ساتھ لے کر خانہ بدوشوں کے ڈیرے کی طرف چل دی۔ ڈیرے ان کے گھر سے کوئی ستر گز کے فاصلے پر تھا بلقیس اونچی نیچی زمین پر چڑھتی اُترتی خیموں کی طرف چلی جارہی تھی کہ ماما نے کہا: "بٹیا آپ کئی دنوں سے اس ڈیرے کے دیکھنے کی دھن میں لگی ہیں۔ شاید اس لیے کہ دُور سے یہ بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر یقین مانیے کہ جب آپ انھیں قریب سے دیکھیں گی تو پھر کبھی ادھر رُخ کرنے کو بھی جی نہیں چاہے گا۔ میں بھی آپ ہی کی طرح دُور سے ان کی بہار دیکھ کر یہاں آئی تھی مگر بے زار ہوکر گئی تھی۔

بلقیس کو ماما کی بات پر یقین نہ آیا۔ "میں سمجھ گئی بڑی بی" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ میں آپ کا کام چھڑا کر ساتھ لائی ہوں نا۔ اسی لیے آپ جلے دل کے پھپھولے بے چارے خانہ بدوشوں پر پھوڑ رہی ہیں۔"

"اے نہیں خدا گواہ ہے۔" بڑی بی جلدی سے بولیں۔ پھپھولے پھوڑنے کی کیا بات ہے بھلا — یہ ڈیرا واقعی اس قابل نہیں کہ اسے دیکھنے کے لیے خاص طور پر چل کر آیا جائے۔ آپ کو یقین نہیں آتا تو میں کچھ نہیں کہتی خود ہی دیکھ لیجیے گا۔ لو اب آہی گئے ہیں۔"

جب وہ دونوں ڈیرے میں داخل ہوئیں، تو مرد اُن کے بُرقعے دیکھ کر اِدھر اُدھر ہوگئے اور عورتیں اور بچے تو انھیں حیران نگاہوں سے تکتے رہے پھر ایک ایک دو دو کرکے ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ ایک نوجوان خانہ بدوش لڑکی نے بڑھ کر اُن کے آنے کی وجہ پوچھی۔ اور جب بلقیس نے بتایا کہ وہ پھر کر اُن کا ڈیرا دیکھنا چاہتی ہیں تو لڑکی زور سے ہنس پڑی اور بڑے عجیب انداز میں تقریباً چلّاتے ہوئے کہا: "اے محلوں کے رہنے والو! یہاں بھلا کیا دھرا ہے کہ تم نے اُسے دیکھنے کے لیے تکلیف اُٹھائی ہے۔"

بات کچھ ایسے لہجے میں کی گئی کہ بلقیس سخت کھسیانی ہوئی۔ ماتھے پر پسینہ پھوٹ نکلا اور اسے ایسا محسوس ہوا کہ گویا ڈیرا دیکھنے کی خواہش ظاہر کرکے اُس نے ڈیرے والوں کی بے عزّتی کردی ہے۔ خانہ بدوش لڑکی نے فوراً ہی محسوس کیا کہ اُس نے کوئی اچھی بات نہیں کی اور جلدی سے آگے بڑھ کر بلقیس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "اچھا تو

پھر آیئے میں آپ کو اپنا ڈیرا دکھا دوں۔" اُس نے لجاجت سے کہا اور بلقیس کو ساتھ لے کر چلنے لگی۔ بلقیس کی خفت کچھ کم ہوئی تو اُس نے بغور ہر شے کو دیکھنا شروع کر دیا۔ اور چند ہی منٹوں میں اندازہ لگا لیا کہ ثریا بی بی نے جو کچھ کہا تھا وہ ٹھیک ہی تھا۔

وہی ڈیرا جو رات کی پیاری پیاری چاندنی میں دُور سے پریوں کا دیس معلوم ہو رہا تھا، دن کی روشنی میں قریب آنے پر بھنگیوں کی بستی سے بھی گیا گزرا ہوا نکلا۔ چاروں طرف خاک دُھول اور غلاظت کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ کیچڑ سے ملتے جُلتے رنگ کے خیموں کے کونے مختلف قسم کے چیتھڑوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ٹوٹے ہوئے مٹی کے برتن اِدھر اُدھر لُڑھک رہے تھے۔ جگہ جگہ پانی سے کیچڑ ہو رہا تھا اور اُس کے کنارے فوج در فوج مچھر بیٹھے تھے۔ کہیں کوئی موٹا سا کتا مُنھ کھولے زمین پر پڑا تھا تو کہیں کوئی مسکین سا اونٹ غلاظت میں گھرا بیٹھا سُستی سے آنکھیں جھپکا رہا تھا۔ بدبو کا وہ طوفان اُٹھ رہا تھا کہ خدا کی پناہ اور لہنگوں والی خانہ بدوش عورتیں اور اُن کے ننگ دھڑنگ بچے ہاتھ پاؤں اور چہروں پر میل کی تہیں جمائے بے طرح شور و غل کر رہے تھے۔۔ غرضکہ چاروں طرف بدنظمی بے ترتیبی اور گندگی کا ایسا وحشت ناک منظر تھا کہ بلقیس کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہونے لگا۔ وہ بمشکل آدھا ڈیرا دیکھ سکی اور پھر گھبرا کر باہر نکل گئی۔

جب وہ خیموں سے چند گز کے فاصلے پر نکل آئیں تو ماما زور سے قہقہہ مار کر بولی: "کیوں بیوی میں نے آپ کہا نہیں تھا کہ یہاں کوئی دیکھنے کے قابل چیز نہیں ہے۔ مگر آپ کو یقین نہ آیا۔ اب بتایئے کیا دیکھ آئی ہیں؟"

بلقیس کچھ جواب نہ دے سکی اور چُپ چاپ سر جھکائے چلتی رہی۔ اُسے بار بار خیال آ رہا تھا کہ میں کیا سمجھ کر گئی تھی اور کیا دیکھ کر آئی ہوں۔ وہ ناامید اور بے دل سی ہو رہی تھی۔ جب وہ گھر کے صحن میں داخل ہوئی تو ماں دُور ہی سے اُسے دیکھ کر ہنس پڑی۔ "کیوں بیٹی دیکھ آئی ہو ڈیرا؟" انھوں نے مشین چلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں امی دیکھ آئی ہوں۔" بلقیس اُداس لہجے میں بولی اور وہیں ماں کے پاس بیٹھ گئی۔ کچھ دیر تو وہیں بیٹھی آڑی ترچھی لکیریں کھینچتی رہی اور پھر بے دلی سے صحن میں رکھے ہوئے پھولوں کے گملوں سے پتیاں توڑنے لگی۔

"بھئی یہ خانہ بدوشوں کا ڈیرا بھی عجب تماشا ہے۔" ماں نے مشین سے کپڑا نکالتے ہوئے کہا۔ "چاندنی راتوں میں اس کا منظر بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر صبح کے وقت جب قریب سے جا کر دیکھو تو جی چاہتا ہے کہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جائیں۔ کچھ دن ہوئے میں بھی بڑھیا ماما کے ساتھ وہاں گئی تھی مگر پندرہ منٹ ٹھہرنا بھی عذاب ہو گیا۔" "پندرہ منٹ" بلقیس نے متعجب ہو کر سر اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "مگر امی مجھے پانچ منٹ ٹھہرنا بھی دوبھر معلوم ہو رہا تھا۔" اور پھر وہ دیوار پر چڑھی ہوئی بیل سے ایک بڑا سا پتا توڑتے ہوئے بولی۔ "خواہ مخواہ وقت ضائع کیا اور دل جو خراب ہوا سو الگ۔"

"کس بات پر دل خراب ہوا میری بہن کا۔" بلقیس کے بھائی ماجد نے اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔ "اسی خانہ بدوشوں کے ڈیرے کی بات کر رہی ہوں بھائی جان۔" بلقیس بولی۔ "رات میں نے اُسے چاندنی میں دیکھا تھا کیا بتاؤں، کتنا پیارا معلوم ہو رہا تھا مگر اب دن کی روشنی میں قریب سے جا کر جو دیکھا ہے تو اس وقت تک طبیعت درست ہونے میں نہیں آ رہی ہے۔" — ماجد ہنس پڑا: "خوب! تو گویا تم بہت پریشان ہو کر وہاں سے لوٹی ہو۔" — "ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔" بلقیس نے جواب دیا — "کیوں کیا کچھ تھا وہاں" ماجد نے پوچھا۔

"خاک دھول، کیچڑ، مکھیاں، مچھر اوٹ گئے اور کیا کچھ بتاؤں" ——— "مگر تو بیگم ہمیں خانہ بدوشوں کے ڈیرے پر اتنا اعتراض کرنے کا کیا حق ہے جب ہم خود بھی ایک ایسے ہی ڈیرے میں رہ رہے ہیں" ماجد نے ایک سنجیدہ مسکراہٹ سے کہا۔

"کیا مطلب" بلقیس کچھ حیران سی ہو کر بولی ——— "مطلب یہی ہے بھئی" ماجد نے کہا۔ کہ ہماری یہ دُنیا بھی تو خانہ بدوشوں کا ڈیرا ہی ہو کر رہ گئی ہے نا، ذرا دیکھو تو اس میں کتنی غلاظتیں اور گندگیاں پھیل گئی ہیں۔ کہیں گمراہ عقیدے کے لوگ خدا کو چھوڑ کر پیروں فقیروں کی نذریں مان رہے ہیں کہیں زور والے کمزوروں پر ظلم ڈھا رہے ہیں کسی گھر میں آقا نوکروں پر ستم توڑ رہے ہیں تو کہیں نوکر بے ایمانی سے آقا کا مال ہڑپ کیے جا رہے ہیں جب چار آدمی مل کر بیٹھتے ہیں تو اُن کی محبوب گفتگو چغلی اور غیبت ہوتی ہے اور ذرا سی ضرورت پیش آنے پر بڑی بے باکی سے جھوٹ بول دیا جاتا ہے چھوٹی چھوٹی رنجشوں پر عزیزوں سے تعلقات توڑ لیے جاتے ہیں اور ذرا ذرا سی شکر رنجی کی بنا پر معصوموں کو تہمتیں لگا دی جاتی ہیں۔ آخر یہ سب قوانین ہمارے ڈیرے کی غلاظتیں ہی تو ہیں ——— سمجھیں؟" "ہاں سمجھ گئی ہوں" بلقیس بولی۔ آپ کہتے جایئے۔

"اسے بھئی کیا کہتا جاؤں" ماجد نے کہا۔ تم تو پنیاں توڑنے میں لگی ہو" ———

بلقیس پتیاں چھوڑ کر اس کے پاس آ بیٹھی اور اُس کی باتیں سننے لگی۔

"اب خود ہی دیکھ لو نا" ماجد نے پھر کہا۔ کہ ہمارے اِرد گرد کتنی غلاظتیں ہیں۔ مگر تم نے کبھی انھیں محسوس نہیں کیا ——— ہم میں سے اکثر انھیں محسوس نہیں کرتے۔ اُلٹی یہ دُنیا ہمیں خوبصورت اور دل فریب نظر آ رہی ہے۔ بالکل اُسی طرح جس طرح تمھیں چاندنی رات میں خانہ بدوشوں کا ڈیرا دل فریب نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ وہ ایک میلی اور غلیظ سی جگہ ہے۔ سو بھئی جس طرح چاندنی اور دُوری کے پردوں نے اُس کے عیب ڈھانپ رکھے تھے۔ اُسی طرح ایک پردے نے ہماری دُنیا کی گندگیوں کو ڈھانپ رکھا ہے۔ تم جانتی ہو وہ کیا پردہ ہے؟"

"کیا ہے" بلقیس نے پوچھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے بھائی کے چہرے کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"بھئی وہ غفلت کا پردہ ہے" ماجد نے جواب دیا۔ ہم نے آنکھوں پر غفلت کی پٹی باندھ رکھی ہے اسی لیے ہمیں اپنی غلاظتوں سے بھری ہوئی دُنیا خوبصورت نظر آ رہی ہے اگر ہم اس غفلت کے پردے کو دُور کر دیں اور ایمان کی روشنی میں اپنی دُنیا کو قریب سے دیکھیں تو معلوم ہو کہ کس طرح یہ ڈیرا کوڑے کرکٹ سے اَٹا پڑا ہے اور کس طرح ہم بُرائیوں کی خاک دھول میں لتھڑے گناہوں کی کیچڑ میں لوٹ رہے ہیں ——— اور تمھیں ایک اور بات بتاؤں بلقیس؟"

"بتایئے" بلقیس نے کہا۔

"دیکھو جس طرح آج تم خانہ بدوشوں کے ڈیرے پر گئی تھیں نا اسی طرح اللہ میاں کے فرشتے بھی ہمارے ڈیرے پر آ کر دیکھتے ہیں۔ تم خانہ بدوشوں کے ڈیرے کو دیکھ کر اتنا گھبرا گئیں [illegible] بالکل [illegible] جب ان [illegible] ہمارے ڈیرے کی غلاظتیں دیکھتی ہوں گی تو کیسا کچھ نہ گھبراتی ہوں گی"

محترمہ نیر بانو صاحبہ

کھلونے

جاڑا ختم ہوا، بسنت رُت اپنی بسنتی چُنریا لہراتی ساری بستی پر چھا گئی۔ دھوپ میں تیزی آ گئی۔ ساتھ ہی جب ہوا کے ٹھنڈے جھونکے آتے، جسم میں چستی بھر جاتی۔ بچوں کے جسموں پر سے سردیوں کے بھاری بھاری لبادے اُتر گئے۔ ننھا ناصر جب پچھلے دن بھاری سے کوٹ، روئی کی بنڈی اور مفلر ٹوپی سے آزاد ہوا، تو خوشی کے مارے سارے گھر میں اچھلتا کودتا پھرا۔ وہ اتنا خوش تھا کہ اُس کی سمجھ میں نہ آیا وہ کیا کرے۔ اُس کے چھوٹے ماموں باہر جانے کے کپڑے پہنے کچھ اس طرح کھڑے تھے جیسے کہیں جا رہے ہوں، ناصر ایک دم چہکنے لگا۔ "ماموں جان آپ کہاں جا رہے ہیں؟ ہمیں بھی لے چلیے۔" آج ماموں جان بھی ناصر ہی کی طرح خوش تھے وہ بھی بہار کی ہواؤں میں گھومنا اور بسنت کی سیر دیکھنا چاہتے تھے۔ آج چھٹی تھی۔ دو گھنٹے کھیتوں میں پھر آئیں گے، گھر سے کچھ دُور اُن کے کھیت تھے۔ جب کوئی خود خوش ہو تو کسی کو رنجیدہ کرنا نہیں چاہتا۔ ناصر کو بازوؤں سے پکڑ ہوا میں اُچھال قلابازی کھلا زمین پر کھڑا کر دیا۔ "کہیے مزاج کیسے ہیں؟ ذرا کھیتوں کی سیر کرنے جا رہا ہوں تمہارے پکے پکے بیر لاؤں گا۔ ہمارے چچا ابا کی بیریوں کے بیر پک گئے ہیں۔" "میرا بھی جانے کو جی چاہتا ہے مجھے بھی لے چلیے۔" "آپا بیگم سے پوچھ آیئے۔" "اگر منع کر دیا تو کیا ہوگا؟ بس ماموں جان آپ لے ہی چلیے۔ میں بھی کھیت دیکھوں گا، بیر کھاؤں گا۔" "آپا بیگم کی اجازت کے بغیر کیسے لے جا سکتا ہوں، وہ پریشان ہوں گی کہ ناصر کہاں گیا۔ سارے میں تلاش کرائیں گی۔ دوڑ کے پوچھ آؤ منع نہیں کریں گی۔" "نہیں آپ لے جانا نہیں چاہتے۔ میں پوچھنے جاؤں گا آپ چلے جائیں گے۔ شریف روز ایسے ہی کرتا ہے، میں اُس کے ساتھ جب بازار جانے کے لیے کہتا ہوں، کبھی وہ امی جان سے پوچھنے، کبھی جوتا پہننے کے بہانے اندر بھیج دیتا ہے اور خود چپکے سے بھاگ جاتا ہے۔ میں تو ہرگز پوچھنے نہیں جاؤں گا۔ یہیں بیٹھا ہوں آپ اجازت لے آئیے۔" ——— "واہ یہ خوب رہی جائیں آپ اجازت میں لاؤں، اور آپ کو لے کر بھی جاؤں۔ شریف تو بے وقوف ہے۔ بچوں کو اس طرح دھوکہ دینا بُری بات ہے۔ میں آج اُسے ضرور سمجھاؤں گا۔ خاطر جمع رکھو اسی لیے تم میرا یقین نہیں کر رہے ہو۔ ٹھیک ہے نا۔ جاؤ، شاباش امی جان سے پوچھ لیا تو خوشی خوشی گھوم پھر آؤ گے۔ بے پوچھے گئے تو واپس آنے پر اُن کے ڈر سے ساری خوشی خراب ہو جانے گی۔ پھر فائدہ کیا ہوا۔ تم تو بڑے اچھے لڑکے ہو خراب بچوں والی باتیں تم کب سے کرنے لگے ہو۔ چلو جلدی کرو، میں سائیکل نکالتا ہوں۔ تم یہ سلیپر بھی بدل آؤ دوسرا جوتا پہن لو چلنے پھرنے میں آسانی رہے گی۔"

ناصر کا دل خراب لڑکا بننے پر آمادہ نہ ہوا' وہ آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہوا اندر چلا ہی گیا۔ اور جب
ی نے کہا کہ ماموں بیر کھانے جا رہے ہیں وہ بھی چلا جائے' تو اجازت مل ہی گئی۔ مگر اس شرط کے
ساتھ کہ اتنے زیادہ بیر نہ کھا لینا کہ پیٹ میں درد ہونے لگے۔ اجازت نہ ملنے کا اندیشہ ختم ہوا تو دبی
وئی خوشی پھر ابھر آئی۔ سلیپر وہیں پھینکے' پنا کون ہاتھوں میں جوتے اُٹھا لیے' دو تین چھلانگوں میں باہر
تھا۔ جوتے ماموں کو پکڑا دیے۔ ماموں نے کہا "ارے یار تم بھی یوں ہی ہو' جوتا بھی نہیں پہن سکتے"۔
کر کسے جوتا پہنایا۔ فیتے باندھ سائیکل کے اگلے ڈنڈے پر ایک تکیہ جمایا۔ ناصر کو بٹھا چل دیے ـــــ
ر پر دُھلا ہوا نیلا آسمان تھا۔ دُور اونچے آسمان میں بیسوں چیلیں اُڑ رہی تھیں' ناصر نے سوچا
بھی خوش ہو رہی ہیں اور آج آسمان کی سیر کرنے نکلی ہیں۔ سڑک کے دونوں طرف گیہوں کے
رے بھرے کھیت لہلہا رہے تھے' بیچ میں سرسوں کی کیاریاں تھیں' جن کے پیلے پیلے پھول نرم نرم
دھوپ میں چمک رہے تھے۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ ایسا لگتا ہے کہ امّی جان نے بہت سے
دوپٹے رنگ رنگ کر پھیلا دیے ہیں۔ اور وہ وہیں ماموں کے سر ہو گیا کہ اب سائیکل سے
اُتار دیجیے۔ پیدل چلیں گے۔ اور وہ دونوں خوب گھومے۔ بیریوں کے باغ سے پکے پکے بیر
تو ڑے' کھائے اور ناصر نے اپنی سب جیبیں بھر لیں۔ جب ڈیڑھ دو گھنٹے بعد اچھی طرح
تھک گئے تو گھر یاد آیا۔

کھلی ہوا' دھوپ اور خوشی سے تمتمایا ہوا چہرہ امّی جان دیکھ کر حیران رہ گئیں'
نہیں ناصر کبھی اتنا خوب صورت معلوم نہیں ہوا تھا۔ ننھے سے دل میں خوشی سما نہیں رہی
تی اور آنکھوں میں چھلک آئی تھی۔ جس کی لہریں امّی اور ابّا کے دلوں کو بھی چھو رہی تھیں۔
صر جھک کر اپنی جیبیں خالی کر رہا تھا۔ زمین پر بیروں کا چھوٹا سا ڈھیر لگ گیا" یہ لیجیے
ہ آپ کا اور ابّا کا حصّہ" ـــــ اور امّی قدرت کے اس ننھے شاہکار' اللہ کی عطیّے پر
ن دل میں خدا کا شکر ادا کر رہی تھیں۔ یہ معصوم فرشتہ یہ مسرتیں بکھیرنے والا جیتا جاگتا
ونا اللہ ہی کی دین تو ہے اور اُسی کی امانت۔ اور اُس نے اللہ سے چپکے چپکے دُعا
کی کہ وہ اس کو اس امانت کا صحیح معنوں میں اہل ہونے کی ہمّت دے۔

ناب حیدرعلی صاحب حیدر

دائی حکومت

یہ فتنے دباؤ تباہی مٹاؤ

توں سے چھڑاؤ خدا سے ملاؤ

دورت ہٹاؤ محبت بڑھاؤ

زمیں کو ہلاؤ ستارے نچاؤ

ندھیرا گھٹاؤ اُجالا بڑھاؤ

رہِ حق دکھاؤ جہاں اک بساؤ

خدائی حکومت

جہاں میں چلاؤ

جناب حیدرعلی صاحب حیدر

سُورج

آہا آہا سُورج آیا

پیارا پیارا

اچھا اچھا

دُور اندھیرا کرنے والا

زَر کا جالا تننے والا

دن کا گہنا لانے والا

مشرق، مغرب پھرنے والا

حکمِ رب پر چلنے والا

آہا آہا

سُورج آیا

پیارا پیارا اچھا اچھا

Reged. No A - 306 "ALHASANAT" RAMPUR, U. P.

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ
بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔

جلد ۳ — نمبر ۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

رسالۂ

الحسنات

رام پور

جو مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

مئی اول ۱۹۵۰ء

مدیر: ابوسلیم محمد عبدالحی

چندہ
سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے — پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے — تین روپے
فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبدالحی طابع و ناشر نے مرتضیٰ برقی پریس رام پور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رام پور (یو-پی) سے شائع کیا

احساسات

پچھلے رسالے میں آپ کو یہ بتایا جا چکا ہے کہ ہندوستان سے موجودہ فساد کم
کرنے کے لیے کس مستقل پروگرام کو اپنانا چاہیے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ اچھی طرح
گئے ہوں گے کہ مستقل طور پر امن قایم کرنے اور فساد دُور کرنے کے لیے آپ
واسطے وہی ایک پروگرام مُفید ہو سکتا ہے جو ہم نے آپ کے سامنے رکھا ہے۔ ؟
یہ بھی اُمید ہے کہ آپ اپنی زندگیوں کو اُسی پیمانے پر ڈھالنے کی کوشش بھی کر رہے
جو اسلام کی بُنیادی تعلیمات کی روشنی میں ہم آپ کے سامنے رکھ چکے ہیں ا
انشاءاللہ آئندہ دَوْر میں جب آپ دُنیا کا کام خود اپنے ہاتھوں سے سنبھالیں
تو اس مُلک کو سچا امن اور حقیقی چین آپ کے ہی ہاتھوں نصیب ہوگا۔

موجودہ حالات میں کچھ کام فوری کرنے کے ہیں اب ہم آپ کو ان کی
متوجہ کرتے ہیں۔

ا۔ مصیبتیں جھیلنے، تکلیفیں اُٹھانے اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کی کچھ
طاقت اللہ تعالیٰ نے سب کو عطا کی ہے ——— اس وقت وہی لوگ سب سے
نقصان اُٹھا رہے ہیں جن کے دلوں پر اپنے مخالف کا خوف بُری طرح سوار
ایسے لوگ پاکستان میں بھی پٹ رہے ہیں اور ہندوستان میں بھی ایسوں کا کوئی
نہیں۔ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، جن کا یقین ہے کہ زندہ رکھنا اور مار ڈا
صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جن کا عقیدہ ہے کہ موت کا ایک وقت مقر
جب وہ وقت آجاتا ہے تو کوئی طاقت اور کوئی حکومت اُس کو بچا نہیں سکتی اور
تک موت کا وقت نہ آجائے کوئی مار نہیں سکتا۔ ایسے لوگ کسی حال میں بھی موت
نہیں ڈرتے وہ ہر مصیبت کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ موت سے ڈرنا، موت
ڈر سے بھاگے بھاگے پھرنا، زندہ رہنے کی تمنا میں ذلیل حرکات اختیار کرنا۔ اللہ کو چھو
دوسروں کی خوشی کا انتظام کرنا، اللہ کے سوا دوسروں کا خوف دل میں رکھنا

باتیں ایک مومن کی شان کے بالکل خلاف ہیں۔
اس سلسلے میں آپ کا کام یہ ہے کہ آپ ایسے لوگوں کو جن کے پیرِ محض موت کے ڈر سے اُکھڑ رہے ہوں اور جو بغیر کسی سوچے سمجھے انتظام کے یوں ہی خوف و ہراس کی وجہ سے گھر سے بے گھر ہونے پر آمادہ ہوں، سمجھائیں۔ انھیں اللہ پر بھروسہ کرنے کی ہدایت کریں، باعزت موت اور ذلت و خواری کی زندگی کا فرق انھیں بتائیں اور ان کو صبر کی تلقین کریں۔
۴۔ انسان پر جس طرح اس کے عزیزوں، قریبوں، پڑوسیوں اور دوسرے انسانوں کے حقوق ہیں اسی طرح اس پر اس ملک کے بھی کچھ حقوق ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کا وطن بنایا ہے آپ جس ملک میں پیدا کیے گئے ہیں اُس کو بھلا اور بہتر بنانے کی ذمّے داری آپ پر بھی ہے آپ کو معلوم ہے کہ کسی ملک کی سب سے بڑی بھلائی یہ ہے کہ وہاں کے رہنے بسنے والے اللہ کے باغی نہ ہوں، اُسی سچّے مالک کو اپنا مالک جانتے ہوں، اُسی کی بھیجی ہوئی ہدایت اور قانون کو اپنی زندگی میں اپناتے ہوں۔ آپ جس ملک میں پیدا کیے گئے ہیں اگر وہاں اللہ کی اطاعت بالکل ختم ہو جائے، سب کے سب لوگ اُس سچّے مالک کے باغی بن جائیں اور یہ سب کچھ اس لیے ہو کہ ایسے لوگ جو اللہ کی اطاعت کا راستہ دوسروں کو دکھا سکتے تھے اور اُس کی بغاوت سے لوگوں کو منع کر سکتے تھے وہ یا تو اس ملک کو چھوڑ چھاڑ کر کہیں چل دیے ہوں یا پھر وہ اس کام سے غافل ہو گئے ہوں جو اُن کے ذمّے لگایا گیا تھا تو آپ ہی بتائیے کہ پھر خاک وطن کا حق ادا نہ کرنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ ——— اس جواب دہی کے خیال سے ہر اُس شخص کو جو مومن ہونے کا دعوے دار ہے اور جس شخص کو یہ یقین ہے کہ وہ ایک دن ضرور اپنے مالک کے سامنے اپنی زندگی کا حساب دینے کے لیے حاضر کیا جائے گا برابر اپنے اِس ملک میں جما رہنا چاہیے۔ اِلّا یہ کہ حق پر قایم رہنے اور لوگوں تک حق کی دعوت پہنچانے کا کوئی امکان ہی باقی نہ رہے۔ اس وقت ایک مسلمان کسی بھی ملک اور وطن سے محض ملک اور وطن ہونے کی وجہ سے اپنا تعلق باقی نہیں رکھ سکتا۔ وہ ایسے وطن کو چھوڑ کر اللہ کی زمین کے کسی بھی گوشے میں چلا جائے گا چاہے اُس کے وطن کے حاکم اپنے کو مسلمان ہی کیوں نہ کہتے ہوں سچّا مسلمان وہی ہے جو اس زمین پر اللہ کا پورا پورا تابعدار اور غلام بن کر رہے

وہ کسی جگہ اسی وقت تک رہ سکتا ہے جب تک اُس کو اللہ کی بندگی پر قایم رہنے اور دوسروں کو اللہ کی بندگی کی طرف بلانے کا موقعہ حاصل رہے۔

۳۴۔ کچھ اخباروں اور کچھ لیڈروں کی باتوں سے متاثر ہو کر لوگ آج کل تبادلۂ آبادی کی باتیں بھی کر رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر پاکستان سے سارے ہندو ہندوستان چلے آئیں اور ہندوستان کے کل مسلمان پاکستان چلے جائیں تو پھر کوئی جھگڑا نہ ہوگا۔ ایسی باتیں کئی وجہ سے غلط ہیں۔ پہلے تو یہ کہ اس طرح کروڑوں انسانوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جانا کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے کہ کہہ دیا اور ہوگیا۔ یہ تبادلہ دونوں کے لیے خود ایک بہت بڑی تباہی اور بربادی کا سبب ہے۔ پچھلے سالوں میں جو لوگ گھر سے بے گھر ہوگئے تھے اُنھیں ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں باوجود پوری کوشش کے پوری طرح نہیں بسا سکی ہیں۔ پھر یہ کیسے اُمید کی جاسکتی ہے کہ اب اس نئے بوجھ کو اُٹھا لینا ان کے لیے کوئی آسان کام ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ تبادلۂ آبادی دراصل فساد کو ختم کرنے کے لیے کوئی آخری تدبیر بھی نہیں ہے۔ کون اس بات کی ذمّے داری لے سکتا ہے کہ پھر ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں آپس میں نہ بھڑ جائیں گی۔ آج جس نفرت اور غُصّے کی بُنیاد پر یہ فساد ہو رہے ہیں کل اسی کی قوّت پر جنگ ہوجانے کا بھی پُورا پُورا اندیشہ ہے۔

تیسرے یہ کہ تبادلۂ آبادی کرلینے کے بعد دونوں ملکوں کو دوسرے خطرے بھی سامنے ہیں۔ ہندوستان کے بسنے والے آج بھی ایک نہیں ہیں۔ کل جب ان کی توجہ اس فرقہ وارانہ فساد سے ہٹ جائے گی تو پھر ان کے آپس کے اختلافات نئے رُوپ میں اُبھر آئیں گے وہ کچھ دوسری باتوں پر ایک دوسرے سے زور آزمائی کرنے لگیں گے۔ امیر غریب کا جھگڑا، سرمایہ دار اور مزدور کا جھگڑا، اونچ نیچ کا جھگڑا، صوبے صوبے کا جھگڑا، مختلف ذاتوں کا جھگڑا، غرض کوئی نہ کوئی دوسرا جھگڑا جو اس موجودہ فساد سے کہیں زیادہ مہلک ہوگا اُبھر آئے گا۔ اسی طرح ڈر ہے کہ پاکستان میں بھی جو امن آج قایم ہے وہ ان کروڑوں بےگھروں کے پہنچنے سے قایم نہ رہ سکے۔

بات دراصل یہ ہے کہ تبادلۂ آبادی والی تجویز بالکل ایسی ہی ہے جیسے کسی بخار میں تپتے ہوئے مریض کے لیے کوئی یہ تدبیر بتائے کہ اس کے گرم جسم کو برف میں دبا دیجیے

تاکہ بخار کی گرمی جاتی رہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ نسخہ کس قدر خطرناک ہے۔ جس طرح بخار کو دُور کرنے کے لیے بخار کی اصل وجہ معلوم کرنا اور پھر اسی کے موافق دوا دینا ضروری اسی طرح جب تک ان فسادات کی اصل وجہ کو دُور نہ کیا جائے گا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آپ جان ہی چکے ہیں کہ انسان کی خدا سے بغاوت ان تمام فسادات کی اصل وجہ ہے۔ جب تک یہی کانٹا نہ نکلے گا انسانیت کا جسم آرام نہیں پائے گا۔

آپ کا کام یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کے غلط خیالات دل میں رکھ کر اپنا وطن چھوڑنے پر تیار ہیں آپ اُنھیں صحیح بات سمجھائیں اور اُنھیں فساد سے محفوظ رہنے کا صحیح نسخہ بتائیں۔ آپ اگر پاکستان میں رہتے ہیں تو آپ یہی باتیں وہاں کی ڈری اور سہمی ہوئی اقلیت کو سمجھائیں اور اگر ہندوستان میں آپ کا قیام ہے تو آپ ان باتوں کو اچھی طرح کھول کھول کر مسلمانوں کو بتائیں اور اُن پر عمل کرنے کے لیے اُبھاریں۔

۴۔ فساد کو اُبھارنے اور خوف و ہراس کے پھیلانے میں غلط افواہوں کو بڑا دخل ہے۔ یہ عیب آج کل ہم سب میں عام طور پر پایا جاتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بہت سے لوگوں کو تو افواہوں کے بغیر چین ہی نہیں آتا اور وہ نت نئی خبریں اِدھر اُدھر پھیلایا کرتے ہیں۔ خاص طور پر یہ کام عورتیں زیادہ کرتی ہیں۔ وہ جس قدر جلد خوف زدہ ہوجاتی ہیں اُسی قدر زیادہ وہ ایسی وحشت ناک خبریں بھی پھیلایا کرتی ہیں ——— آپ اس خرابی کو پُوری کوشش سے روکیں نہ خود ایسی باتیں ادھر اُدھر پھیلائیں اور نہ دوسروں کی باتیں کان دھر کر سنیں۔ اور جہاں تک ہوسکے دوسروں کو ان باتوں سے روکیں ——— قرآنِ کریم کے صاف حکم کی روشنی میں آپ کا کام یہ ہے کہ اگر کوئی غیر ذمے دار آدمی کوئی خبر لائے تو آپ کا کام یہ نہیں ہے کہ آپ اسے اِدھر اُدھر پھیلاتے پھریں بلکہ اگر ہوسکے تو خود اس کی تحقیق کریں اور جب تک صحیح بات معلوم نہ ہوجائے مُنھ سے نہ نکالیں، اور اگر تحقیقات نہ کرسکتے ہوں تو محلے یا بستی کے کسی ذمے دار آدمی سے بات کہہ دیں تاکہ وہ اُس کے مطابق کوئی مناسب انتظام کرے آجکل کتنی ہی بستیوں کو شریروں اور غنڈوں نے محض افواہیں پھیلا پھیلا کر خالی کرالیا۔ دہشت سے بھری جھوٹی خبریں اِدھر اُدھر پھیلائیں، ان افواہوں کو سُن کر لوگوں کے حواس گم ہونا شروع ہوئے بستیاں کی بستیاں پست ہوگئیں اور اُنھوں نے بلا مقابلہ اپنا سب کچھ بدمعاشوں کے حوالے کردیا۔

یا پھر یہ کہ مخالف قوم کے مظالم کے بارے میں غلط غلط باتیں پھیلا کر لوگوں کے غصّے کو اُبھارا
اور وہ بالکل دیوانوں کی طرح بے گناہوں پر ٹوٹ پڑے ـــــــ اگرچہ غلط خبریں پھیلانے
میں آج کل دونوں ملکوں کے اخبارات اور ریڈیو ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش میں
لگے ہوئے ہیں لیکن بہرحال جہاں تک ہو سکے آپ دہشت اور خوف پیدا کرنے والی باتوں
کو اور اس طرح غم اور غُصّہ پیدا کرنے والی خبروں کو نہ پھیلنے دیں۔

(۵) اگر آپ کی اور آپ ساتھیوں کی کوشش کے باوجود آپ کے یہاں فساد پھوٹ
ہی پڑے اور بے گناہوں کا خون بہنے لگے تو اُس وقت بھی آپ کا کام ختم نہیں ہو جاتا
مسلمان اللہ کا ایسا سپاہی ہے جو مرتے دم تک ڈیوٹی پر ہی ہوتا ہے اور اُس کے
فرائض اُس کی سانس کے ساتھ ہی ختم ہوتے ہیں۔ آپ اگر پاکستان میں رہتے ہیں اور خدا
نہ کرے فساد آپ کے اپنے بھائیوں کے ہاتھوں ہونے لگے تو آپ اُس وقت آں حضرت
صلّی اللہ علیہ وسلم کی وہ نصیحت یاد کریں جس میں حضور نے ہر مسلمان کو حکم دیا ہے کہ وہ
ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کرے۔ آپ سمجھے یہ دونوں کی مدد کا مطلب کیا ہوا؟
مظلوم کی مدد کا مطلب تو ظاہر ہے کہ آپ اسے ظالم کے ہاتھوں سے بچائیں اس کو
جو دُکھ اور تکلیف پہنچ گئی ہو اُسے دُور کرنے کی کوشش کریں لیکن ظالم کی مدد یہ ہے کہ
آپ اُسے ظلم کرنے سے روک دیں۔ اس لیے کہ جو شخص کسی دوسرے پر ظلم کر رہا ہے
وہ در اصل خود اپنے اوپر ظلم کر رہا ہے وہ اپنی دائمی زندگی کے لیے ایک کانٹوں بھری
فصل بو رہا ہے جو اُسے کاٹنا ہی پڑے گی۔ آپ کا کام یہ ہے کہ آپ بڑھ کر اُس کی مدد
کریں اور اُسے ایسی کھیتی نہ بونے دیں جس کی فصل دیکھ کر کل اُسے پچھتانا پڑے گا ـــــــ
اور اگر آپ ہندوستان میں رہتے ہوں اور بدقسمتی سے آپ خود فساد کا شکار بن رہے
ہوں تو اُس وقت آپ کا کام یہ ہے کہ آپ آخری سانس تک ظالموں کا مقابلہ کریں
اور دوسروں کو مقابلے پر تیار کریں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مسلمان کو شہید
بتایا ہے جو اپنے مال، اپنی جان اور اپنی آبرو کی حفاظت کے لیے لڑتے لڑتے مارا جائے
اور یہ آپ جانتے ہی ہیں کہ مسلمان کے لیے شہادت سے بہتر کوئی اور ایسی نعمت نہیں ہے
جس کے لیے وہ اس زندگی میں آرزو کر سکے۔ اللہ کی دی ہوئی زندگی اگر اللہ کے احکام
اطاعت اور اللہ کی مرضی کے مطابق ختم ہو جائے تو اس سے زیادہ بڑی سعادت اور کیا

لیا سکتی ہے۔ یہ موت نہیں ہے یہ تو دائمی اور ابدی زندگی ہے ــــــ ایسی زندگی جو سراسر راحت ہی ہو گی۔

ہندوستان میں رہنے کے باوجود بھی ایسی صورتیں ممکن ہو سکتی ہیں کہ کسی بستی میں کچھ شریر لوگ خود مسلمانوں کو ظلم کرنے پر اُبھاڑیں اور جہاں ان کا موقع لگے کسی بے گناہ پر ہاتھ صاف کر دیں۔ یہ صورت قطعًا غلط ہے۔ ایسے کاموں سے اللہ تعالےٰ ناخوش ہوگا اور ایسے لوگوں کا شمار بھی ظالموں میں ہوگا۔ مسلمان کے لیے یہ بات کسی وقت بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بے گناہ پر ہاتھ اُٹھائے۔ چاہے دوسرے کتنے ہی بے انصافی پر تُلے ہوئے ہوں۔ اگر کوئی مسلمان کسی ایسے شخص کا خون بہائے گا جس کا خون بہانے کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہ دی ہو تو چاہے وہ خون کیسے ہی حالات میں کیوں نہ بہایا گیا ہو مسلمان اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہ بچ سکے گا۔ مسلمان اس دُنیا میں آزاد نہیں ہے کہ وہ جو چاہے کرے اس کے دل کی خواہش اور وقت اور مصلحت کے سب تقاضے اللہ تعالےٰ کے احکام کے ماتحت ہیں جس نے ان احکام کی پروا نہ کی اُس نے اپنے آپ کو اللہ کے غضب کا مستحق ٹھہرا لیا۔

جناب ناظم صاحب سیوہاروی

امتیاز سے نفرت

سفر میں تھے سالارِ بیت الحرام　　کیا ایک منزل پہ جاکر قیام

صحابہ نے تقسیم خدمات کیں　　ہوا کھانے پینے کا یوں اہتمام

ہوئے کام میں اپنے مصروف سب　　چلے لکڑیاں لینے خیر الانام

صحابہ نے کی عرض "محبوب حق!　　ہمارے لیے رہنے دیجے یہ کام"

"نہیں کرتا ممتاز میں آپ کو"

رسولِ خدا نے کیا یہ کلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝

(سورۃ ہود۔ رکوع ۷)

پھر جب ابراہیم کی گھبراہٹ دُور ہوگئی اور (اولاد کی بشارت سے) اس کا دل خوش ہوگیا تو اس نے قوم لوط کے معاملے میں ہم سے جھگڑنا شروع کیا۔ حقیقت میں ابراہیم بڑا حلیم اور نرم دل آدمی تھا۔ اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرتا تھا (آخر کار فرشتوں نے اس سے کہا) "اے ابراہیم، اس سے باز آ جاؤ تمہارے رب کا حکم ہو چکا ہے اور اب لوگوں پر وہ عذاب آکر رہے گا جو کسی کے پھیرے نہیں پھر سکتا۔

(تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت ہی نرم دل تھے۔ آپ نے جب سُنا کہ قوم لوط پر عذاب نازل ہونے کا وقت آ ہی گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ ابھی اس قوم کو کچھ اور مہلت بخشی جاوے اور ابھی سے عذاب ٹال دیا جاوے لیکن اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اب ان کو مہلت دینے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ یہ لوگ برائیوں کے نشے میں اس

پڑ رہیں کہ انھیں نیکی کی راہ دکھائی نہ دے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ
شاید اس بستی میں ۵۰ آدمی بھلے رہ گئے ہوں تو کیا وہ بھی بروں کے ساتھ ہلاک
کر دیئے جائیں گے؟ جواب ملا کہ وہاں اتنے آدمی بھی نیک نہیں ہیں، پھر آپ نے کہا
کہ اچھا اگر ۴۰ آدمی ہوں؟ جواب ملا کہ اس بستی میں اتنے بھی بھلے آدمی نہیں ہیں۔ یہ
بات چیت جاری رہی یہاں تک کہ یہ پتہ چلا کہ قوم لوط کی بستی میں پانچ آدمی
بھی ایسے نہ تھے جو نیکی کی راہ پر چلتے ہوں ——— ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے اسی بات چیت کو "جھگڑنا" کہا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
کس قدر رحم دل تھے اور ان کا دل قوم لوط پر عذاب آنے سے کس قدر دکھ رہا
تھا ——— یہ قوم لوط وہی قوم تھی جس نے اللہ کی نافرمانی کی تھی۔ جو کفر اور شرک
کی راہ پر ہی چلنے کا فیصلہ کر چکی تھی، جس نے آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام اور
اُن کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور جو اُن لوگوں
کے جانی دشمن اس وجہ سے تھے کہ یہ لوگ اُنھیں پاکیزگی اور نیکی کی زندگی
گزارنے کے لیے کیوں کہتے تھے ——— عام طور پر ایسے حالات میں اس قدر بُرے
لوگوں کے خلاف نفرت اور غصہ ہی پیدا ہوتا ہے۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام بجائے اس کے کہ ان کی تباہی اور بربادی کی خبر سے خوش ہوتے
اُلٹا ان کو عذاب سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اصرار کر رہے ہیں اور نہیں
چاہتے کہ کسی طرح بھی ان پر اللہ کا عذاب آئے ——— بات در اصل یہ ہے کہ
عام غصہ اور نفرت اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان کی اپنی ذاتی خواہش یا نفسانیت
بیچ میں آ جاتی ہے ——— نبی کی ذات ان خرابیوں سے بہت بلند ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کو
جو کچھ سمجھاتا اور بتاتا ہے اس کے بارے میں اُسے پوری طرح یقین ہوتا کہ وہ انھیں
کے لیے مفید ہے۔ اس میں نبی کی کوئی اپنی ذاتی غرض چھپی ہوئی نہیں ہوتی۔ اس کی تمنا
یہ نہیں ہوتی کہ بہت سے لوگ اس کو اپنا بڑا مان لیں اور اس کے پیرو بن جائیں
کہ اس کی شان کچھ اونچی ہو جائے۔ وہ اپنا رُتبہ خود پہچانتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی
تمنا یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح اللہ کی رضامندی حاصل کر لے اور اس کے اوپر جو
ذمہ داری کا بوجھ ڈالا گیا ہے وہ اسے پورا کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے

انکار کرنے سے، اُن کے ستانے سے، اور ان کی مخالفت سے نبی کے دل میں نفرت اور
غصہ پیدا نہیں ہوتا، وہ لوگوں کا سچا ہمدرد ہوتا ہے وہ گالیوں کے بدلے دُعائیں
دیتا ہے، اس کے دل میں بدلہ لینے اور نیچا دکھانے کا جذبہ کبھی پیدا ہی نہیں ہوتا۔
آپ نے سُنا ہوگا کہ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جب طائف
کے لوگوں نے انتہائی تکالیف پہنچائیں اور آپ کو پتھروں سے لہولہان کر دیا۔ اُس وقت بھی
آپ کی زبان سے اُن کے لیے کوئی بُرا کلمہ نہیں نکلا۔ بلکہ آپ نے یہی فرمایا کہ "اے اللہ
میری قوم کے لوگوں کو ہدایت فرما دے۔ یہ لوگ در اصل انجان ہیں" جو اپنے نفع نقصان
کو نہیں پہچانتے۔

یہی حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس صفت
کی تعریف فرمائی ہے۔ اس بیان میں اُن لوگوں کے لیے ایک سبق ہے جو اللہ کے
بندوں کو اللہ کی ہدایت پہنچانے کے لیے کمر باندھیں۔ ایسا ضرور ہوگا کہ جب کوئی
اللہ کا بندہ اللہ کی ہدایت کے بموجب اُس کی بتائی ہوئی راہ پر زندگی بسر کرنے
کے لیے لوگوں کو دعوت دے گا تو بہت سے لوگ اُس کی اس بات سے ناخوش
ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اُس کی مخالفت پر اُتر آئیں۔ اس وقت ناخوشی کے
جواب میں ناخوشی، یا مخالفت کے جواب میں مخالفت بالکل غلط ہے انبیا علیہم السلام
کے طریقوں میں ہمارے لیے بہت بڑا سبق ہے۔ جو شخص اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ
کی طرف رجوع کرے، جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کو زندگی کا مقصد بنالے
اور جس کا ہر کام صرف اُس کی خوشنودی حاصل کرنے اور اُس کی ناخوشی سے بچنے کے
کے لیے ہو، اُس کے دل میں کسی شخص یا قوم کے خلاف نفرت اور غصہ پیدا نہیں
ہوتا، وہ ملتا ہے تو لوگوں کی سچی ہمدردی کے لیے، وہ تعلقات بڑھاتا ہے تو اُن کی
بھلائی کے لیے اور اگر مایوس ہوکر وہ اُن سے کٹ جاتا ہے یا اُن کے خلاف
[illegible]ت اور طاقت استعمال کرتا ہے تو وہ بھی اسی لیے کہ وہ ان کا سچا ہمدرد
اور بھلا چاہنے والا ہوتا ہے اور وہ اُن کو ہلاکت اور ابدی نقصان سے بچانا
اپنا فرض سمجھتا ہے۔

(۴) قوموں کے ہلاک ہونے یا ترقی کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا

ایک قانون ہے۔ جب کوئی قوم ایسے طریقے اختیار کرلیتی ہے جن کے بعد اللہ کے
کے مطابق اس کا ہلاک ہوجانا ضروری ہوجائے تو پھر کوئی طاقت اس قوم کو ا
بُرے انجام سے نہیں بچا سکتی۔ اللہ سے بغاوت کرنا' اللہ کے رسولوں کے لائے
دین کی مخالفت پر اڑ جانا اور اُس کی بھیجی ہوئی ہدایت سے مُنہ موڑنا وغیرہ ایسے
ہیں جن کے نتیجے میں دیر یا سویر قوموں کو ہلاکت اور تباہی سے دوچار ہونا ہی
ہے اور پھر اُس وقت کوئی طاقت اللہ کے عذاب کو ٹال نہیں سکتی۔

عرب کے لوگ اسی خرابی میں مبتلا تھے۔ وہ اللہ کی اطاعت کے لیے
نہ تھے' اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو مٹا د
کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے اور اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت پر کان د
تو کیا پُوری قوت سے اُس کی مخالفت پر کمر باندھے ہوئے تھے ـــــــــ ا
اس پر ان کا گمان یہ تھا کہ وہی اللہ کے محبوب ہیں۔ کوئی کہتا ہم حضرت ا
علیہ السلام کی اولاد ہیں اس لیے ہم اللہ کے دوست ہیں۔ دوزخ کی آگ ہم
ہے۔ کوئی کہتا ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام لیوا ہیں ہمارا کچھ نہیں بگڑ سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے قومِ لوط پر عذاب نازل ہونے کی خبر دینے سے پہلے اس
کو صاف صاف بیان فرما دیا کہ جب اس نافرمان قوم پر عذاب بھیجا گیا تھا تو چونکہ ح
ابراہیم علیہ السلام بہت ہی نرم دل اور مہربان تھے اس لیے آپ نے ان کے
میں اچھی خاصی کوشش اس بات کی فرمائی تھی کہ کسی نہ کسی طرح عذاب ٹل جائے لیکن
تعالیٰ کے فیصلے کو ابراہیم علیہ السلام کی کوشش بدل نہ سکی۔

اس بیان سے لوگوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ جس طرح قومِ لوط کے معاملے
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوشش کارگر نہ ہوئی اور بُروں کو بُرائی کا مزہ چکھنا ہی پڑا اسی طرح
بھی یہ خیال دل سے نکال ڈالنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے نتائج سے انھیں کوئی بچا لے
اگر وہ اللہ کی نافرمانی پر جمے رہیں گے اس کے رسول کے لائے ہوئے دین کی مخالفت کریں
اور اُس کی بھیجی ہوئی ہدایت کے مطابق اپنی زندگیوں کو بُرائیوں سے پاک نہیں کریں گے تو پھر کوئی
ایسی نہیں ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لے۔
بُرے اعمال کے بُرے نتائج بُھگتنا ہی پڑیں گے۔

رشید: "میں اُسے گود میں لے لوں؟"

اسما: "نہیں، یہ رونے لگے گا، پھر بھیا! اماں ماریں گی۔"

سلیم: "یہ پلنگ پکڑ کر کھڑا بھی ہو جاتا ہے، اس کے ساتھ کھیل کر بڑا مزہ ہے۔ جب میں اسے پکڑنے کے لیے بھاگ کر آتا ہوں ہنس کر چیخیں مارتا ہے اور گھٹنوں کے بل دوڑ کر اماں کے پاس چھپ جاتا ہے۔"

رشید: "ہمارا بھائی بھی اتنا ہی بڑا ہے۔ مگر وہ بہت دُبلا ہے، ہر وقت روتا رہتا ہے۔ اماں تنگ آجاتی ہیں ہر وقت گود میں لیے رہتی ہیں، پھر بھی خوش نہیں ہوتا نہ ہمارے ساتھ کھیلتا ہے۔ چلنا بھی نہیں سیکھا۔"

اسما: "میں اسے گود میں لیتی ہوں تو یہ رونے لگتا ہے۔ اماں ہمیں بالکل گود میں نہیں دیتیں۔ کیا تمھاری اماں بھی تمھیں مارتی ہیں؟"

رشید: "ہاں کبھی کبھی جب شرارت کرتے ہیں جب مار پڑتی ہے۔"

سلیم: "کل مجھے ابا نے مارا تھا۔ میں نے چپکے سے مُنے کو گود میں اُٹھا لیا۔ آپا نے دیکھا تو چھیننے بھاگیں۔ میں زور سے دوڑا۔ یہ موٹا بھی گود میں ہاتھ پاؤں مارنے لگا ہم دونوں گر گئے۔ ابا نے اُٹھ کر میرے دو چپت لگائے۔"

رشید: "جب کوئی مجھے مارتا ہے تو مجھے اتنا غصہ آتا ہے! اتنا غصہ آتا ہے کہ میرے پاس بندوق ہو تو سب کو مار دوں، اور تو سب ہم کو مارتے ہیں ہم کسی کو نہ ماریں۔"

اسما: "ہاں امّاں کہتی ہیں مارنا بُری بات ہے۔ خود کیوں مارتی ہیں؟ میں کسی کو بگلا کہتی ہوں تو اماں ناراض ہوتی ہیں، اور مجھے ہر وقت بگلی بگلی کہتی رہتی ہیں۔"

(اتنے میں کھلونوں سے اُکتا کر مُنّا رونے لگتا ہے۔ سلیم اُسے گود میں بھر کر اماں کو دے آتا ہے)

رشید: "یہ تمھارا بھائی تو سچ مچ موٹا ہے۔"

سلیم: "(فخر اور خوشی کے ساتھ) کیسا اچھا ہے نا۔ ہم نے اللہ میاں سے بہت دن تک دُعائیں مانگی تھیں، اللہ میاں نے ہمیں بھی مُنّا دے دیا۔ سب کے گھر میں بچے دیکھ کر مجھے بڑی حرص آتی تھی۔ یہ موٹا بھی اسی لیے ہے۔ ہر وقت زمین یا فرش پر کھیلتا رہتا ہے نا۔ ہر وقت گود میں رہنے سے مُنا سوکھ جائے گا، بیمار ہو جائے گا، یہ بات ہمیں اماں نے بتائی تو ہے مگر گود میں لے کر بھاگنے کو بہت ہی جی چاہتا ہے۔"

اسما: "ہاں بھیّا وہ پیارا بلّی کا بچّہ تھا نا، ہر وقت آپا گود میں رکھتی تھیں۔ اس کے سب بال جھڑ گئے تھے کیسا بُرا ہو گیا تھا۔ (ننگو کو چپ چاپ اور رنجیدہ دیکھ کر)

سلیم: "ننگو کیا تم روئی تھیں؟"

رشید: "یہاں آتے ہوئے اُس کا کلپ کھو گیا، کہیں گر گیا۔ امّاں خفا ہوں گی۔ اچھا اب گھر جاتے ہیں، ننگو تم امّاں سے کہہ دینا کہ کلپ گھر ہی میں ہے۔ لگا کر نہیں آئی تھی۔"

سلیم: (کچھ سوچ کر) تم جھوٹ بولو گے؟"

رشید: "نہیں تو ننگو پٹے گی۔"

اسما: "جھوٹ بولنا تو بُری بات ہے۔ اللہ میاں اُن سے خفا ہو گا نا بھیّا۔"

سلیم: "تم نے بھی تو اُس دن الماری میں سے بسکٹ کھا کر جھوٹ بولا تھا۔"

اسما: "واہ بھئی واہ اُس کا کیا ہے، پھر بتا بھی تو دیا تھا امّاں نے کہیں مارا تھا مجھے؟"

رشید: "کبھی کبھی تو جھوٹ بولنا ہی پڑتا ہے۔"

سلیم: "اگر کوئی کام خراب ہو جائے اور میں سچ سچ بتا دوں پھر امّاں بالکل نہیں مارتیں، یہ اُن کا بالکل پکّا وعدہ ہے۔"

رشید: "ننگو تو آج ضرور پٹے گی۔"

سلیم: "تم جھوٹ نہ بولنا، ورنہ خراب لڑکے بن جاؤ گے۔"

اسما: "چلو بھیّا گھر گھر کھیلیں بہت دیر ہو گئی۔"

(سب بچّے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کسی نے دری گھسیٹی، ایک نے کھلونے اُٹھائے دوسرے نے اور دو چار چیزیں سمیٹیں۔ شور مچاتے باہر بھاگ گئے۔)

(بقیہ صفحہ ۱۶ پر)

بلّی

آپ کے مقابلے میں بلّی کتنی کمزور ہے۔ اور خاص طور پر ایسے حا
میں جب آپ کے ہاتھ میں ڈنڈا ہو اور آپ نے بلّی کو کسی کمرے میں
بند بھی کر رکھا ہو تو بلّی کی کیا طاقت کہ آپ سے لڑائی جیت لے۔ لیکن ا
آپ کو خود تجربہ نہ ہوگا تو آپ نے یہ ضرور سُنا ہوگا کہ ایسے حال میں
اپنی جان کی پروا کیے بغیر ضرور آپ پر جھپٹ پڑے گی۔ اور ممکن ہے
ڈنڈا کھانے کے باوجود وہ آپ کی آنکھیں اپنے پنجوں سے نکال ہی لے ——

—— ایسا کس طرح ہوتا ہے؟ یہ صورت اُسی وقت پیش آتی
ہے جب بلّی ڈر اور خوف کو دل سے نکال کر اپنی جان بچانے کے
لیے جو کچھ بن پڑے اُس کے کر ڈالنے پر آمادہ ہوجاتی ہے۔

اللہ تعالےٰ نے بلّی کو یہ جذبہ اسی لیے عطا فرمایا ہے کہ وہ نازک
حالات میں اس جذبے کی مدد سے جہاں تک ممکن ہو اپنی کمزور جان
کو اپنے دُشمن سے بچا سکے ——

زندہ رہنے کے لیے جدوجہد کرنا ہر جان دار کا فطری حق ہے
اسی کو تنازع للبقا کہتے ہیں +

(صفحہ ۳ کا باقی مضمون اشتہار) منگانا چاہیں وہ صرف چار آنے فی کاپی کے حساب سے طلب فرما سکتے
ہیں۔ اس رسالے کی اصل قیمت ایک روپیہ تھی، اُمید ہے کہ آپ اپنے حلقۂ احباب میں اس کو
زیادہ سے زیادہ پہنچانے کی کوشش فرمائیں گے۔

منیجر رسالہ اُجالا۔ رام پور اسٹیٹ

یہ ماحول

شام ہو چکی تھی لیکن ناول کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتا تھا۔ حمیدہ
کر رہی تھی اور عجلت کے ساتھ صفحات پر صفحات پڑھتی چلی جاتی تھی مگر ناول
ختم ہی نہ ہوتا تھا۔ ظہر اور عصر کی نمازیں اس پر قربان ہو چکی تھیں اور اب
کے وقت کی باری تھی۔ حمیدہ ظہر اور عصر کے وقت بھی یہی قصد کرتی ر
یہ دو چار صفحے اور ختم کرلوں تو اٹھوں، لیکن وہ دو چار صفحے ختم نہ ہونے پاتے
نماز کا وقت بیت گیا۔ اور جب نماز کا وقت گزر جاتا تھا تو اپنے دل میں کہتی
وقت تو گزر ہی گیا پھر قضا ہی پڑھ لوں گی۔ اور اس طرح وقت گزرتا چلا گیا نا
صفحے ایک طرف سے دوسری طرف الٹتے چلے گئے۔ شاید جب وہ ناول پڑھ رہی تھ
کے دل میں ایک بار یہ خیال آیا کہ میں ناول کو اہمیت دوں یا نماز کو، مگر
وہ دماغ جو صرف ناولوں کا عادی تھا صرف اس دلیل سے بہل گیا کہ نماز
ادا ہو جاتی ہیں لیکن ایسا مزیدار ناول مشکل سے ہاتھ لگے گا اور پھر اگر میں
رہی ہوں اور ناول ختم نہیں کرتی تو سعید بھائی اٹھا لے جائیں گے۔ اس
جب ناول ادھورہ رہ جائے اور پھر ایک عرصے کے بعد پڑھا جائے تو پہلا
ہو چکا ہوتا ہے اور دوبارہ شروع کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے باسی
کھائی جا رہی ہو۔ لہٰذا یہ موقع کیوں ضائع کیا جائے۔ بس یہ سوچ کر وہ
رہی ــــــ پڑھتی رہی ــ

حمیدہ ایسے ماحول میں پلی تھی جس میں دنیا اور اس کے مشاغل ہی
ہوتے ہیں۔ ان کے مردوں میں مذہب سسکتی ہوئی لاش کی طرح زندہ تھا اور
میں وقت گزاری کا مشغلہ تھا۔ چنانچہ حمیدہ اگر اپنے معبود کے سامنے حاضر ہونے
یہ بات بھی اوروں میں دو چار ٹکریں مار کر لگا لیا کرتی تھی یا کبھی مقررہ اٹھک بیٹھک
کر لی تو محض اس وجہ سے کہ اس نے اس کے سوا اور کچھ کبھی نہ سوچا تھا۔

یہاں سگریٹ کے ڈھوؤں اور پاندان کی گلوریوں میں، صرف دُنیا کی لاتعداد مشکلوں کا تذکرہ ہوتا تھا۔ یا جب تہواروں پر خوانوں مٹھائیوں کے ساتھ طاق میں رکھی ہوئی گرد و غبار سے اٹی ہوئی کتابوں کی کچھ پوچھ گچھ ہو جاتی تھی تو مذہب بوڑھے برگد کے درخت کی طرح مقدس نظر آنے لگتا تھا۔ اور جب تہوار گزر جاتے تھے تو دُنیا کی ساری مشغولیتیں ایک بار پھر سب پر چھا جاتی تھیں۔ پھر بھلا بے چاری حمیدہ کیا کرتی، اس کے یہاں مذہب اور دُنیا دو مختلف چیزیں تھیں، دُنیا زندگی کے ہر پہلو کی وارث تھی اور ہر کردار پر مادّیت حکمراں تھی، مذہب صرف نجی تھا، یا بس اعتقاد، اس کا زندگی میں صرف اتنا ہی عمل دخل تھا کہ چونکہ پہلے گزرنے والے بڑے بوڑھے مانتے چلے آئے تھے اس لیے انھیں کی طرح اس کو بھی مانتا تھا اور اس کے بعد آنے والے بھی اسی طرح مانتے چلے جائیں گے۔

ابھی چند ہی روز ہوئے کہ اس نے ایک مذہبی کتاب پڑھی تھی اور پڑھی کیا تھی بلکہ کڑوی کسیلی دوا کی طرح ذہن میں اُتار لی تھی۔ مگر اس کتاب کی ساری باتیں اسے یا تو بہت ہی سیدھے سادے آدمیوں کے خیالات معلوم ہوئے جو دُنیا سے کنارہ کش رہے ہوں گے یا اگر ان پر اب عمل کیا جائے تو بہت ہی عجیب سے لگیں اور دیکھنے والے مذاق اُڑائیں چنانچہ اسی مذاق کے ڈر سے اس نے اس کتاب کو بند کر کے رکھ دیا اور ایسے وقت کا انتظار کرنے لگی جب اس کا مذاق اڑانے والا کوئی نہ ہو۔

اور یہ ناول ایسی بُری چیز بھی تو نہیں ہیں آخر یہ پہاڑ سا دن کیسے گزرے اگر کچھ دلچسپیاں نہ ہوں۔

حمیدہ اس سے زیادہ سوچنے کی قوت نہ رکھتی تھی چنانچہ ناول میں اس کا انہماک نماز سے زیادہ تھا۔ ایسے ماحول میں اگر کوئی فکر اور عمل سے عاری نہ ہو تو کیا وہ زندگی کے مقصد کے بارے میں کچھ سوچ سکتا ہے؟

توکّل علی اللہ

جب کسی کام کے لیے تم وہ سب کوششیں کرلو جن کا کرنا جائز ہو اور نتیجہ اللہ کے سپرد کردو، تو اس کو توکل علی اللہ، یا اللہ پر بھروسہ کرنا کہتے ہیں۔ جس آدمی کو اللہ پر بھروسہ نہیں ہوتا وہ یا تو یہ سمجھتا ہے کہ اسے جو کچھ مل سکتا ہے وہ بس اس کی اپنی کوشش ہی کی بنیاد پر مل سکتا ہے۔ یا پھر وہ زمانے کے اُلٹ پھیر اور دُنیا اور دُنیا کے واقعات پر نظر رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ جو کچھ ہوگا وہ اُن اسباب کے ماتحت ہی ہوگا جن تک اس کی اپنی نظر جا سکتی ہے۔ ایسے شخص کے سامنے جب ناموافق حالات آتے ہیں تو وہ ہمّت ہار بیٹھتا ہے، اس کی آنکھیں ظاہری اسباب کے پار کچھ نہیں دیکھ سکتیں، وہ جتنا علم اور جتنی طاقت رکھتا ہے اتنا ہی اس میں استقلال ہوتا ہے۔ جہاں مادّی سہارے ٹوٹے یا اس کو کوئی خطرہ نظر آیا اور اس کی ہمّت نے جواب دیا ـــــ لیکن اس کے برخلاف اللہ پر ایمان رکھنے والا جانتا ہے کہ یہاں جو کچھ ہوتا ہے اُس کے حکم اور منشا سے ہوتا ہے۔ ایسا شخص اللہ پر بھروسہ کرسکتا ہے حالات چاہے کیسے ہی بگڑ جائیں لیکن اُس کی ہمّت باقی رہتی ہے۔ اس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اس جہان کا مالک جب چاہے حالات کو آن کی آن میں پلٹ سکتا ہے، اس یقین کی بدولت وہ مشکلات کا مقابلہ ایسے حالات میں کرتا ہے جب بظاہر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے۔ وہ اپنا حوصلہ اپنی قوت اور طاقت سے کہیں زیادہ اونچا رکھتا ہے۔ اس کے ارادے اس کے سازوسامان کے مقابلے میں بہت بلند ہوتے ہیں۔ مفلسی اور کنگالی میں، عاجزی اور لاچاری میں، تنہائی اور بے کسی میں بھی وہ مایوس نہیں ہوتا، وہ نتائج سے بے پروا ہوکر مقابلے پر ڈٹ جاتا ہے اور دُنیا کو معلوم ہے کہ ایسے ہی لوگ اپنی طاقت سے دس گُنا زیادہ کام کر جاتے ہیں۔

اللہ کے جن بندوں کا رُتبہ جتنا زیادہ بلند ہوتا ہے [illegible]
مشکلات اُن کا راستہ روکنے کے لیے موجود رہتی ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی زندگی کے حالات پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ شاید ہی دُنیا کی سخت سے سخت مصیبت
ایسی ہو جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے ساتھیوں کو نہ پہنچی ہو لیکن آپ نے
اور آپ کے بزرگ ساتھیوں نے کبھی بےچینی، گھبراہٹ اور نا اُمیدی نہیں دکھائی۔ ڈر
خوف اور مایوسی آپ پر کبھی طاری نہیں ہوئی ——— سچ ہے جن لوگوں
کا تعلق اللہ سے مضبوط ہوتا ہے، جو اُس کی خوشی کی خاطر جیتے ہیں اور جو اُس کی
رضا پر جان دینے کے لیے تیار رہتے ہیں ان کے لیے موت بھی زندگی ہو جاتی
ہے۔ مسلم کے لیے ہر قسم کے خوف اور ہر طرح کے ڈر کو دُور کرنے کے لیے سب سے
زیادہ کامیاب طریقہ یہی ہے کہ وہ اس کام پر کمر باندھ لے جس کے لیے اس
پیدا کیا گیا ہے، وہ اللہ کے دین کی خدمت اور اُس کے کلمے کو بلند کرنے کا
کام اپنے ذمے لے لے۔ جو شخص اس مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لے اُس کی مدد
کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔

إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ — اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کریگا

مومن کے لیے اس سے بڑا سہارا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اُس کی
مدد کا وعدہ کرے۔ اللہ کا جو بندہ اس طرح اللہ پر توکل کرے گا اللہ تعالیٰ اُس
کی امداد ایسے طریقے سے فرمائے گا۔ جس کا خود اسے وہم و گمان بھی نہ ہوگا اور
اگر اس کام کے لیے سچے مومنین کی کوئی جماعت موجود ہوگی تو وہ اللہ تعالیٰ کے
حکم سے اپنے سے دس گنی قوّت والی جماعت پر بھی غالب رہے گی۔ اللہ کے مومن
بندے جو اُس کی خوشنودی کی خاطر جان دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کبھی ناکام
نہیں ہوتے، یا تو وہ اسی عالم میں فتح مند ہوتے ہیں اور آخرت میں اونچے درجات
پاتے ہیں، نہیں تو مرنے کے بعد اللہ کی دائمی نعمتوں سے ضرور سرفراز ہوتے ہیں
یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

الحسنات کے برابر ہے [illegible]
[illegible]

آپ کا خط ملا

اقتدار احمد صاحب۔ (جماعت منٹگمری)

اللہ کا بڑا فضل ہے کہ الحسنات کے مسلسل مطالعے سے آپ کے دل میں یہ خواہش برابر بڑھ رہی ہے کہ آپ اپنے اسکول کے گندے ماحول کو درست کریں۔ آپ کا یہ خیال ٹھیک ہے کہ آج کل پڑھنے والوں اور پڑھانے والوں کے سامنے کوئی اونچا مقصد نہیں ہے۔ بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید پڑھنا ہی ان کا مقصد ہو، بہت کم لوگ ایسے ہیں جو زندگی کا کوئی اونچا مقصد رکھتے ہوں اور پھر اُس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے تعلیم حاصل کرتے ہوں۔ زیادہ سے زیادہ اونچے عہدے حاصل کرنا یا دولت کمانا ہی ان کا مقصد ہوتا ہے ——— دراصل تعلیم کو ایسے رُخ پر پھیر دینا کہ اس سے وہی مقصد حاصل ہوسکے جو ایک مسلمان کی زندگی کا صحیح مقصد ہے ان لوگوں کا کام ہے جن کے ہاتھ میں تعلیم کا پُورا انتظام ہے۔ جب تک آپ کے ملک میں یہ انتظام مکمل اور صحیح نہ ہو جائے اُس وقت تک تو آپ کی ذمے داری اور بھی زیادہ ہے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ مطالعہ کر کے اسلام کے بارے میں اپنی معلومات کو بڑھائیں، اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ مسلمان کس مقصد کے لیے زندہ رہتا اور مرتا ہے اپنی زندگی کو پُورا کا پُورا اسلام کا نمونہ بنائیں۔ آپ کا ہر کام اسلام کی تعلیم کے مطابق ہو۔ اور پھر اُس کے ساتھ ہی ساتھ آپ اپنے ایسے ساتھی بھی تلاش کریں جو آپ کی طرح کچھ سوچنے اور سمجھنے کے لیے تیار ہوں۔ اور صحیح معنوں میں سچے مسلمان بننے کی آرزو رکھتے ہوں۔ آپ ان ساتھیوں کے ساتھ مل کر اسلام کا مطالعہ کریں۔ اپنے روزانہ اوقات میں سے کوئی وقت اس قسم کے مطالعے کے لیے نکالیں اور جو کچھ پڑھتے جائیں اُس کے مطابق اپنی زندگیوں میں ضروری تبدیلیاں بھی کرتے جائیں۔ اچھی باتوں کو زیادہ سے

زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ اور یہ سب کام صرف اس لیے کریں کہ آپ کا مالک آپ سے راضی ہو جائے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے کچھ ساتھی بے توجہی دکھائیں اور جس زور شور کے ساتھ کام شروع کریں اُس کو نباہ نہ سکیں۔ ایسی صورت میں عام طور پر کام کرنے والوں میں مایوسی پیدا ہوجایا کرتی ہے۔ لیکن ایسے لوگ جو کسی کام کو صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کرتے ہیں ایسے حالات میں قطعاً بے دل نہیں ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ کسی بھلے کام کو شروع کرتے ہیں تو ساتھیوں کے سہارے پر شروع نہیں کرتے بلکہ وہ اپنا کام اللہ کے سہارے پر اور اُسی کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں۔ ان کا فیصلہ تو یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ زمین پر بالکل تنہا بھی رہ جائیں گے تب بھی وہ حق پر جمے رہیں گے اور حق کی طرف لوگوں کو بلاتے رہیں گے۔ مسلمان اللہ کا سپاہی ہے ایسا سپاہی جس کی ڈیوٹی موت سے پہلے ختم نہیں ہوتی۔

آپ کو جو ساتھی مل جائیں، اُن کے بارے میں آپ پوری کوشش اس بات کی کریں کہ ان کی زندگیاں زیادہ سے زیادہ اسلامی باتوں کا نمونہ ہوں۔ لوگوں کو بھلائی کی طرف بلانے کے لیے بھلے نمونوں کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے آپ سب مل کر ایک دوسرے کی اصلاح کریں۔ آپس کے میل جول کی قوّت پر نیکی اختیار کرنا اور برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور آپ کو تو یوں بھی ایک گندے ماحول میں نیک بننا اور نیک بنانا ہے اس لیے اس کام کے واسطے اجتماعی کوشش یقیناً ضروری ہے۔

محمد فاروق صاحب۔ فیروزآباد

رسالے کا خط اب پہلے سے جلی کردیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ اب آپ کو شکایت نہ ہوگی۔ اگر ہمیں اندازہ ہوا کہ الحسنات پڑھنے والوں کی خواہش ابھی کچھ اور جلی قلم کی ہے تو انشاء اللہ ویسا ہی کردیا جائے گا۔

سیوزن خاتون (ڈریا) چمپارن

آپ کا مضمون ملا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے "ترقی" اور "علم" کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہے جو آپ نے اپنے مضمون میں لیا ہے۔ اگر آپ اسلامی کتابوں کا مطالعہ جاری رکھا تو اُمید ہے کہ آپ پر یہ فرق اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔ آپ ایسا مطالعہ جاری رکھیے۔

عبدالوہاب صاحب نسیم۔ نیلور

آپ کے خط کا جواب دیا جا چکا ہے۔ مگر امید نہیں کہ آپ کو مل بھی گیا ہو۔ اس لیے کہ آپ نے اپنے خط میں پتہ نہیں لکھا تھا۔ جو پتہ یاد تھا اُس پر خط لکھ دیا گیا ہے براہِ کرم اپنے ہر خط میں اپنا مکمل پتہ ضرور لکھیے ورنہ اس طرح جہاں ہزاروں افراد سے مراسلت ہوتی ہو سب کے پتے محفوظ رکھنا بڑا دشوار ہے اور اس میں بہت وقت بھی ضائع ہوتا ہے۔

محترمہ ساجدہ خاتون صاحبہ۔ صورت گڑھ

آپ کا مفصل خط ملا۔ آپ کے مشوروں کے لیے ہم دل سے مشکور ہیں، ہماری دلی خواہش ہے کہ الحسنات پڑھنے والے ہمیں اپنے تاثرات اور مشورے برابر لکھتے رہیں تاکہ الحسنات کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کا کام ہمارے لیے آسان ہوجائے

(۱) قرآنِ کریم کے لفظی ترجمے بہت آسانی سے مل جاتے ہیں۔ اب تک اس طرح کے کئی اچھے ترجمے شائع ہوچکے ہیں۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ بہت عمدہ اور معیاری ہے۔ جو لوگ قرآنِ پاک کی عبارت کے الفاظ کے معنی سے مناسبت پیدا کرنے کے شوقین ہوں وہ اگر ان ترجموں میں سے کوئی بھی اپنے سامنے رکھیں تو یہ مقصد کسی نہ کسی حد تک پورا ہو سکتا ہے۔ ہمیں اندازہ نہیں ہے کہ آیا الحسنات پڑھنے والے بہت سے صاحبان لفظی ترجمے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر ایسا ہوا تو انشاء اللہ ہم آپ کی تجویز کے مطابق یہ اضافہ بھی کردیں گے۔ ورنہ اب تک تو ہمارا خیال یہ ہے کہ الحسنات کے دائرے میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے قرآن کے ترجمے سے زیادہ ترجمانی مفید ہے اور اسی لیے ہم نے تفہیم القرآن کو اس مقصد کے لیے منتخب کرلیا ہے۔

(۲) تفہیم القرآن پاکستان میں شیخ قمرالدین صاحب موچی دروازہ لاہور کے زیرِ اہتمام چھپ رہی ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ کب تک تیار ہوجائے۔ اس بارے میں اگر آپ اُن سے براہِ راست خط و کتابت فرمائیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

(۳) آپ کے اس جملے سے بڑی مسرت ہوئی کہ آپ اللہ کی کچھ بندیوں تک بھی [illegible] کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ اس کوشش میں یہ فکر کافی ہے کہ آسان

[illegible] زبان میں کتابیں نہیں ہیں کچھ زیادہ اہم نہیں ہے۔ اصل کام یہ ہے کہ آپ [illegible]
کتابوں کا مفہوم بھی سمجھ لیتی ہیں۔ آپ خود مطالعہ جاری رکھیے اور اَن پڑھ
بہنوں تک بات پہنچانے کے لیے کتاب کا سہارا تلاش نہ کیجیے بلکہ اُن سے
اس طرح باتیں کیجیے جس طرح آپ دُنیا کی دوسری باتیں اُن سے کرتی ہیں۔ آپ
نے جو کچھ سمجھا ہے وہ انھیں ان ہی کے حسبِ حال سیدھی سادی باتوں میں سمجھائیے
میرا تو خیال یہ ہے کہ کتابیں پڑھ کر سُنانے سے بلکہ تقریر کرنے سے بھی زیادہ کارآمد
وہ باتیں ہوتی ہیں جو اس مقصد کے لیے انتہائی بے تکلفی کے انداز میں کی جائیں۔
آج کل عوام کا مزاج کچھ اس طرح بگڑ گیا ہے کہ وہ رسمی تقریروں اور کتاب
کے مضامین سے بہت ہی کم متاثر ہوتا ہے اگر کچھ اثر ہوتا بھی ہے تو وہ صرف وقتی
ہوتا ہے۔ اس لیے میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ ان عورتوں تک بات چیت ہی کے
انداز میں اپنی دعوت پہنچائیں۔

(۴) "آپ کیا کریں" کا دوسرا ایڈیشن پریس میں ہے انشاءاللہ جلد ہی تیار
ہو کر آجائے گا۔ اس مرتبہ اس میں عورتوں کے پروگرام کے تحت کچھ اضافہ بھی کر دیا گیا
ہے۔ لیکن آپ کا یہ مشورہ کہ اس میں کوئی ایسا اضافہ کر دیا جائے کہ وہ عید کارڈوں
کی طرح عید کے موقع پر خواتین کو تحفے میں بھیجا جا سکے کچھ سمجھ میں نہ آ سکا۔ ہمارے نزدیک
تو اس موقع پر آپ کا ایک تعارفی خط جس میں کتاب اور اُس کے مقصد پر مختصر روشنی
ڈالی جائے زیادہ کارآمد رہے گا۔ اس خط میں عید کی مبارک باد بھی دی جا سکتی ہے
——— بہرحال ہمیں آپ کے اس خیال سے پورا پورا اتفاق ہے کہ عید کا تحفہ یقیناً
ایسا ہونا چاہیے جو زیادہ سے زیادہ مفید ہو سکے۔ محض رسمی تحفے بھیجنا تو روپے کا ضائع کرنا ہے
——— مسلمان کی زندگی کا ہر کام با مقصد ہی ہونا چاہیے۔

(۵) الحسنات میں "اچھی باتوں" کے نام سے جو مضمون چھپا کرتا تھا اس کا کتابی صورت میں شائع کرنا یقیناً
مفید رہے گا۔ اس کی طباعت کا ارادہ آپ کے مشورہ دینے سے قبل ہی کیا گیا تھا۔ اب آپ کی اور دوسری
خواتین کی طرف سے اسی بارے میں تحریک ہو جانے کے بعد ارادہ زیادہ پختہ ہو گیا ہے [illegible] جلد ہی
[illegible] شائع کر دی جائے گی۔ [illegible] کرنے کی
[illegible]

ہندی میں [قر]آن کی انقلابی تعلیمات کو پیش کرنے کی کوش[ش]

ہندوستان میں مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ اپنے اندر بہت سے قابلِ افسوس حقائق رکھتی ہے، ان حقائق نے یہاں کی سرزمین میں اسلام پر اور اس سے زیادہ اسلامی تاریخ پر بڑے گہرے اور دور رس اثرات ڈالے ہیں، ان اثرات کے کڑوے گھونٹوں سے اب تو شاید ہی کسی ہندی مسلمان کی زبان و حلق نا آشنا ہو۔ "مسلم" کا لفظ اگر اپنے اندر کوئی معنی رکھتا ہے، اور وہ کسی قومی یا معاشرتی گروہ کا محض نشانِ تعارف نہیں ہے تو اس کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک ایسے گروہ کا نام ہے جس کی سب سے بڑھ کر اس کی صفت یہ ہے جو خدا کی بھیجی ہوئی آخری کتاب — قرآن — کو اپنا ہدایت نامۂ زندگی تسلیم کرتا ہے، جو اس کا خود پیرو ہے، اور ساری دنیا کے سامنے قولاً اور عملاً اسے پیش کرنے کا اپنے آپ کو ذمے دار سمجھتا ہے۔

مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جس گروہ کا مقصدِ زندگی ہی یہ تھا کہ اس قرآن کی علم برداری کرے اور دنیا کے ہر گوشے میں اس کے پیغامِ ہدایت کو پہنچائے اس نے اپنی ہزار سالہ مدتِ قیام میں اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ اس زبان میں قرآن کی تعلیمات کو پیش کرے جو اس ملک کی ایک بڑی اکثریت کی علمی اور ثقافتی زبان ہے۔ اس نے یہاں بیٹھ کر فارسی اور عرب کی زبانوں میں تو قرآن کی تفسیر لکھنا ضروری سمجھا مگر اسے نہ جانے کیوں اس کا خیال نہ آیا کہ ہندی بھی کوئی زبان ہے جس کو بولنے، لکھنے اور پڑھنے والے یہاں کروڑوں کی تعداد میں بستے ہیں، اور جن تک خدا کا پیغام پہنچانا اگر ممکن ہے تو اسی طرح سے کہ اسے ہندی لباس پہنا کر پیش کیا جائے، مگر اس نے اس بارے میں کچھ نہ کرنے کے برابر ہی کیا۔ تو کیا ہندوستان میں اس کے آنے کا مقصد واقعتاً صرف یہی تھا کہ یہاں کے رہنے والوں سے قومی اقتدار کی لڑائیاں لڑتا اور ان پر حاکمانہ برتری حاصل کر لے؟

کتنی بڑی افسوس ناک حقیقت ہے۔ مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس فرض سے غفلت ابھی جوں کی توں قائم ہے، اور مسلمان نے ابھی تک اپنے منصب کو نہیں پہچانا تو یہ افسوس اور بڑھ جاتا ہے۔ مسلم افراد اور جماعتوں کے پاس ذرائع کا اب بھی قحط نہیں اگر وہ چاہیں تو قرآن کے بہترین ہندی ترجمے اور تفسیریں اچھے سے اچھے اہتمام سے پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اس مصیبت کا کیا علاج کہ اگر ذرائع کا قحط نہیں تو احساسِ فرض کا قحط تو چاروں طرف چھایا ہوا ہے۔

ان حالات میں جماعتِ اسلامی ہند نے فیصلہ کیا کہ اسے اُمّت کے اس فرضِ کفایہ کو پورا کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اس نے اپنی بساط کے بقدر اللہ کا نام لے کر اس کام کو شروع کر دیا۔ چنانچہ چند ماہ سے پورے انہماک کے ساتھ ترجمۂ قرآن کا کام جاری ہے جس کے ساتھ حسبِ ضرورت تفسیری حواشی بھی ہیں۔ ترجمے اور تفسیر میں مندرجۂ ذیل باتوں کو سامنے رکھا گیا ہے:

(۱) ابتدا میں ایک جامع مقدمہ ہو، جس میں قرآن کے متعلق ضروری معلومات اور قرآنی اصطلاحات پر سیر حاصل بحث ہو۔

(۲) ہر سورہ کے شروع میں بھی ایک مختصر مقدمہ لکھا جائے جس میں ان باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہو جن سے پہلے ہی واقف ہونا سورہ کے مطالب سمجھنے کے لیے ضروری ہے، مثلاً سورہ کا زمانۂ نزول، پس منظر، عنوان وغیرہ۔

(ج) ترجمہ لفظی ہونے کے بجائے بامحاورہ اور معنی خیز ہو۔ اس غرض کے لیے جن الفاظ کا بڑھانا ضروری ہو انھیں قوسین میں رکھا جائے تاکہ پڑھنے والے کو اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ کتاب الٰہی کے اصل الفاظ کیا ہیں تو بآسانی جان سکے۔

(د) حواشی لکھنے میں اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ ایک ایسا شخص جو قرآن اور اسلام سے بالکل نابلد ہو انھیں پڑھ کر معلوم کر سکے کہ قرآن کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر قرآنی نظریات اور اصطلاحات کی پوری وضاحت کر دی جائے کہ کوئی ایسا تصور پڑھنے والے کے ذہن میں نہ آ گھسے جو قرآن کا نہ ہو۔

(ہ) حواشی میں مفہوم آیات کی شرح کرتے ہوئے انھیں عقلی و منطقی دلائل سے مدلل کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ بحث و نظر کے نئے رجحانات جو کچھ چاہتے ہیں، ان سے مباحث خالی اور تشنہ نہ رہ جائیں، پھر دلائل فلسفیانہ موشگافیوں پر مبنی نہ ہوں بلکہ خالص قرآنی ہوں یعنی یہ حقیقت ہر آن سامنے رہنی چاہیے کہ آیات کی تفسیر و تاویل خود قرآن ہی کی دوسری آیاتوں کی روشنی میں کی جائے۔

(و) اسلام کی تعلیمات اپنے اندر کیا مصلحتیں رکھتی ہیں؟ زندگی سے متعلق سارے مسائل کا حل کیا اور کس طرح پیش کرتی ہیں؟ ان باتوں کا جواب بھی حسب موقع ملنا چاہیے۔

(ز) ترجمہ اور حواشی دونوں میں یہ بات ملحوظ رہے کہ کلام اللہ کی مختلف آیتوں اور فقروں میں باہم جو گہرا منطقی ربط پایا جاتا ہے، وہ واضح ہوتا جائے اور پڑھنے والے کو یہ محسوس ہو کہ یہ ایک حکیمانہ نظم و ترتیب رکھنے والا کلام ہے منتشر اور بے ربط ٹکڑوں کا مجموعہ نہیں ہے۔

امید ہے کہ اس ترجمہ و حواشی کے پڑھنے کے بعد آپ کو بہت سی نئی باتیں بھی معلوم ہوں گی اور ان سے فہم قرآن کی کچھ نئی راہیں کھلیں گی۔

ترجمہ و حواشی کا کام مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی کر رہے ہیں اور اس کے بعد اسے دلی اور معیاری ہندی زبان کا جامہ پہنانے کا کام ایک اچھے ہندی ادیب کے سپرد ہے۔ اب تک جتنا حصہ تیار ہو چکا ہے اس کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ پہلے پارے کے ترجمہ و تفسیر کو جلد سے جلد شائع کر دیا جائے اور اسی طرح ایک ایک پارہ کر کے اسے شائع کیا جاتا رہے۔

جو صاحبان اس ترجمہ کلام پاک کو خریدنا چاہتے ہیں وہ ابھی سے اپنا نام پتہ رجسٹر کرا لیں تاکہ ہر پارے کے شائع ہوتے ہی ان کی خدمت میں روانہ کر دیا کرے اور انھیں بار بار لکھنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ اس طرح جو صاحبان پورا کلام پاک چاہتے ہوں وہ مبلغ ... پیشگی بھیج کر اپنا نام مستقل خریداران کی فہرست میں درج کرا لیں۔ پہلا پارہ ان کی خدمت میں وی پی روانہ کیا جائے گا اور ان کی پیشگی رقم سب سے آخری پاروں کی قیمت میں محسوب کر دی جائے گی۔ ایسے مستقل خریداران کو محصول ڈاک معاف ہوگا اور ہم اپنے صرفہ سے کلام پاک کے اجزا ان کی خدمت میں روانہ کرتے رہیں گے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بزمِ حسنات

بزمِ حسنات کی رپورٹیں مسلسل ہر رسالے میں شائع نہیں ہوتی ہیں: وجہ یہ ہے کہ حسناتی بہن
اور بھائی اپنے اپنے حلقوں کی رُوداد سے ہمیں مسلسل اطلاع نہیں دیتے۔ اگر مختصر اور کارآمد
رپورٹیں برابر آتی رہیں تو انشاءاللہ انھیں رسالے میں برابر جگہ دی جاتی رہا کرے۔ بہت سے
مقامات سے حسناتی بہنوں اور بھائیوں کے تقاضے آتے رہتے ہیں کہ بزمِ حسنات کی رپورٹیں
برابر شائع کی جائیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان رپورٹوں کے پڑھنے سے خواتین میں احساسِ عمل اُبھرتا ہے۔ "اڈیٹر"

رُودادِ سالانہ بزمِ حسنات ڈسکہ ضلع سیالکوٹ ۱۹۵۶ء مورخہ ۷ ارمارچ

ہفتہ وار اجتماع ہر اتوار کو کوئی گیارہ بجے کے قریب شروع ہوتا ہے۔ شرکت کرنے والوں
و بیس پچیس ہوتی ہے کبھی تعداد چالیس تک پہنچ جاتی ہے اجتماع اللہ کے فضل سے تسلی بخش
ہے۔ سال بھر کے بعد جو تبدیلی دیکھنے میں آئی ہے مندرجۂ ذیل ہے:

۱۔ پہلے مجھے خود عورتوں کو اجتماع میں آنے کے لیے آمادہ کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اب
لیاں مجھ سے بھی کہیں زیادہ تیار ہوتی ہیں بلکہ اتوار کا انتظار کرتی ہیں۔

۲۔ پہلے انھوں نے صرف گھر کے کام کاج ہی کو مقصدِ زندگی سمجھ رکھا تھا۔ لیکن اب
، مقصد اور مقام کو بھی پہچاننے لگی ہیں۔

۳۔ یہاں کی عورتیں نہایت مشرکانہ خیالات کی تھیں، جن کے خیال میں مُردہ بزرگوں
ں کی مٹی بھی نفع اور فائدہ پہنچانے کا اثر رکھتی تھی۔ اب تو مجھے ان کے عقیدے میں
بلی نظر آتی ہے، بلکہ ایسی باتیں کرنے لگی ہیں جن کو دیکھ کر ان کے عقیدے کی درستی کا
ن ہے۔ مثلاً پچھلے دنوں ایک گھر میں حسبِ دستور پیر صاحب مع اپنی بیگم صاحبہ کے
[illegible] سب عورتیں بھاگم بھاگ بیگم صاحبہ کی خدمت میں پہنچیں کوئی سر دبانے لگی
[illegible] لیکن اسی گھر کی وہ عورتیں جو اجتماع میں شرکت کرتی ہیں۔ کہنے لگیں کہ یہ کیا ہے

مرکزی درس گاہ جماعتِ اسلامی ہند کی طرف سے پہلی بار چند ابتدائی درسی کتب شائع ہو رہی ہیں۔ یہ کتابیں
فنی اعتبار سے نہایت کامیاب ہیں بلکہ دینی تعلیم اور اسلام کے بُنیادی عقائد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے آپ
لیے بھی۔

"چُنّوں مُنّوں کی کتاب"

صرف تصاویر کی مدد سے حروفِ ہجا کی شناخت کرائی گئی ہے۔ بہت چھوٹے بچّوں کے لیے نہایت
چسپ "کھلونا" ہے۔ تصاویر سب ایسی ہیں جو بچّے کے قریبی ماحول سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور یہ دیکھ کر آپ کو
کی داد دینا ہی پڑے گی کہ جملہ تصاویر غیر ذی رُوح کی ہیں۔ آرٹ پیپر پر بلاکوں کے ذریعے رنگین طباعت

قیمت ـــــــــــ دو آنے چھ پائی

ہماری کتاب (قاعدہ)

یہ کتاب بھی مصوّر ہے
ٹائیٹل نہایت دیدہ زیب قیمت ۸ر

ہماری کتاب (نمبر ۱)

باتصویر ـــــــ قیمت ۸ر

ہماری کتاب (نمبر ۲)

ـــــــ قیمت ۸ر

ہماری کتاب (نمبر ۳)

ـــــــ قیمت ۱۰ر

اسی معیار کی ہندی درسی کتب بھی پریس میں ہیں
جلد ہی اُن کا اعلان بھی آپ کے سامنے آئے گا

منیجر مکتبہ جماعت اسلامی (ہند) رام پور۔

جلد — نمبر ۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

رسالہ

حسنات

رام پور

جو مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

مئی دوم ۱۹۵۰ء

مدیر: ابوسلیم محمد عبدالحی

چندہ
سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے — پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے — تین روپے
فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبدالحی طابع وناشر نے مرتضیٰ برقی پریس رام پور میں چھپواکر دفتر الحسنات رام پور۔ یو۔ پی سے شائع کیا

احساسات

جس وقت سے مشرقی بنگال میں فساد ہوا ہے اور وہاں کے غیر مسلموں کو مصیبت
سامنا کرنا پڑا ہے ہندوستان کے اکثر لیڈروں اور اخبارات نے یہ کہنا شروع
دیا ہے کہ یہ فسادات اس لیے ہورہے ہیں کہ پاکستان نے "ایک" اسلامی حکومت"
ہونے کا اعلان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر پاکستان میں بھی غیر مذہبی حکومت
ہوتی تو وہاں یہ خون خرابہ نہ ہوتا۔ جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ واقعی اسلامی حکومت کیسی
ہوتی ہے اُن کے لیے ان اخباروں اور لیڈروں کی یہ باتیں یقیناً بڑی تکلیف دہ ہوں
وہ ہوسکتا ہے کہ اسلامی حکومت کا صحیح مطلب جاننے کی وجہ سے یا محض اسلام سے
عقیدت اور محبت رکھنے کی وجہ سے بعض لوگ ان لیڈروں یا اخباروں سے نفرت
کرنے لگیں اور کسی موقعہ پر ان کی باتوں کے خلاف غم اور غصّے کا اظہار کریں ——
—— آج ہم انھیں لوگوں سے کچھ ضروری باتیں کہنا چاہتے ہیں:

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی لفظ کا مطلب ایک شخص کے ذہن میں کچھ ہوتا
ہے اور دوسرے کے ذہن میں کچھ۔ بدقسمتی سے آج "اسلام" "اسلامی حکومت" "مسلم"
وغیرہ الفاظ کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے۔ اس لیے کچھ اور کہنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں
کہ آپ کو بہت ہی مختصر طور پر اسلامی حکومت کا صحیح مطلب بتا دیں۔ ایسی حکومت جس
میں نیچے لکھی ہوئی باتیں پائی جائیں اسلامی حکومت کہلاتی ہے:

(۱) حاکم اعلیٰ خدا کو مانا جائے، باقی سب لوگ رعیت کی حیثیت میں رہنا قبول
کرلیں۔ ملک کا انتظام اُن لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو خدا کا نائب یا خلیفہ بن کر اس
کی منشا کے مطابق حکومت چلا سکیں۔ حکومت کرنا کسی شخص کا ذاتی حق نہ ہو کہ بادشاہوں
کی طرح اُس کے بعد اُس کے بیٹے یا بھائی کو ہی اس کا جانشین بنایا جائے۔ نہ یہ حق
کسی خاندان، یا کسی طبقے یا کسی گروہ کے لیے مخصوص ہو۔ بلکہ ایسے سب لوگ جنھوں نے
اللہ تعالیٰ کو اپنا اصلی حاکم مان لیا ہو اور اُس کے بھیجے ہوئے قانون کے مطابق

زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیا ہو آپس میں مل کر اپنے میں سے کسی ایک شخص کو منتخب کرلیتے ہیں۔ یہ شخص خلیفہ کہلاتا ہے۔ خلیفہ ایسے شخص کو چُنا جاتا ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو، اُس کے سامنے جواب دہی کا یقین رکھتا ہو، اللہ کے قانون کا اچھا علم رکھتا ہو اور اُس میں اتنی قابلیت بھی ہو کہ وہ حکومت کی ذمے داری کو اچھی طرح سنبھال سکے۔ خلیفہ حکومت کے کاموں کو آپس کے مشورے سے چلاتا ہے۔ اس مشورے کے لیے وہ خود یا لوگوں کی رائے سے کچھ لوگوں کو چُن لیتا ہے۔ اس جماعت کو "شوریٰ" کہتے ہیں۔

خلیفہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے بعد اپنے بیٹے یا کسی عزیز کو اپنا جانشین مقرر کردے۔ اس کے بعد مسلمانوں میں سے پھر کسی سب سے زیادہ موزوں آدمی کو اس کام کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔

(۴) قانون بنانے کا اختیار سوائے خدا کے کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوتا۔ اگر ملک کے سارے مسلمان مل کر یہ چاہیں کہ اس کے بھیجے ہوئے قانون کی کسی دفعہ میں کوئی معمولی سی بھی تبدیلی کرلیں تو انھیں اس کا حق نہیں پہنچتا۔ خلیفہ اور ملک کے تمام باشندے مجبور ہیں کہ وہ خدا کے قانون کی پیروی کریں۔ البتہ جن باتوں کے لیے خدا کے قانون میں صاف صاف حکم نہ ملے اُن میں خلیفہ کو اختیار ہے کہ وہ شوریٰ کے مشورے سے کوئی بات طے کرلے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا یہ فیصلہ خدا کے مقرر کیے ہوئے قانون سے کسی جگہ ٹکراتا نہ ہو ——— اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے، وہ انسان کا خالق ہے، وہ انسان کی فطرت کو سب سے اچھی طرح جانتا ہے اُسی کو انسان کی ضرورت کا صحیح علم ہے۔ اُس کے بھیجے ہوئے قانون میں ایسی تمام باتوں کے متعلق واضح ہدایات مل جاتی ہیں جن کا جاننا انسان کے لیے ضروری ہے ان ہدایات کو سامنے رکھتے ہوئے انسان اپنے معاملات کے طے کرنے کے لیے جو فیصلہ کرے گا وہ اُس کے لیے مفید ہی ہوگا۔

اسلامی حکومت میں یہ فیصلہ کرنا کہ غیر مسلموں کو کیا حقوق دیے جائیں یا ان کے ساتھ کس طرح برتاؤ کیا جائے۔ مسلمانوں کا حق نہیں ہے۔ اسلامی قانون میں غیر مسلموں کے لیے حقوق مقرر ہیں۔ سب مسلمان مل کر بھی اگر چاہیں تو ان میں کوئی

ں نہیں کرسکتے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اُن کے علاوہ کچھ اور حقوق انھیں
ے دیں بشرطیکہ ان کا ایسا کرنا کسی طرح خدائی قانون کے خلاف نہ پڑتا ہو
—— اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے کہ مشرقی بنگال میں جو کچھ ہوا وہ پاکستان
کے "حکومت اسلامی" ہونے کا نتیجہ ہے یا کسی اور بات کا سب سے پہلے یہ جان
لیجیے کہ اگر پاکستان میں واقعی اسلامی حکومت ہوتی تو وہاں اسلامی قانون کے
مطابق غیرمسلموں کو کم سے کم کیا حقوق دینا ضروری ہو جاتے۔ یہاں اس کا موقعہ
ہیں ہے کہ اسلامی قانون میں غیرمسلم رعایا کو جو کچھ دیا گیا ہے اس کی تفصیلات
یان کی جائیں۔ بہت ہی مختصر صورت میں ان بنیادی حقوق کو جان لیجیے جو ایک
یرمسلم کو لازمی طور پر اسلامی حکومت میں حاصل ہوتے ہیں[1]۔

۱۔ ذمّی[2] کے خون کی قیمت مسلمان کے خون کے برابر ہے۔ اگر کوئی مسلمان
ی ذمّی کو قتل کرے گا تو اُس سے خون کا بدلہ اسی طرح لیا جائے گا جس طرح
ی مسلمان کے قتل کرنے پر لیا جاتا۔

۲۔ کسی جُرم کرنے پر جو سزا ایک مسلمان کو دی جائے گی اُتنی ہی سزا ذمّی
بھی دی جائے گی۔ البتہ شراب پینے اور سور کھانے کے معاملے میں مسلمان کو جو سزا
ی جائے گی وہ ذمی کے لیے نہ ہوگی بشرطیکہ اس کے مذہب کے مطابق یہ چیزیں جائز
ں۔ انھیں شراب پینے، بنانے اور بیچنے سے اور اسی طرح سور پالنے، ذبح کرنے
اُس کا کاروبار کرنے سے منع نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ حکومت پر ذمّی کے جان اور مال کی حفاظت اسی طرح ضروری ہوگی جس طرح
سلمانوں کے جان اور مال کی حفاظت۔

۴۔ ذمّی کو اپنے دیوانی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی یا رواجی قانون کے
طابق کرانے کی اجازت ہوگی اور اگر اسلامی عدالتوں سے اس کے معاملات کا
یصلہ ہوگا تو اس کے وہی دیوانی حقوق تسلیم کیے جائیں گے جو کسی مسلمان کے ہوتے ہیں۔

---

[1] ان تفصیلات کا بڑا حصہ رسالۂ ترجمان القرآن جلد ۱۳ نمبر ۴ کے ایک مضمون سے لیا گیا ہے جس کا مکمل ترجمہ ہندی
بان میں رسالۂ اُجالا ۱۲ میں شائع ہو چکا ہے۔

[2] وہ تمام غیرمسلم جو کسی اسلامی حکومت میں رہتے ہیں اور جن کے جان اور مال کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت پر
تی ہے اسلامی اصطلاح میں ذمّی کہلاتے ہیں۔

۱۔ ذمّی کو زبان یا ہاتھ پاؤں سے تکلیف پہنچانا، اُس کو گالی دینا، مارنا پیٹنا، یا
بیت کرنا اسی طرح ناجائز ہے جس طرح کسی مسلمان کے حق میں یہ باتیں ناجائز

۔ جو غیر مسلم ایک مرتبہ کسی اسلامی حکومت کی ذمّے داری میں آجائے اور حکومت
ن و مال کی حفاظت کی ذمّے داری سے کر اُس کو ذمّی بنالے تو پھر اسلامی حکومت
میں پہنچتا کہ وہ جب چاہے اُسے اپنی ذمّے داری سے باہر کردے۔ حد یہ کہ
یہ دینا بند کردے، کسی مسلمان کو مار ڈالے، نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کی شان میں
ے یا کسی مسلمان عورت کو بے آبرو کردے تب بھی وہ حکومت کا ذمّی
۔ اس کے ان بُرے کاموں کے بدلے اس پر عدالت میں مقدمہ چلا کر سزا
ے گی" ذمّے" سے خارج نہ کیا جائے گا۔ البتہ اگر وہ خود چاہے تو اس
سے نکل سکتا ہے۔ یا اگر وہ کسی دوسری حکومت سے رل جائے یا مُلک میں
پھیلائے تو پھر اس کو ذمّی نہ سمجھا جائے گا۔
۔ ذمّیوں کے شخصی معاملات (مثلاً نکاح، طلاق، مہر، وراثت وغیرہ)
اپنے مذہبی اور قومی قانون سے مطابق طے کیے جائیں گے ان پر اسلامی
"مُلکی قانون" زبردستی نہیں ٹھونسا جائے گا۔
۔ ذمّی اپنی بستیوں میں اپنے تمام مذہبی مراسم پُوری آزادی کے ساتھ علی الاعلان
تے ہیں۔ صرف ایسی بستیوں میں جو خصوصیت سے مسلمانوں کے شہر ہوں صلیب
ے جلوس نکالنے کی اجازت نہ ہوگی۔ البتہ عبادت گاہوں میں مذہبی رسوم
سکتی ہیں۔
۔ ہر شہر میں ذمّیوں کو اپنی قدیم عبادت گاہوں کی دیکھ بھال کی پُوری آزادی
۔ اگر کوئی عبادت گاہ ٹوٹ جائے تو اُس جگہ دوبارہ بنانے کی بھی اجازت
بتہ مسلمانوں کے شہروں میں نئی عبادت گاہوں کی تعمیر کی اجازت نہ ہوگی۔ ذمّی

امی حکومت کے تمام مسلمانی شہری مجبور ہیں کہ وہ جنگ کے وقت دُشمن کے مقابلے میں لڑائی کریں
ن حفاظت کریں لیکن غیر مسلم رعایا پر یہ ذمّے داری نہیں ہے حکومت خود ان کی حفاظت کی ذمّے دار ہے۔
اری کے بدلے غیر مسلم رعایا حکومت کو ایک معمولی معاوضہ ادا کرتی ہے۔ اس کو اسلامی قانون میں
ہ۔ اس کی کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔

صرف اپنے شہروں میں نئی عبادت گاہیں بنا سکتے ہیں۔
۱۰۔ جزیہ وصول کرنے میں ان پر کوئی سختی نہیں کی جاسکتی۔اور نہ اس
ان کے مال نیلام کیے جا سکتے ہیں۔نادار اور مفلسوں کا نہ صرف یہ کہ جزیہ مع
کردیا جائے گا بلکہ ان کی گذر بسر کے لیے وظیفہ بھی مقرر کیا جائے گا۔جزیہ
ذمی کے مرنے کے بعد اُس کے مال سے وصول نہیں جا سکتی۔
۱۱۔ ذمیّوں کے لیے لازمی فوجی خدمت معاف ہے، ملک کی خدمت کرنا
مسلمانوں کا فرض ہے۔اسلامی ملک پر غیرمسلموں کے حملہ کرنے کی صورت میں
کو زبردستی لڑائی کے میدان میں نہیں بھیجا جا سکتا۔ البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی
جنگ میں شرکت کرنا چاہیں اور اسلامی حکومت ان کی خدمات کو قبول بھی کرلے تو
جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا۔
۱۲۔ جزیہ صرف اُن مردوں پر لگایا جاتا ہے جو جنگ کرنے کے قابل
بچّوں اور عورتوں سے جزیہ نہیں لیا جاسکتا۔
۱۳۔ غیرمسلموں کو اسلامی حکومت میں رائے، تقریر، تحریر کی وہی آزاد
ہوگی جو مسلموں کو حاصل ہوگی۔
۱۴۔ قانون کی پابندی کرتے ہوئے وہ حکام پر حکومت کے رئیس پر
اسلام پر تنقید بھی کر سکتے ہیں۔
۱۵۔ غیرمسلم اپنی مذہبی تعلیم کا انتظام جُداگانہ کرسکتے ہیں اور انھیں مج
کیا جائے گا کہ وہ اسلام کی مذہبی تعلیم حاصل کریں۔

اسلامی حکومت ذمّیوں کو جو کم سے کم حقوق دیتی ہے اُس کی ایک مخ
آپ کے سامنے آچکی۔ پاکستان کی حکومت اگر واقعی اسلامی حکومت ہوتی تو آپ
کہ شاید بہت سے غیرمسلم ہندوستان کے بدلے پاکستان میں رہنا زیادہ پسند ک
ہمیں افسوس ہے کہ اسلام اور اسلامی حکومت کو بدنام کرنے کی ذمّے داری غیر
لیڈروں اور اخباروں سے زیادہ خود پاکستان پر ہے۔پاکستان نے ایک طرف
کیا کہ اس کی حکومت "اسلامی حکومت" ہوگی لیکن اسلام کا قانون آج تک وہاں

نہ ہوسکا اب اگر دوسرے اسے دیکھ کر یہ فیصلہ کریں کہ اسلامی حکومت ایسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ پاکستان کی حکومت ہے تو اس میں ان کا کیا قصور ہے

آپ سوچتے ہوں گے کہ یہ کیا بات ہے کہ پاکستان اعلان تو کر رہا ہے اسلامی حکومت کا لیکن اس کے یہاں اسلامی حکومت واقعتاً قایم نہیں ہوئی ہے ـــــ سیدھی بات یہ ہے کہ پاکستان کا انتظام ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن میں سے اکثر کی زندگی اسلامی زندگی نہیں تھی۔ اسلامی حکومت قایم کرنے کے لیے سب سے پہلے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو اللہ پر ایمان رکھتے ہوں، اُس کے رسول کی لائی ہوئی ہدایت پر اپنی پوری زندگی گذارنے کے لیے راضی ہوں، اللہ کے بھیجے ہوئے قانون پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں اور ان کو اس بات کا یقین ہو کہ ایک دن انھیں اپنے سچے حاکم کے دربار میں حاضر ہونا ہے اور وہاں اپنے تمام کاموں کے لیے جواب دہی کرنا ہے۔ جب تک کسی حکومت کا انتظام ایسے سچے مسلمان کے ہاتھ میں نہ ہو اُس وقت تک کوئی اسلامی حکومت قایم ہی نہیں ہوسکتی ۔ پاکستان کے موجودہ حکمراں ایسے نہیں ہیں۔ ان کی زندگیاں اسی طرح بسر ہو رہی ہیں جس طرح خدا سے انکار کرنے والے کسی شخص کی زندگی ہو۔ وہ زبان سے اسلام، اسلام پکارتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں اسلام کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

یہاں آپ کے دل میں پھر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کے لیے کوئی جگہ نہ تھی تو انھوں نے اسلامی حکومت قایم کرنے کا اعلان ہی کیوں کر دیا۔ بات در اصل یہ ہے کہ پاکستان کے عام باشندے ایسے نہیں ہیں۔ پاکستان کے رہنے والے عام مسلمان چاہتے ہیں کہ وہ مسلمان ہی جیئں اور مسلمان ہی مریں، ان کی دلی تمنا ہے کہ ان کے ملک میں اللہ کا بھیجا ہوا دین قایم ہو، اُس کے رسول کا بنایا ہوا قانون زندگی چلے اور وہ دُنیا کو دکھا دیں کہ آج بھی اگر کوئی ملک صحیح خدا پرستی کے اصولوں پر اپنا نظام قایم کرے تو وہ دُنیا کے لیے ایک مثالی حکومت قایم کر سکتا ہے۔ یہ حکومت ایسی ہو سکتی ہے کہ جسے دیکھ کر دوسرے لوگ سبق حاصل کریں ـــــ یہ صرف پاکستان کے لوگوں کی اس رائے کا دباؤ ہے

کہ پاکستان کے حکمرانوں کو یہ اعلان کرتے ہی بن پڑا کہ پاکستان کی حاکمیت اللہ کے لیے ہے اور اس مملکت میں اللہ کا بھیجا ہوا نظامِ زندگی قایم کیا جائے گا ـــــــ مگر اب یہ دین سے بے زار لوگ یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کو بس باتوں ہی باتوں میں بہلا دیا جائے سچ مچ یہ اسلامی حکومت قایم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں' ان کے دلوں کو یہ اطمینان ہی حاصل نہیں ہوا ہے کہ وہ اپنے ملک میں خدائی قانون کی روشنی میں کوئی نظام کس طرح قایم کریں ـــــــ

آپ نے دیکھا۔؟ اصل قصور وار کون ہے ؟ وہ غیر مسلم لیڈر اور اخبارات جو پاکستان کو "اسلامی حکومت" کا نمونہ سمجھ کر اسلام اور اسلامی حکومت کے خلاف نفرت پھیلا رہے ہیں' یا پاکستان کے وہ کرتا دھرتا جو اسلام اور اسلامی حکومت کا صحیح مطلب جانتے ہیں' مگر جانتے بوجھتے اللہ کے قانون کو اپنے ملک میں جاری کرنے کے لیے تیار نہیں۔ صرف اسلامی حکومت کا نام لے کر اور اسلام کا لیبل لگا کر اپنی لیڈری اور اپنی حکومت کو چمکانا چاہتے ہیں۔

آپ اگر پاکستان میں رہتے ہیں تو آپ کا کام یہ ہے کہ پہلے آپ خود اچھی طرح معلومات حاصل کریں کہ آج کل جو حکومت اللہ کے بھیجے ہوئے قانون کی بنیادوں پر قایم ہوگی اور اپنے ملک میں اللہ کے دین کو قایم کرنے کا فیصلہ کرلے گی اس کا حال کیا ہوگا' اس کے حکام کیسے ہوں گے؟ اس کے معاملات کس طرح کے ہوں گے' پھر آپ یہ دیکھیں کہ کیا سچ مچ آپ کے ملک کی حکومت "اسلامی حکومت" ہے ؟ ـــــــ اگر آپ ایسا نہ پائیں تو آپ ان باتوں کو جو آپ کو معلوم ہیں دوسرے لوگوں کو سمجھائیں اور ان میں زیادہ سے زیادہ یہ خواہش پیدا کریں کہ ان کے ملک کا نظام اسلامی ہو۔ اور ان کے ملک میں اللہ کے دین کی حکومت ہو۔ جب کسی ملک کے رہنے والے کثرت کے ساتھ کسی ایک نظام کو پسند کر لیتے ہیں تو پھر وہاں وہی نظام قایم ہوکر رہتا ہے۔ کسی نظام کو قایم کرنے کے لیے یہی سب سے زیادہ کامیاب طریقہ ہے ـــــــ ساتھ ہی ساتھ آپ یہ بھی دیکھیں کہ آپ کے ملک میں کتنے کام ایسے ہو رہے ہیں جو

غیر اسلامی ہیں ان کی طرف بھی آپ لوگوں کو توجہ دلائیں اور کوشش کریں کہ آپ کی بستی اور آپ کے محلے میں زیادہ سے زیادہ لوگ اسلامی باتوں کو پسند کرنے لگیں اور غیر اسلامی باتوں سے ان کے دل میں نفرت پیدا ہو جائے۔ جن غیر اسلامی باتوں کو آپ حکومت کی طرف سے ہوتا ہوا دیکھیں اُن کو بھی جہاں اور جس طرح موقع ہو روکنے کی کوشش کریں ورنہ کم از کم ان کے خلاف لوگوں میں نفرت پیدا کرائیں اگر آپ اس طرح کام شروع کر دیں تو کم از کم آپ کی اپنی بستی میں غیر مسلموں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں ہونے پائے گا جو اسلامی قانون کے ماتحت فساد کہا جاسکے۔ اسی طرح اُمید ہے کہ اور بھی بہت سے غیر اسلامی کام آپ کی کوشش سے بند ہوسکیں گے۔

افسوس یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی جو حکومت سیکڑوں سال تک قایم رہی وہ بھی کبھی خالص اسلامی اصولوں کے مطابق قایم نہ ہوئی اور اس طرح ہندوستان کے باشندوں کو کسی مکمل اسلامی حکومت کا تجربہ ہی نہ ہوسکا۔ ایسے حالات میں اگر وہ مسلمان بادشاہوں کی بادشاہیوں اور پاکستان کی موجودہ غیر اسلامی حکومت کو "اسلامی حکومت" سمجھ کر اس کے خلاف کچھ کہتے ہیں تو ہم کس طرح انھیں پورا قصور وار ٹھہرا سکتے ہیں؟

اگر آپ ہندوستان میں رہتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ابھی آپ کے لیے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ آپ اپنے وطن کے ساتھیوں کو اسلامی حکومت کا کوئی نمونہ قایم کرکے دکھا سکیں۔ البتہ آپ کے کرنے کے لیے اسی سلسلے میں ایک اور بہت ضروری کام ہے جس کی طرف ہم مسلسل توجہ دلاتے رہتے ہیں۔ وہ کام یہ ہے کہ آپ اپنی پوری زندگی میں اسلام کا نمونہ بن جائیے۔ آپ کی بات چیت، آپ کا معاملہ، آپ کا اخلاق غرض یہ کہ آپ کی پوری زندگی اسلامی اصولوں کا نمونہ ہو۔ آپ سے مل کر اور آپ کے ساتھ معاملہ کرکے ایک شخص یہ سمجھ لے کہ اسلام کس قسم کے آدمی بناتا ہے۔ "اسلام کیا ہے اور کیا چاہتا ہے" یہ بات لوگوں کو اچھی طرح سمجھانے کے لیے اسلامی حکومت قایم کرنے سے پہلے پہلے بہت سے کام کرنا ہوتے ہیں۔ یہ کام اگرچہ بہت کٹھن ہوتے ہیں لیکن ان کے بغیر اللہ تعالیٰ کا دین کبھی قایم نہیں ہوسکتا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ○ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ط وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ط قَالَ يَا قَوْمِ هٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ط أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ ○

(سورۂ ہود۔ رکوع۷)

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو اُن کی آمد سے وہ بہت گھبرایا۔ اور دل تنگ ہوا اور کہنے لگا آج بڑی مصیبت کا دن ہے (ان مہمانوں کا آنا تھا کہ) اس کی قوم کے لوگ بے اختیار اس کے گھر کی طرف دوڑ پڑے۔ پہلے سے وہ ایسی ہی بدکاریوں کے عادی تھے۔ لوط نے ان سے کہا "بھائیو! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں یہ تمھارے لیے سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں۔ کچھ خدا کا خوف کرو اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے ذلیل نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں ہے؟

(تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) قوم لوط کا کچھ حال آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں۔ یہ قوم اپنی ایک بہت بڑی بُرائی کے لیے مشہور ہے۔ قرآنِ پاک میں دوسری جگہ (اعراف رکوع۱۰)

مذکور ہے کہ وہ بہت بے حیا ہو گئے تھے اور ایک ایسا گندا کام کرتے تھے جو ان سے پہلے دُنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا۔ یہ لوگ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ بالکل ہی حد سے گذر چکے تھے یہ اپنی گندی باتوں میں اس قدر پھنس چکے تھے کہ انھیں یہ بے حیائی کی باتیں بُری بھی معلوم نہیں ہوتی تھیں۔ ان کے نزدیک یہ کام کوئی عیب کا کام نہیں رہا تھا۔ ان کے اخلاق اس قدر گر گئے تھے کہ جب لوط علیہ السلام نے انھیں اس کام پر ٹوکا تو انھیں بڑا بُرا معلوم ہوا اور سب نے لوط علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں یہ کہا "یہ لوگ بڑے پاک باز بنتے ہیں اور ہمیں نصیحت کرنے چلے ہیں' انھیں اپنی بستی سے نکالو!"

آپ نے دیکھا مسلسل بُرائی کرنے کا نتیجہ کیسا ہوتا ہے۔ پہلی بار جب انسان سے کوئی گناہ ہوجاتا ہے تو اسے خوف' شرمندگی اور افسوس ہوتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرلیتا ہے اور نیکی کی طرف پلٹ آتا ہے تو اس کے دل' سے گناہ کا اثر دُور ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ ایسا نہ کرے بلکہ گناہگاری اور بدی کے راستے پر ہی قدم بڑھاتا چلے تو آہستہ آہستہ اس کا خوف شرمندگی اور افسوس گھٹنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ اسے گناہ کرنے میں کسی پریشانی کا سامنا نہیں ہوتا ——— اس کے بعد ایک درجہ اور آتا ہے اور وہ یہ کہ انسان گناہ کو بُرا بھی نہیں جانتا۔ اسی کو بھلا بھی سمجھنے لگتا ہے اور اگر کوئی اس کے خلاف کچھ کہے تو بُرا مانتا ہے۔ یہ وہ حد ہے جہاں اصلاح کی اُمید بہت ہی کم باقی رہ جاتی ہے ——— حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا حال اِسی حد کو پہنچ چکا تھا۔

(۲) اللہ تعالیٰ جب کسی شخص یا کسی قوم کو آزمائش میں ڈالتا ہے تو اُس کے لیے گناہ اور بدی کی راہ آسان ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن فرشتوں کو اس قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجا وہ خوب صورت لڑکوں کی شکل میں بھیجے گئے تاکہ عذاب نازل ہونے سے کچھ ہی پہلے ان لوگوں کی بے حیائی اور بدمعاشی کا حال پھر ایک بار سب کو معلوم ہوجائے اور آخری طور پر یہ طے ہوجائے کہ ان میں سے کسی نے بھی نیکی اور پاکیزگی کا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ نہیں کیا ہے ——— حضرت لوط علیہ السلام کو کچھ معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا آخری فیصلہ صادر ہوچکا ہے اور یہ خوب صورت لڑکے

در اصل عذاب کے فرشتے ہیں۔ وہ سمجھے کہ یہ لوگ ان کے مہمان ہیں۔ لیکن چونکہ آپ اپنی قوم کے لوگوں کا حال جانتے تھے کہ وہ کس قدر بے حیا ہو چکے ہیں اس لیے انھیں ان مہمانوں کو دیکھ کر بڑی پریشانی ہوئی۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا حضرت لوط علیہ السلام کو ڈر تھا۔ قوم کے لوگوں کو جب معلوم ہوا تو وہ بے اختیار آپ کے گھر کی طرف دوڑے وہ تو بدکاری کے عادی ہو چکے تھے۔

(۳) جب قوم کے یہ بدمعاش آپ کے گھر پر چڑھ آئے تو آپ نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی۔ آپ نے انھیں بتایا کہ در اصل اللہ تعالیٰ نے مرد کے لیے عورتوں کو پیدا فرمایا ہے انسانی نسل کو باقی رکھنے کے لیے یہی صورت سب سے زیادہ بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قوم کی یہ ساری لڑکیاں جو میری بیٹیوں کی مانند ہیں تمھارے لیے موجود ہیں۔ تم ان سے نکاح کرو اور اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے وہ طریقہ اختیار کرو جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے یہی طریقہ سب سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

(قوم کا جواب آئندہ رسالے میں آپ پڑھیں گے)

حافظ عبدالسمیع حافظ دھامپوری

تجلّیٔ حق

قدم راہِ حق میں بڑھاتا ہوا چل — صداقت کا پرچم اڑاتا ہوا چل

تعصب کی دُنیا مٹاتا ہوا چل — محبت کی بستی بساتا ہوا چل

زمانے کو پیغامِ صلح و اخوّت — سناتا ہوا چل، سُناتا ہوا چل

ہٹا کر نفاق و عداوت کے کانٹے — محبت کا گلشن کھلاتا ہوا چل

صداقت کی ضَو سے، تجلّیٔ حق سے
تو عالم کو پھر جگمگاتا ہوا چل

نیّر بانو صاحبہ

ہوم ورک

آج اسلامیہ ہائی اسکول اور گورنمنٹ ہائی اسکول میں کھیل کا دن مقرر ہوا تھا، دونوں طرف بڑی زور کی میچ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ شام کو چار بجے گراؤنڈ میں پہنچنے کا وقت تھا۔ مگر لڑکے تو عید کی طرح اس صبح کا انتظار کر رہے تھے۔ شوق میں متوالے صبح اُٹھتے ہی کپڑوں کی دیکھ بھال میں لگ گئے۔ اصغر بھی کھلاڑیوں میں سے ایک تھا، ہاف بیک میں کھیلتا تھا، ہاکی کا اچھا کھلاڑی تھا۔ یہ بھی صبح اُٹھ کر نماز اور ناشتے سے فارغ ہو کر اپنے کپڑے دیکھنے لگا۔ بکس کھولا نکر تو مل گئی مگر بنیان ندارد۔ بڑا حیران ہوا کہ بکس میں بنیان کون نکال سکتا ہے۔ پھر خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ چھوٹے بھائی کا کارنامہ ہے۔ انور اور صفیہ روز طرح طرح کے رُوپ بھر کے اور بھیس بنا بنا کے کھیل کرتے ہیں۔ شاید انور کو بنیان کے رنگ بھا گئے ہوں۔ اور کسی وقت نکال لے گیا ہو۔

اصغر: "انور صاحب ذرا ادھر تو تشریف لائیے، وہ جو ہمارے کلر کا بنیان ہے، ڈھونڈھ لا دو۔ پھر تمھیں انعام ملے گا۔"

انور: "کیا انعام دیجیے گا، پہلے بتایئے، پھر دیں گے بنیان۔"

اصغر: "اس کا مطلب ہے کہ وہ بنیان آپ کے پاس ہے۔ خیر انعام میٹھی گولیاں اور ٹافی، مگر ساتھ ہی بغیر اجازت چیز لینے کا جُرمانہ بھی ہونا چاہیے۔ بتاؤ کیا جُرمانہ ہو۔"

انور: "بھائی جان بنیان میں نے بالکل تھوڑی دیر لیا ہے۔ مجھے جلدی تھی، آپ تھے نہیں پھر کیا کرتا، صفیہ آپا کے گڈّے کی بارات جا رہی تھی، باجے والا کوئی نہیں تھا، میں نے جلدی جلدی آپ کا بنیان پہنا، گلے میں ٹین ڈالا اور باجے والا بن گیا۔"

اختر: "جی میں سب جانتا ہوں۔ انعام کا نام سُن کر تو مُنھ میں پانی آگیا، جُرمانے کی بات اُڑا دی۔"

انور: "اچھا تو لا یئے اپنے بوٹ ایسی عمدہ پالش کروں گا کہ چمک جائیں گے۔"

ا: "میاں پہلے بنیان تو لا دو، بوٹ پھر چمکانا۔"

انور بنیان لینے گیا تو اصغر نے صفیہ کو آواز دی۔ صفیہ بھی بھاگی بھاگی آگئی۔

اصغر: "صفیہ ایک کام کر دو ہمارا، آج ہمارا میچ ہے۔ اگر ہم جیت گئے تو تمھیں بہت سی ٹافیاں اور گولیاں ملیں گی۔ کروگی؟"

صفیہ: "بتایئے مگر انور سے دوگنا حصّہ لوں گی۔"

اصغر: "نہیں، بھائی، برابر حصّہ انور بھی بڑے کام کا لڑکا ہے۔ وہ پھر ناراض ہوجائے گا۔ یہ میری جرابیں ہیں، ذرا صابن لگا کے دھو ڈالو، خوب صاف ہوجائیں۔ ارے چل دیں، بات تو پوری سُن لیا کرو، استری میں کوئلے ڈال دیتی جاؤ، میں اتنے کپڑوں پر استری کرلوں۔"

ہاتھ میں بنیان لیے انور آگیا، اور چھوٹتے ہی بولا۔

انور: "بھائی جان میں سوچ رہا تھا کہ آپ نے مجھ پر سچ بولنے کا جرمانہ کیا ہے، اگر میں نہ بتاتا تو آپ کہاں ڈھونڈھتے پھرتے، جھوٹ بولنا تو بُری بات تھی اور آپ بھی ناراض ہوتے۔"

اصغر: "اُستاد عقل مند بنتے جاتے ہو، چلو ڈبل انعام، پالش میں خود کرلوں گا۔"

انور: "نہیں نہیں آپ اور کام کریجیے، میں بھی میچ دیکھنے چلوں گا، تیسری کے کئی لڑکے جا رہے ہیں۔"

اسی طرح خوش گپیوں اور تیاریوں میں وقت گذر گیا، اصغر اپنی ٹیم کے ساتھ میدان میں پہنچا، خوب کھیلا، اُن کی جیت رہی، رات گئے سب گھروں کو چلے۔ راستے میں اصغر کو خیال آیا کہ چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے گولیاں اور ٹافی لے لوں، وعدہ کیا تھا ضرور، مانگیں گے۔ اُسے اپنے بہن بھائی سے بڑی محبّت تھی، اُن کا بڑا خیال رکھتا اور کھیل کھیل میں اچھی اچھی باتیں سکھا دیا کرتا۔ راستے کی ایک دُکان سے چیزیں خریدیں اور دو پیکٹ بنا لیے۔ گھر پہنچا تو دونوں کو منتظر پایا۔ صفیہ اسکول کا کام کر رہی تھی مگر نظریں دروازے پر تھیں۔ انور کی کتابیں اور کاپیاں بھی بکھری پڑی تھیں۔

انور: "بھائی جان آگئے، صفو آپا دوڑیں دیکھیں پہلے کون چھوتا ہے۔"

صفیہ: "تمھیں جلدی لگی ہے، میرا حصہ تو یہیں آ جائے گا۔ امی جان کھانے کے لیے بُلا رہی ہیں اور میرے سوال ختم نہیں ہوئے۔

اصغر: "جوتے اُتارتے ہوئے۔ آج تو میں تھک گیا۔ انور ذرا جرابیں کھینچنا۔"

اصغر نے کپڑے وغیرہ بدل کر ہاتھ منھ دھویا، کھانا کھا کر پلنگ پر لیٹ گیا۔ پھر جیب سے بسکٹ نکال کر ایک انور کو دیا اور ایک صفیہ کو۔ انور تو وہیں مزے لے لے کر کھانے لگا۔ صفیہ نے اپنے بستے میں رکھ لیا اور پھر سوال نکالنے بیٹھ گئی۔ اُس کا کام ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ کام کی تیاری میں بسکٹ جیسی مٹھائی کھانے کا دھیان ہی نہیں رہا اصغر نے کہا بھی کہ اب پڑھنا رہنے دو وقت کافی گذر چکا ہے۔ صفیہ مانی نہیں، صبح کو اُستانی ناراض ہوں گی تو پھر کیا ہوگا، کاپی پنسل لیے کام کرتی ہی رہی۔ اسے اپنی اُستانی کے سامنے جواب دینے کا ڈر تھا۔ اصغر نے آنکھیں بند کرلیں۔ تھک کر جسم چُور چُور ہو رہا تھا، اُٹھ کر اپنی چارپائی تک جانے کو بھی جی نہ چاہتا تھا۔ سوچنے لگا آج عشاء کی نماز رہنے دو۔ کل پڑھ لیں گے۔ اس وقت تو اُٹھنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ کچھ کچھ سوچتا رہا، نظر صفیہ پر گئی تو اُسے لکھنے میں بڑی طرح مشغول پایا۔ بات تو اتنی ہی سی تھی مگر اُس کے خیالات کہیں سے کہیں پہنچے، دل نے بڑی ملامت کی کہ تجھ سے تو یہ لڑکی بہت اچھی ہے، محض کل اُستانی کی جواب طلبی اور اس سے ڈرنے اُسے اس وقت تک جگا رکھا ہے۔ بچّوں کو مٹھائی کا کتنا شوق ہوتا ہے۔ سو کام چھوڑ کر کھانے پر لپکتے ہیں تیاری مکمل نہ ہونے کی وجہ سے نہ نیند کا دھیان ہے نہ کھانے کی پرواہ ہے، اور میں اللہ کا حکم ٹال جانے کی فکر میں ہوں۔ خدا کے سامنے بھی ایک دن اسی طرح سے حاضری ہوگی، میں کیا جواب دوں گا؟

... ... تھوڑی دیر میں تھکا ماندہ اصغر اپنے مالک کے حضور ہاتھ باندھے کھڑا تھا

حمیدہ بیگم صاحبہ

بیمار اور تندرست

جب کوئی شخص بیمار پڑجاتا ہے تو اُس کی دلچسپی اپنی ذات سے بڑھ جاتی ہے پھر اُس کی بیماری جتنی خطرناک ہوتی ہے اُتنا ہی وہ دُنیا و مافیہا سے بے پروا ہوکر اپنے آپ میں جذب ہوکر رہ جاتا ہے۔ گھر کا مرد اگر بیمار ہوگیا تو اُسے اپنے بیوی بچوں کے آرام کی نسبت اپنے آرام کا خیال زیادہ ہوجاتا ہے۔ اور اگر عورت بیمار پڑگئی تو اُسے بھی گھر بار سے وہ دلچسپی نہیں رہتی جو اپنی جسمانی صحت سے ہوتی ہے۔ تندرستی کی حالت میں تو اُسے خیال رہتا ہے کہ کنبے کے سب افراد کو بروقت کھانا مل جائے۔ اُن کے میلے دُھلے یا مرمت کیے ہوئے کپڑے موجود رہیں۔ اگر کوئی بیمار ہے تو اُسے بروقت مناسب غذا ملے، مہمانوں کی تواضع ہو، فقیروں اور سوالیوں کو بھی کچھ نہ کچھ مل جائے حتیٰ کہ گھر میں پلے ہوئے کُتے، بلی، مرغی، گائے وغیرہ کو بھی بھوک، پیاس، سردی، گرمی اور دوسری تکلیفوں سے بچانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ غرض اُسے اپنے سے بڑھ کر دوسروں کے آرام و آسائش اور گھر کی مجموعی بہتری کا ہر وقت خیال رہتا ہے۔ لیکن بیماری میں یہ بات کہاں؟ پھر تو اُس کے مُنہ سے دن بھر اسی قسم کے جملے سُننے جاتے ہیں "سر پھٹا جا رہا ہے۔" "گردن میں بل پڑگیا۔" "رات نیند نہیں آئی پیٹ میں نفخ تھا۔" "دہنی والی طرف کے آدھے پاؤں میں درد ہے۔" "یہ دوا کچھ فائدہ نہیں دے رہی۔" "شوربا بے نمک ہے۔" "چائے گرم نہیں۔" "دودھ ٹھیک نہیں اُبلا۔" "کوئی کام کی چیز بروقت نہیں ملتی" "میرے بستر کی چادر میلی ہو رہی ہے" "قمیص میں مالش کے تیل کی بُو آتی ہے" "پلنگ ڈھیلا ہے" وغیرہ وغیرہ۔ یعنی ہر لحاظ سے اب اُسے صرف اپنے آرام، غذا اور لباس کا خیال رہنے لگتا ہے۔

افراد کی طرح قوموں کا بھی یہی حال ہے۔ بیمار قوموں کو صرف اپنے پیٹ کی فکر ہوتی ہے کہ وہ مرغوب غذاؤں سے پُر ہوجائے خواہ سب لوگ بھوکے رہیں۔ وہ صرف

اپنے لیے ریشم و اطلس کے لباس تلاش کرتی ہے خواہ سب لوگ ننگے رہ جائیں' اُسے اپنے آرام کی ضرورت ہے' خواہ ساری دُنیا کا آرام چھن جائے' اس لحاظ سے آج کل تقریباً سب قومیں بیمار ہیں انھیں اپنے مُلک کو خوش حال بنانے کی خاطر دوسرے ملکوں کو تباہ کرنے میں کوئی دریغ نہیں۔ اپنی قوم کی بےکاری دُور کرنے کے لیے دوسروں کو آپس میں لڑا کر انھیں افلاس' بےکاری اور غلامی میں مبتلا کر دینے میں کوئی شرم نہیں ۔

ساری دُنیا کو اپنا گھر سمجھنے' اُس میں امن چین قایم رکھنے' دوسری قوموں کو اپنے ہی افراد کُنبے کی طرح عزیز رکھنے والے خدانے ایک تندرست قوم پیدا کی تھی' اُسے روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں سے یکساں ہمدردی تھی' اُس کے افراد خود بھُوکے رہتے دوسروں کو کھلاتے' خود جاگتے دوسروں کو سُلاتے' اور اپنی جان و مال خطرے میں ڈال کر دوسروں کے جان و مال اور گھر بار کی حفاظت کرتے۔ اب وہ قوم بھی بیمار پڑ گئی ہے اُس کے پاس کچھ تندرست افراد تو موجود ہیں لیکن وہ منتشر ہیں' ان کی انفرادی کوششیں وہ اثر نہیں رکھتیں جو ایک منظم قوم کی۔ ان صحت مند انسانوں میں سے اب کچھ لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ سب تندرست اشخاص مل کر اس بگڑی ہوئی دُنیا کا انتظام کریں۔ اس میں امن چین ہو' صحیح مساوات قایم کی جائے' کوئی آقا اور کوئی غلام نہ رہے' سب اس اصل آقا کے نوکر بن جائیں جس کی نوکری کے لیے وہ پیدا ہوتے ہیں' اور اُن قوموں کی تیمار داری کریں جو نفس پرستی اور خود غرضی کے امراض میں مبتلا ہیں ۔

بیمار قوموں میں سے زیادہ مُہلک بیماریاں روس' امریکہ اور برطانیہ کو لاحق ہیں۔ انھیں اپنے سوا کسی کا ہوش نہیں' جرمنی پر بھی مرض کے شدید حملے ہوئے' ان کی چھُوت سے دوسری قومیں بھی بیمار ہو رہی ہیں اور اُس **تندرست یعنی مسلمان قوم** کے بھی بیشتر افراد انھیں امراض کا شکار ہوتے جا رہے ہیں جن کا علاج کرنے کے لیے اُنھیں دُنیا میں بھیجا گیا تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے اُس کی اخلاقی صحت کو برقرار رکھنے والے (گنتی کے آدمی) کوشش کر رہے ہیں کہ دُنیا کے انتظام کی باگ ڈور صالحین کے ہاتھ میں آجائے اور دُنیا پھر ایک دفعہ امن و سکون کا گہوارہ بن جائے۔ اگر انھوں نے کام ٹھیک کیا تو یقین ہے کہ خدائی تائید ان کے شاملِ حال ہوگی اور ان مٹھی بھر انسانوں کی محنت پھل لائے گی۔ کیا آپ اس کوشش کو پسند کرتے ہیں؟ اس سلسلے میں آپ کیا کر رہے ہیں؟

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی

شب برات

اے شب برات عمر ہے تیری بہت بڑی
ہیں سن و سال تیرے کہاں تک کروں شمار

ہے ہجرتِ رسول کو یہ چودھوں صدی
اور تو ہر ایک سال میں آتی ہے ایک بار

دیکھا ہے تو نے آنکھ سے اسلام کا عروج
تجھ کو تو خوب یاد ہے تاریخ روزگار

کرتا ہوں اک سوال مجھے تو جواب دے
پہلے بھی تھا یہ فرقۂ اسلام کا شعار

کیا اُمتِ نبی کی یہی رسم و راہ تھی
کیا اہل بیت کا تھا چلن اور یہی تھا کار

بول اُٹھ جو تو نے دیکھی ہو اگلے زمانے میں
حلوے کی چاٹ اور اناروں کی یہ بہار

ہے فرضِ عین آج پٹاخوں کا چھوڑنا
یہ مشغلہ نہ ہووے تو جی ہیں بے قرار

حلوہ نہ کھائے جو وہ مسلمان ہی نہیں
چھوڑے نہ جو انار وہ کاہے کا دیندار

سامان کوئی گھر میں میسر نہ ہو اگر
حلوائی اور بنیے سے لے آتے ہیں اُدھار

بھجوائیں دے کے فاتحہ مُردوں کے واسطے
اسلام کا ہے اب تو اسی رسم پر مدار

بولی شب برات کہ میں کیا جواب دوں
لوگوں کے سر پہ جب سے جہالت ہوئی سوار

اسلام کے طریقے سے بس ہو گئے مُنحرف
کر بیٹھے ہیں مراسمِ بیہودہ اختیار

یہ قوم آج اہلِ جہاں کی نگاہ میں
بد رسموں سے آپ ہے اپنی ذلیل و خوار

اسلام میں پتا بھی نہ تھا جن رسوم کا
اب جاہلوں نے اُن کو کیا دین میں شمار

مرسلۂ اکبر علی خانصاحب رامپور

حسابی کھیل
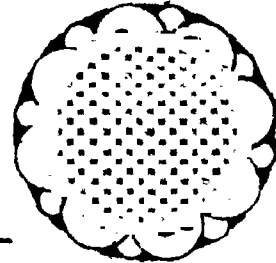
انسان نے جہاں اور بہت سے ایجاد کیے وہاں یہ فن بھی عجیب و غریب ہے۔ کہ بعض زبانوں کے حروف کے لیے اعداد مقرر کر لیے گئے ہیں اور پھر اُن کی مدد سے گنتی کو جملوں اور فقروں میں ادا کیا جاتا ہے۔ عربی زبان کے حروف کے لیے بھی اسی طرح اعداد مقرر ہیں۔ چنانچہ کوئی فقرہ ایسا کہہ دیا جس سے کسی مشہور واقعہ کی تاریخ معلوم ہو سکے، کسی مرنے والے کا سنِ وفات معلوم ہو جائے، کسی بادشاہ کی تخت نشینی، کسی عمارت کی بنا، کسی کی تاریخ پیدائش۔ غرض یہ کہ باتوں ہی باتوں میں اہم اور ضروری باتوں کو محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ آپ کو خود تجربہ ہوا ہوگا کہ تاریخ پڑھتے وقت سنوں کا یاد رکھنا اکثر مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر واقعہ کی مناسبت سے کوئی جملہ یا فقرہ سامنے آ جائے تو وہ ہمیشہ یاد رہتا ہے —— مثلاً

'ہمایوں از بام اُفتاد'[1] سے ہمایوں بادشاہ کی تاریخ وفات معلوم ہوتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی یاد آ جاتا ہے کہ اس کی موت کا سبب زینے سے گر پڑنا تھا۔

اسی طرح اس فن میں بڑا کمال حاصل کیا گیا۔ بعض صاحبِ فن تو ایسے گزرے ہیں کہ اُنھوں نے نہایت اونچی باتیں کہی ہیں اور انھیں کے اندر نہایت مشہور واقعات کی تاریخ بھی پوشیدہ ہے'

—— آیئے پہلے آپ کو حروف اور اعداد بتائیں پھر ایک بڑے ہی مزے کی بات سُنائیں۔ حروف کے اعداد یہ ہیں:

ا ب ج د —— ہ و ز —— ح ط ی —— ک ل م ن ——
۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۲۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰

س ع ف ص —— ق ر ش ت —— ث خ ذ —— ض ظ غ ——
۶۰ ۷۰ ۸۰ ۹۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰ ۵۰۰ ۶۰۰ ۷۰۰ ۸۰۰ ۹۰۰ ۱۰۰۰

---

[1] ہمایوں کوٹھے سے گر پڑا۔

اب اگر کسی لفظ کے حروف کے اعداد جوڑ لیے جائیں تو یہ معلوم ہوجائے گا کہ اس لفظ سے کیا عدد مراد ہے۔ اس کو بھی ایک مثال سے سمجھ لیجیے۔ اگر کوئی کہے "غالب بمُرد" تو اس کے اعداد اس طرح نکالیں گے؛

غ + ا + ل + ب + م + ر + د

۱۰۰ + ۱ + ۳۰ + ۲ + ۴ + ۴۰ + ۲۰۰ = ۴ = ۱۲۷۹

مشہور شاعر غالب ۱۲۹۲ھ میں فوت ہوئے تھے چنانچہ یہ فقرہ اُن کی تاریخ وفات یاد رکھنے کے لیے بہت مفید ہوسکتا ہے۔ اسی طرح آپ جس لفظ یا جس عبارت کو چاہیں ہندسوں میں تبدیل کرسکتے ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اگرچہ یہ فن مشہور تاریخوں کو آسانی کے ساتھ یاد رکھنے کے لیے ہی ایجاد ہوا ہوگا لیکن لوگوں نے اس کو بھی ایک عجوبہ بنا ڈالا۔ حد یہ ہے کہ یہودیوں نے تو تورات کی عبارت کے ظاہری مطلب کو ایک طرف رکھ کر اس کے اعداد و شمار نکالنا شروع کردیے اور انھیں اعداد و شمار کی بنیاد پر آئندہ ہونے والے واقعات کی پیشین گوئی کرنے لگے۔ اچھے اور بُرے شگون معلوم کرنے لگے۔ غرض یہ کہ ایسے ایسے اوہام اور خرافات میں پھنس گئے جن کا تعلق دین اور مذہب سے تو کیا ہوتا معمولی انسانی عقل سے بھی ان کو دُور کا واسطہ نہ تھا۔

بگڑی ہوئی قوموں کا مزاج اکثر ایک سا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ کو یہ سُن کر افسوس ہوگا کہ مسلمان بھی اس معاملے میں کچھ پیچھے نہ رہے، انھوں نے بھی الفاظ کے اعداد، ان کے خواص اور خدا جانے کیا کیا ہمل باتیں گڑھ لیں۔ علم رمل، جفر، نقوش اور تعویذوں کا ایک انبار مرتب کر ڈالا۔ اس وقت اس بارے تو کچھ زیادہ تفصیل سے کہنے کا موقع نہیں ہے، البتہ آپ کو اسی قسم کی ایک انوکھی حماقت دکھاتیں

ہمارے سامنے اپریل ۱۹۵۱ء کا "حقیقتِ اسلام" نامی ایک رسالہ ہے۔ جیسا کہ نام سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اس رسالے کا مقصد کچھ اسلامی باتیں شائع کرنا ہے، اس رسالے میں ایک مضمون "پرتوِ محمدی" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، جس کے لکھنے والے کوئی صاحب "میرزا اعزاز الدین انسپکٹر جنرل اسپیشل پولیس فورس حکومت پاکستان ہیں"۔ اس مضمون میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر شے میں "محمد" (صلّی اللہ علیہ وسلم) کا جلوہ

موجود ہے اور اُس کے ثابت کرنے کی صورت یہ ہے کہ انھوں نے گرونانک جی کے حوالے سے ایک حسابی فارمولا پیش کیا ہے اس کی رُو سے جس چیز کے نام کے اعداد نکال کر عمل کیا جائے تو آخر میں ہمیشہ ۹۲ کا عدد حاصل ہوگا۔ یہ لفظ "محمّد" کے اعداد ہیں۔ بس ان کے نزدیک اس بُنیاد پر یہ طے پاگیا کہ "ہر چیز میں محمّد کا جلوہ موجود ہے۔"

فارمولا یہ ہے:

کسی چیز کا نام لے لو۔ اُس کے اعداد نکال لو۔ ان اعداد کو چار سے ضرب کر دو، حاصل ضرب میں دو جوڑ دو۔ اور پھر مجموعے کو پانچ سے ضرب دے دو۔ اس حاصل ضرب کو بیس سے تقسیم کرو۔ جو کچھ باقی بچے اُس کو نَو سے ضرب دو اور حاصل ضرب میں دو جوڑ دو ہمیشہ ۹۲ کا عدد حاصل ہوگا۔

اس فارمولی کو بھی اچھی طرح ایک مثال سے سمجھ لیجیے۔ فرض کیجیے کہ آپ نے ایک لفظ لیا "ہوا" اس کے اعداد کا مجموعہ ۱۲ ہوتا ہے اب اگر اوپر بیان کیے ہوئے فارمولے کے مطابق عمل کیا جائے تو نتیجہ حسبِ ذیل ہوگا:

۱۲ × ۴ = ۴۸ ۔۔۔ ۲۵۰ ÷ ۲۰ ـــ باقی ۱۰

۴۸ + ۲ = ۵۰ ۔۔۔ ۱۰ × ۹ = ۹۰

۵۰ × ۵ = ۲۵۰ ۔۔۔ ۹۰ + ۲ = ۹۲

اسی طرح آگ، پانی، قلم، دوات، کاغذ، غرض یہ کہ دُنیا کی کسی چیز کے نام کے اعداد نکال کر یہ عمل کیجیے نتیجہ ہر صورت میں ۹۲ ہی ہوگا۔

اس فارمولی کو عجیب و غریب انداز میں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ترکیبِ بالا کی رُو سے ثابت ہوگیا کہ دُنیا وَ مافیہا میں کوئی شے بھی نورِ محمّدی سے خالی نہیں۔ حیرت ہے انسانی عقل پر کہ پھر کس کس حیلے بہانے اس رسولِ عربی کے قول و فعل کے اتباع سے بھاگتی ہے۔ اللہ اللہ سوچیے اور ذرا غور کیجیے کہ جب ہمارے ربِّ اکبر نے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اپنے محبوب پاک رسول امین رحمۃ للعالمین ختم المرسلین محمّد ابنِ عبداللہ کے پرتو میں ہر ممکن شے کو بنایا ہے تو اس جہان میں کس انسان کی ہمّت و قوّت ہے کہ ایسی پاک و جلیل القدر ہستی کی بات نہ مانے اور اُس کی ماہیت و قدرت

کو نہ پہچانے۔ اگر کسی کو ایسی گستاخی کی جرأت بھی ہو تو اُس کی گرفت دُور نہیں۔
عیاذاً باللہ۔ یہ ہے ماحصل اس ترکیب بتانے کا تاکہ اُمتِ نبویؐ کے سوا
اور دُنیا بھی جان جائے کہ اسلام دینِ مبین کا ہادیِ کل وجزو اور سب
کائنات پر حاوی ہے تاکہ بھٹکے ہوئے اگر اس کے بتائے راستے کو اختیار
کریں تو نجات پائیں اور صراطِ مستقیم پر رہیں۔"

اس کے بعد گرو نانک جی کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا ہے اور پھر اُن کے اس عجیب غریب" "انکشاف" کا واسطہ دے کر ان کے ماننے والوں سے "حلقہ بگوشِ اسلام" ہوجانے کی اپیل کی ہے۔

بڑا رنج ہوتا ہے ایسے "سمجھداروں" کو دیکھ کر۔ ان کے نزدیک حضرت محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت کرنے کے لیے کسی ایسے ہی عجوبے کا سہارا درکار ہے اور دوسروں تک اسلام کی دعوت پہنچانے اور اُنھیں "حلقہ بگوشِ اسلام" کرنے کے لیے ایسے ہی چٹکلوں کی ضرورت ہے ——— آئیے اب آپ کو بتائیں کہ اس حسابی چٹکلے کی حقیقت کیا ہے۔

آج کل کمیونسٹوں کا بڑا زور ہے۔ ان کے نزدیک دُنیا کی ساری خرابیوں کا علاج "روٹی" ہے۔ روٹی کے اعداد ہوتے ہیں ۶۱۶ وہ اس فارمولے کو اس طرح پیش کرسکتے ہیں
دُنیا کی کسی چیز کے نام کے اعداد کا مجموعہ لے لو۔ چار سے ضرب کرو، دو جوڑو،
پھر پانچ سے ضرب کرو، بیس سے تقسیم کرو، جو باقی بچے اُسے ۲۱ سے ضرب دو اور چھ
جوڑدو ——— ہمیشہ روٹی کے اعداد حاصل ہوں گے ———

اور بس اتنی سی بات کہہ کر وہ "روٹی" کی شان میں ایک وعظ کہنا شروع کردیں۔
اور یہ سمجھیں کہ اُنھوں نے اپنی تحریک کے ثبوت میں ایسی بات پیش کردی کہ اب اس کے بعد ہر عاقل بالغ کو "حلقہ بگوشِ روٹی" ہوجانا چاہیے تو آپ کیا کریں گے ——— لیجیے آپ کی تفریح کے لیے ہم کئی فارمولے پیش کیے دیتے ہیں:

روٹی کا فارمولا

[{ (دُنیا کی کسی چیز کے نام کے اعداد × ۴ + ۲) × ۵ } ÷ ۲۰] باقی × ۲۵ + ۶

پہلا فارمولا: [{(دُنیا کی کسی چیز کے نام کے اعداد × ۴ + ۱۰) × ۵} ÷ ۲۰] ——— باقی × ۲۵

دوسرا فارمولا: [{(دُنیا کی کسی چیز کے نام کے اعداد × ۴ + ۲) × ۵} ÷ ۲۰] ——— باقی × ۱۲ + ۳

اسی طرح آپ ذرا خود کوشش کیجیے دُنیا کی ہر چیز کا فارمولا تیار ہوجائے گا۔ اور ایک ہی فارمولا نہیں اس طرح کے قسم قسم کے حسابی کھیل دُنیا کی ہر چیز کے نام کے لیے تیار ہوسکتے ہیں ——— اب بھلا سوچو تو سہی جو پڑھے لکھے مضمون نگار اور رسالوں کے پڑھے لکھے اڈیٹر ایسی "حماقتوں" کو پھیلایا کرتے ہیں اور معمولی لکھے پڑھے لوگوں کے سامنے ایسی مہمل باتیں پیش کیا کرتے ہیں کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ واقعی اللہ کا پیام پہنچانے کی جو ذمّے داری ان پر تھی وہ پُوری ہوگئی اور اگر کوئی شخص محض ان کی حماقت سے مرعوب ہوکر آج ایک بات کا یقین کرلیتا ہے تو کل جب اس کو معلوم ہوجائے گا کہ ان کی بات محض ایک فریب تھی تو اس پر کیا اثر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول بناکر بھیجا۔ آپ نے دُنیا کے سامنے ہدایت کی جو روشنی پیش کی وہ آج بھی سمجھ رکھنے والوں کے لیے دُنیا کی تمام مُشکلات کا واحد حل ہے۔ خالص عقل کی روشنی میں ہر شخص یہ دیکھ سکتا ہے کہ زندگی کا جو نظام آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس پہلے پیش کیا گیا تھا وہی ایسا نظام ہے جو آج انسانوں کی تمام اُلجھنوں کو صحیح طریقے سے دُور کرسکتا ہے۔ مسلمان اسی بات کے دعوے دار ہیں' ان کا فرض ہے کہ پہلے وہ خود اپنی پُوری زندگی کو اسلام کا نمونہ بناکر پیش کریں اور دُنیا کو دکھادیں کہ وہ اپنی زندگی کے لیے جس "آبِ حیات" کو تلاش کررہی ہے وہ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے چشمۂ ہدایت (قرآن) سے ہی مل سکتا ہے۔

میرزا اعزاز الدین صاحب پاکستانی حکومت کے ایک ذمّے دار رُکن ہیں پاکستان بنانے والوں کا دعوےٰ تھا کہ وہ مسلمانوں کی حکومت اس لیے چاہتے ہیں تاکہ وہ اس

ملک میں اسلام کو پیش کرسکیں۔

میرزا صاحب کا فرض تھا کہ وہ سکھوں کے سامنے اس چٹکلے کو پیش کرکے اسلام کی دعوت دینے کے بدلے اپنی حکومت پر زور ڈالتے کہ وہ جلد سے جلد اسلامی اصولوں پر ایک مثالی اسلامی حکومت قایم کریں' تاکہ دُنیا خود دیکھ لے کہ اسلامی حکومت کیسی ہوتی ہے اور آج کی دُنیا میں وہ انسانوں کے تمام مسائل کوکس طرح حل کرتی ہے ـــــــ مگر افسوس تو یہی ہے کہ "نبی کا جلوہ ہر چیز میں دیکھنے والے" بہت سے لوگ ایسے ہیں جو خود نبی کے لائے ہوئے نظام پر پُورا پُورا ایمان نہیں رکھتے۔ خدا نہ کرے میرزا صاحب بھی اسی مرض کا شکار ہوں' ہم تو نیک گمانی کا سہارا لیتے ہوئے یہی خیال کرتے ہیں کہ شاید میرزا صاحب حساب میں بہت کچے رہے ہوں گے اور ان بے چاروں کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ کیا واقعی گرونانک صاحب کی بات کوئی عجوبہ ہے' یا محض حساب جاننے والے لڑکوں کا کھیل ہے +

ایک خبر

آپ نے کتاب "خطبات" دیکھی ہوگی' وہی کتاب جس میں دین کی باتوں کو ایسے خطبوں میں جمع کر دیا گیا ہے جیسے اکثر جمعہ کے دن مسجدوں میں پڑھا جاتا ہے۔ یہ کتاب کوئی دس سال سے چھپ رہی ہے۔ اس مرتبہ اس کو لکھنؤ میں چھپوایا جا رہا تھا۔ جب اس کی جلد بندی ہو رہی تھی تو کوئی ایک مہینہ ہوا پولیس نے چھاپہ مار کر اُسے اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ اب اس سلسلے میں تازہ کارروائی یہ ہوئی ہے کہ جن جن لوگوں کو اس کتاب کے چھاپنے سے تعلق تھا پولیس نے ان کا وارنٹ گرفتاری جاری کر دیا۔ اب یہ لوگ ساڑھے سات ہزار فی کس کی ضمانت اور مچلکے پر رہا ہیں۔ اور مقدمے کی کارروائی کے منتظر ـــــــ ان ہی لوگوں میں سے ایک آپ کے رسالہ الحسنات کے مدیر بھی ہیں۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ الحسنات کی اشاعت اب آئندہ ایسی پابندیٔ وقت سے نہ ہو پائے جیسی اب تک ہوتی رہی ہے ـــــ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ سب ساتھیوں کو اس آزمائش میں کامیاب فرمائے اور ہر موقعہ پر ان کا طرزِ عمل ویسا ہی رہے جو اس کی رضا کا موجب ہو۔ خدا کرے یہ آزمائش نتیجے کے طور پر ان کے حق میں باعثِ رحمت ہو ـــــ "منیجر"

ان الحسنات یذہبن السیئات

الحسنات
رامپور

نو عمر لڑکوں لڑکیوں کے لئے

جلد ۹ — نمبر ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہینے میں دو بار شائع ہونے والا

رسالۂ

الحسنات

رام پور

جون اوّل ۱۹۵۰ء

جو مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے بہت مفید ثابت ہوا ہے

مدیر: ابو سلیم محمد عبدالحی

چندہ: سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے تین روپے
فی کاپی ـــــ چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبدالحی طابع و ناشر نے مرتضیٰ برقی پریس میں چھپا کر دفتر الحسنات رام پور (یو-پی) سے شائع کیا

احساسات

فرض کیجیے آپ ایک بات کہتے ہیں' ایسی بات جو دوسرے نہیں کہتے' ایسی بات جو دوسرے پسند نہیں کرتے۔ اب چاہے آپ کی بات اچھی ہو یا بُری' سچی ہو یا جھوٹی آپ کے سامنے ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ لوگوں کی مخالفت یا سُننے والوں کی ناپسندیدگی آپ کو مجبور کرے گی کہ آپ اپنی بات بدل دیں۔ جو لوگ غلط باتیں کہتے ہیں اور غلط راستوں پر لوگوں کو بُلاتے ہیں ان کا رویہ ایسی مخالفت کے وقت کیا ہوتا ہے اس سے ہم بحث نہیں کریں گے ہاں جو لوگ حق بات کہتے ہیں اور سچائی کی طرف لوگوں کو بُلاتے ہیں ان کے سامنے جب یہ کٹھن گھڑی آتی ہے تو ان کا رویہ کیسا ہونا چاہیے' اس بارے میں ہم آج کچھ باتیں آپ سے کہنا چاہتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہے اس ساری کائنات کی سب سے بڑی صداقت کیا ہے؟ وہ کون سی بات ہے جو سب باتوں سے زیادہ سچی ہے؟ ——— سب سے زیادہ سچی بات یہ ہے کہ:

اس پوری کائنات کا پیدا کرنے والا' مالک' حاکم اور منتظم صرف اللہ ہے۔ وہ اکیلا ہے' اُس کے اختیارات اور حقوق میں کوئی اُس کا شریک نہیں ——— صرف وہی اس لائق ہے کہ اُس کا حکم مانا جائے ——— صرف اُسی کا بھیجا ہوا قانون اس قابل ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے ——— اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ آپ اللہ کے بندوں کے لیے اللہ کی آخری ہدایت لائے ہیں اور اب یہی ہدایت سب انسانوں کے لیے نجات کا ذریعہ ہے۔ یہی بات ہے جو مختصر طور پر کلمۂ طیبہ میں سمیٹ کر کہہ دی گئی ہے۔ یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

کہتا ہے وہ درحقیقت اسی سچی بات کا اقرار کرتا ہے۔

یہ سچی بات جب بھی دُنیا کے سامنے آئی اس کی مخالفت کی گئی۔ ہر اس شخص نے جس پر اس بات کی زَد پڑتی تھی اس کی مخالفت کی۔ قرآن پاک میں ایسی مخالفتوں کے واقعات اکثر بیان ہوئے ہیں۔ باپ دادا کے رسم و رواج کے شیدائیوں نے، قومی بزرگوں کے پُجاریوں نے، گدی نشینوں نے، بادشاہوں نے، جھوٹے مالکوں نے، خودغرض حاکموں نے غرض یہ کہ شیطان کے اُن تمام ایجنٹوں نے اس بات کی مخالفت کی جن پر کسی نہ کسی طرح سے اس سچی بات کی زَد پڑتی تھی ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب یہی سچی بات لوگوں کو سُنائی تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو قریب قریب ان سب مُشکلوں کا سامنا کرنا پڑا جو آپ سے پہلے آنے والے رسولوں کو پیش آئی تھیں۔

آج دُنیا میں کلمۂ طیبہ پڑھنے والے چالیس کروڑ کے لگ بھگ ہیں۔ لیکن ان میں سے بہت ہی کم ایسے ہوں گے جنھیں اس سچی بات کہنے کی وجہ سے کوئی مُشکل پیش آرہی ہو ——— آج دُنیا میں مسلمانوں کی مُشکلات بہت ہیں۔ وہ کہیں کہیں تو سخت مصیبتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ لیکن ان مصیبتوں کے اسباب کچھ اور ہیں۔ کہیں وطن اور گروہوں کے پیچھے ان کو مصیبتیں اُٹھانا پڑ رہی ہیں کہیں قومیت کی بُنیاد پر انھیں کش مکش کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ایسا بہت ہی کم ہے کہ ان کلمہ پڑھنے والوں کی مخالفت صرف کلمہ کی بُنیاد پر ہورہی ہو۔ اور ان پر مصیبتیں اس لیے آرہی ہوں کہ یہ اللہ کو اپنا حاکم اور اُس کے قانون کو اپنے لیے ہدایت تسلیم کرنا چاہتے ہوں لیکن دوسرے انھیں ایسا کرنے سے روکتے ہوں۔

یہ سوال بہت اہم ہے ——— دُنیا آج کلمۂ طیبہ کا پیام سُنانے والوں کی مخالفت اس طرح کیوں نہیں کرتی جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ انبیا علیہم السلام کے زمانے میں ہمیشہ کیا کرتی تھی؟ بات یہ ہے کہ کلمہ سُنانے والوں کی زبان پر صرف کلمہ کے الفاظ رہ گئے ہیں۔ ان میں سے بہت کم لوگ ایسے ہیں جو یہ جانتے ہیں

کہ انھوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کہہ کر کس بات کا اقرار کر دیا اور کس بات کا اعلان۔ اور پھر جو لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے بھی ہیں ان میں بھی بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کی زندگی پر اس جاننے کا اثر پڑتا ہو ــــــــ مثلاً وہ یہ جانتے ہیں کہ انھوں نے اللہ کو ہی اپنا خالق اور مالک تسلیم کیا ہے لیکن دُنیا میں مالکیت کے جو جھوٹے دعوے دار ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں وہ ان سے بھی ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ وہ ناراض نہیں ہونے پاتے۔ اسی طرح اگرچہ وہ جانتے ہیں کہ حاکمیت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور وہ اس بات کو مان بھی لیتے ہیں لیکن دُنیا میں ان کا "رکھ رکھاؤ" کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ حاکمیت کے جھوٹے مدعیوں کو ان سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہونے پاتی ــــــــ یہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ اپنا پیشوا تسلیم کر لیتے ہیں لیکن زندگی کچھ اس طرح گزارتے رہتے ہیں کہ دوسرے جھوٹے پیشوا کبھی ان کے آڑے نہیں آتے بلکہ ان کا رویہ دیکھ کر وہ بھی سمجھتے رہتے ہیں کہ یہ لوگ انھیں کے پیرو ہیں۔

یہ دورنگی اس وقت تک نبھتی رہتی ہے جب تک کلمہ پڑھنے والے اپنے آپ کو زمانے کے ہر سانچے میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں، وقت کے ساتھ خود بھی بدلتے رہتے ہیں، ہر دباؤ کے مقابلے میں لچک کا ثبوت دیتے ہیں اور ہر تقاضے کو پورا کرنے کے لیے کچھ حیلے بہانے ڈھونڈھتے چلے جاتے ہیں۔ جدھر کی ہوا ہوتی ہے اُسی طرف چل پڑتے ہیں، بہاؤ کے رُخ پر اپنی ناؤ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ خدا کی تابعداری کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں، لیکن بہت سی تابعداریوں کو پورا کرتے رہتے ہیں۔ ایک خدا کو مانتے رہتے ہیں مگر بہت سے "خداؤں" کی رضامندی کا انتظام کر رکھتے ہیں ــــــــ ایسے "رواداروں" اور "صلح پسندوں" کی راہ ان مشکلوں سے خالی ہوتی ہے جو کلمہ پڑھنے والوں کو ہر زمانے میں پیش آتی رہی ہیں۔

دُنیا کا مزاج بدل نہیں گیا ہے۔ جھوٹے "خداؤں" کی تعداد گھٹی نہیں ہے۔ بلکہ ان کا رنگ بدلنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

وطن، تہذیب، کلچر، زبان، رسم و رواج، کھانے کے طور طریقے، رہن سہن کے مخصوص ڈھنگ، قومیت، نسلی غرور، فرقہ واریت، طبقات کی تقسیم، جمہوریت، اشتراکیت غرض یہ کہ سیکڑوں تقاضے آج انسان کے سامنے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی جائز حدوں سے بڑھ کر ان حدوں میں داخل ہونا چاہتا ہے جو صرف اللہ کے لیے خاص رہنا چاہییں۔ اب جو شخص بھی یہ کوشش کرے گا کہ وہ صرف اللہ کی اطاعت کا حق ادا کرے اور اس کے علاوہ اپنی زندگی کو ہر دوسری اطاعت سے پاک کرلے اس کو آج بھی کشمکش میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ ویسی ہی کشمکش جیسی آج سے پہلے حق بات کہنے والوں کو پیش آیا کی ہے۔

جن اللہ کے بندوں نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ کلمۂ طیبہ کے اعلان کا ٹھیک ٹھیک مطلب کیا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا خدا مان لینے سے کن کن راہوں سے قدم ہٹانا پڑتا ہے۔ ان کو آج بھی قدم قدم پر مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے، انھوں نے "غیر خدا" سے جس قدر اپنا تعلق کم کیا ہے ان کی مشکلات اتنی ہی زیادہ ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے مشکل حالات میں اپنی راہ پر قایم رہنے کے لیے چند ضروری باتیں مفید ہوں گی۔ یہ اُن ہدایتوں کا نچوڑ ہے جو ناموافق حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے بزرگ ساتھیوں (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو دی تھیں۔

چاہے حالات کیسے ہی ہوں،
مصائب و شدائد کتنے ہی سخت ہوں،
آپ جمے رہیں، اس بات پر جمے رہیں جس کا آپ کو حکم دیا جا چکا ہے۔
آپ بھی جمے رہیں اور آپ کے ساتھ وہ لوگ بھی جو اپنی پرانی روش سے پلٹ آئے ہیں اور آپ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرچکے ہیں۔
اس راہ سے ہٹنا سرکشی ہے،
سرکشی سے بچیے،
دیکھیے ــــ آپ کا مالک سب کچھ جانتا ہے،

اسے سب خبر ہے کہ آپ کیا کر رہے ہیں"
آپ کو تو اُس کی خوشنودی مطلوب ہے
وہ دیکھ رہا ہے ــــــــ وہ جانتا ہے۔
آپ کیا کر رہے ہیں ۔

حالات کو سازگار بنانے کے لیے'
مصیبتوں کو وقتی طور پر ٹالنے کے لیے'
تم ان لوگوں کی طرف ہرگز نہ جھکو'
اُن لوگوں کی طرف جنھوں نے اپنے مالک سے سرکشی کی ۔
اُن لوگوں کی طرف جنھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے'
حق سے ہٹ کر مصالحت کرلینے سے'
اپنے اصولوں کو چھوڑ کر ان کی طرف جھک پڑنے سے'
تمھیں بھی عذاب کا مزہ چکھنا پڑے گا' ــــــــ اور پھر'
اس طرح جھکنے سے ــــــــ اس طرح مصالحت کرلینے سے'
کوئی فائدہ نہ ہوگا'
مشکلات دُور نہ ہوں گی ــــــــ کیونکہ'
اللہ کے سوا کون ہے جو تمھارا رفیق بن سکے ؟
اللہ کے سوا کون ہے جو تمھاری مدد کرسکے ؟

ہاں۔تسلی کے لیے ــــــــ
راہِ حق پر قایم رہنے کے لیے'
نماز قایم کرو ــــــــ نماز !!
دن شروع ہونے وقت ــــــــ اور ختم ہونے وقت
ــــــــ نیز رات کے ابتدائی حصّے میں'
مشکل حالات میں یہی سب سے بڑا سہارا ہے'

اور دیکھو ـــــ اس حقیقت کو جان لو ـــــ کہ
"بھلائیاں بُرائیوں کو دُور کر دیتی ہیں"
اگر بھلائیاں قایم ہونے لگیں'
اگر بھلائیاں خالص شکل میں سامنے آ جائیں'
تو پھر ـــــ بُرائیاں ہٹ جاتی ہیں'
بُرائیوں کو جگہ خالی ہی کرنا پڑتی ہے'
بُرائیاں صرف اُس وقت تک ٹِکتی ہیں'
جب تک بھلائیاں میدان میں نہ آئیں'
بُرائیوں کو دُور کرنا ہو تو ـــــ بھلائیوں کو میدان میں آنے دو'
اندھیرا دُور کرنا چاہتے ہو ـــــ تو روشنی کو سامنے لاؤ'
یہ بہت بڑی بات ہے ـــــ بہت بڑی'
اس میں بہت بڑی نصیحت ہے ـــــ
ان لوگوں کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہیں۔

"بُرائیوں کا مِٹ جانا" تمھارا اجر نہیں ہے'
"دُنیا میں نیکی کا غلبہ ہو جانا" تمھارا انعام نہیں ہے'
تمھارا اجر ـــ تمھارا انعام تو اللہ کے پاس ہے'
وہ نیکوں کو ضرور بدلہ دے گا ـــــ بھلا بدلہ'
اسی لیے اگر تمھارے مٹائے بُرائی نہ مٹے'
تمھاری کوششیں کامیاب ہوتی نظر نہ آئیں'
تو ہمت مت ہارو ـــ غصہ مت کرو ـــ جلد بازی سے کام نہ لو'
بلکہ ـــــ صبر کرو! ـــــ صبر!!

اب سے پہلے بہت سی قومیں ہلاک ہوئی ہیں'
بہت سی قوموں کا عروج زوال سے بدلا ہے'

مگر ایسا کب ہوا؟ ــــــ اور کیوں ہوا!
ــــــ صرف اس وقت'
اس وقت جب کہ ان میں بُرائیوں سے روکنے والے موجو
ان کو بھلائی کا راستہ دکھانے والے بالکل ختم ہو گئے۔
فساد کرنے والوں کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہ رہا'
قوم نے بُرے لوگوں کو ــ شرارت کرنے والوں کو ــ
اور فساد کرنے والوں کو اپنے اندر خوشی خوشی برداشت
لوگ عیش و آرام میں مست ہو گئے'
لذّتوں اور آسائشوں میں بالکل کھو گئے'
مجرموں کی رسّی ڈھیلی چھوڑ دی گئی'
فسادی کھلے بندوں فساد کرنے لگے'
بُرائیاں کھلّم کھُلّا ہونے لگیں'
اُس وقت ــــــ اس وقت تمھارے رب نے ان مجرمو
سب مجرموں کو ــــــ لیکن ہاں!
وہ لوگ بچا لیے گئے جو نیکی کی راہ دکھاتے تھے ــــــ
جو خود بھی نیکوکار تھے ــــــ اگرچہ وہ بہت تھوڑے تھے
تمھارے رب کی پکڑ ایسے ہی وقت آتی ہے ــــــ وہ ظالم
اُس کا عذاب اُن بستیوں پر نہیں آتا جن کے بسنے والے اصلاح کر
ــــــ بھلے لوگوں کو برداشت کرتے ہوں'
ــــــ نیکیوں کے پھیلانے میں مدد دیتے ہوں ــــــ او
ــــــ اللہ کی وفاداری اور اطاعت قبول کرنے کے لیے

جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں'
جو لوگ اس سب سے زیادہ سچی بات پر کان نہیں دھرتے'
آپ اُنھیں سُنا دیجیے ــــــ کھول کھول کر سُنا دیجیے'

کہ اگر تم ہماری بات نہیں سنتے،
اگر تم اس سب سے بڑی صداقت کو ٹھکرانا ہی چاہتے ہو،
اگر تم اپنے طریقوں پر ہی جمے رہنا چاہتے ہو —— تو سہی!
اپنی روش پر جمے رہو —— اپنی راہ پر ہی چلتے رہو،
ہم اپنے طریقے پر کام کیے جائیں گے،
ہم اپنی راہ پر ڈٹے رہیں گے۔
اور انتظار کرتے رہیں گے —— اُس وقت کا،
اُس وقت کا انتظار —— جب حقیقت سامنے آجائے گی،
اور تم اپنی غلط روش کا نتیجہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے،
تمھیں خود معلوم ہوجائے گا کہ اس کائنات کے
مالک سے بغاوت کا کیا انجام ہوتا ہے،
وہ مالک زمین اور آسمان کی سب چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے،
اُسے خوب معلوم ہے کہ تم کیا کر رہے ہو،
سارے معاملات آخرکار اُسی کی طرف پھیرے جاتے ہیں،
وہی سب کا انتظام کرتا ہے، اور اُسی کے کیے سب کچھ ہوتا ہے۔

دُنیا اگر ساری کی ساری مخالف ہوجائے،
اس زمین پر کوئی بھی تمھاری بات سُننے کے لیے تیار نہ ہو،
جب بھی —— تمھارا کام یہی ہے کہ تم
اسی کی وفاداری کا دم بھرو —— اسی کی اطاعت میں لگے رہو،
اور اُسی پر پُورا پُورا بھروسہ رکھو،
وہی تمھارے کام بنائے گا،
وہی تمھاری مشکلیں آسان کرے گا،
وہ تمھارے کاموں سے غافل نہیں ہے،
اُسے سب معلوم ہے کہ تم کیا کررہے ہو،

ہاں تم بظاہر کامیاب ہو جاؤ یا ناکام
ایک دن تو آخر سارا معاملہ اسی کے سامنے پیش ہوگا
اور وہ بہر حال تمہیں تمہارے کاموں کا بدلہ دے گا
اچھا اور بہتر بدلہ +

(سورۂ ہود کے آخری رکوع کی چند آیات کی روشنی میں)

اللہ ہی ہے — اچھی باتیں

(جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدرؔ)

قدرت والا حکمت والا
طاقت والا قوّت والا اچھی باتیں بچّو سن لو
رحمت والا شفقت والا رب کو جانو رب کو پوجو
اللہ ہی ہے حق سے ہی تم رشتہ جوڑو
اللہ ہی ہے باطل سے تم ناتا توڑو
سب سے اعلیٰ سب سے بالا رب کی باتیں سب سے بولو
سب سے دانا سب سے توانا اچھی باتیں
اللہ ہی ہے بچّو سن لو
اللہ ہی ہے رستہ سیدھا سب کو دکھانا
عزّت والا سطوت والا راہِ حق پر قائم رہنا
شوکت والا عظمت والا بُت خانے سب ڈھا کے رہنا
اللہ ہی ہے حیدرؔ کی تم نظمیں گانا
اللہ ہی ہے باطل سے تم ہرگز دبنا
سارے جگ کا پالن ہارا اچھی باتیں
راجا پرجا کا رکھوالا بچّو سن لو
سب کا مولیٰ سب کا آقا
اللہ ہی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ○ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ○ قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ ۖ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ○

(سورۂ ہود۔ رکوع ۷)

اُنھوں نے جواب دیا "تجھے تو معلوم ہی ہے کہ تیری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حصّہ نہیں ہے۔ اور یہ تو بھی جانتا ہے کہ ہم چاہتے کیا ہیں۔ لوط نے کہا "کاش میرے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ تمھیں سیدھا کر دیتا' یا کوئی مضبوط سہارا ہی ہوتا کہ اُس کی پناہ لیتا۔" تب فرشتوں نے اُس سے کہا "اے لوط! ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے بس تو کچھ رات رہے اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل جا۔ اور دیکھو تم میں سے کوئی شخص پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے۔ مگر تیری بیوی (ساتھ نہیں جائے گی) کیونکہ اس پر بھی وہی گزرنے والا ہے جو ان لوگوں پر گزرنا ہے۔ ان کی تباہی کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے ــــــ صبح ہوتے اب دیر ہی کتنی ہے! (تفہیم القرآن)

تشریح

(۱) لوط علیہ السلام کی قوم جن گندی باتوں میں پھنسی ہوئی تھی اس کا حال آپ اس سے پہلے پڑھ چکے۔ حضرت لوطؑ نے انھیں متوجہ کیا تھا کہ وہ قوم کی عورتوں سے نکاح کریں، لیکن ان کا جواب دیکھیے! وہ اس قدر بے حیا ہو چکے تھے کہ انھوں نے اللہ کے نبی سے صاف کہہ دیا کہ قوم کی جن عورتوں کو آپ اپنی بیٹیاں بتا رہے ہیں اُن سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔

گناہ کا ایک درجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان نفس کی خواہش یا غفلت کی وجہ سے انجام سے بے پرواہ ہو کر کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے۔ لیکن اسے یہ خیال رہتا ہے کہ وہ گناہ کر رہا ہے۔ جب اس کی غفلت دُور ہوتی ہے تو وہ پشیمان ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو یہ ہمت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے کرتوتوں کو کھلم کھلا لوگوں کے سامنے بیان کرتا پھرے۔ اس قسم کے آدمی کے بارے میں اصلاح کی اُمید باقی رہتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت اس پر شرمندگی اور افسوس غالب آجائے اور وہ سیدھی راہ اختیار کرلے ـــــــ لیکن وہ شخص جو گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھے، جو گناہ کو ٹھیک جانے اور اُس کے اظہار اور اعلان میں کوئی شرم محسوس نہ کرے بلکہ اُلٹا اپنے گناہ پر فخر کرنے لگے۔ ایسے شخص کی اصلاح کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی۔ ایسے شخص کا شمار پھر انسانوں میں نہیں رہتا۔ اسے تو گندگی کا کیڑا سمجھنا چاہیے۔ جس کے لیے ضروری ہے کہ اسے جلد سے جلد فنا کر دیا جائے ـــــــ اللہ تعالیٰ بھی اپنی زمین کو ایسے "گندے کیڑوں" سے برابر پاک فرماتا رہتا ہے، اور جب کبھی انسانوں کا کوئی گروہ مجموعی طور پر ناقابلِ اصلاح ہو جاتا ہے اور یہ اُمید باقی نہیں رہتی کہ وہ کبھی سُدھر بھی سکتا ہے تو پھر اسے مزید مہلت نہیں دی جاتی، اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

۲۔ حضرت لوط علیہ السلام کو قوم سے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ لیا، اور اُن کے

جواب میں قوم کا جواب بھی سن لیا۔ اس وقت آپ پریشان ہوئے اور آپ کو یہ محسوس ہوا کہ اب اس قوم کو نصیحت کوئی فائدہ نہ دے گی اس کے لیے تو "عصاب جوتنے"[1] کی ضرورت ہے۔ یہ قوم اب سختی اور طاقت سے ہی سیدھی ہو سکتی ہے ——— لیکن آپ کے پاس کوئی ایسی طاقت نہ تھی، انھیں کا غلبہ تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے ساتھی تھوڑے اور کمزور تھے ——— ٹھیک اس وقت ان "مہمانوں" نے اپنا صحیح تعارف کرایا۔ انھوں نے حضرت لوطؑ کو دلاسا دیا اور کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں، ہم تو آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، جو ان مجرموں کے لیے ان کی آخری تباہی کا سامان لے کر بھیجے گئے ہیں۔ یہ آپ کا یا ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اور آپ دیکھیں کہ اب ان کے اعمال انھیں کیسی سخت تباہی سے دوچار کرتے ہیں۔

۳۔ عذاب نازل ہونے سے پہلے فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو خبردار کر دیا کہ آپ راتوں رات اپنے ساتھیوں اور اپنے گھر والوں کو لے کر اس علاقے سے دور نکل جائیں جہاں صبح کو اللہ کا عذاب آنے والا تھا۔ فرشتوں نے یہ تاکید کر دی کہ یہ جانے والے لوگ پیچھے پلٹ کر نہ دیکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ اپنی چھوڑی ہوئی بستی کو لوٹ لوٹ کر دیکھنے میں لگے رہیں یا ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو جائے کہ "دیکھیں قوم پر عذاب کس طرح نازل ہوتا ہے؟" اور اس طرح ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ صبح ہونے سے پہلے اس علاقے سے باہر نہ ہو سکیں جس پر عذاب نازل ہونا طے پا چکا ہے اور یہ خود عذاب کا شکار ہو جائیں۔ اس لیے بغیر پیچھے دیکھے ہوئے اور بغیر اس کا دھیان کیے ہوئے کہ پیچھے کیا ہو رہا ہے یہ لوگ جلد سے جلد عذاب والے علاقے سے باہر ہو جائیں۔

۴۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی غالباً اسی قوم کی بیٹی تھی جس پر عذاب نازل ہو رہا تھا۔ یہ عورت اپنے کافر رشتے داروں کے ہی طریقے پر رہی اور آخر وقت تک اس نے ان سرکشوں کا ساتھ نہ چھوڑنا چاہا۔ اسی لیے جب حضرت لوطؑ کو اور آپ کے ایمان دار ساتھیوں کو ہجرت کا حکم ملا تو یہ ہدایت کر دی گئی کہ

[1] عصا [illegible] جیسا کہ ٹیڑھی لکڑی کو سیدھا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

اس عورت کو ساتھ نہ لیا جائے — [illegible]
بیوی بھی اس عذاب سے نہیں بچائی جا سکی جو بدکاروں کے لیے مقرر کیا جا چکا تھا
حالانکہ ایک عورت کو نبی کی خاطر اگر بچا لیا جاتا تو کیا حرج تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا
انصاف اور اُس کا قانون بالکل بے لاگ ہے۔ اس کے نزدیک اعمال کے لحاظ سے
انسان دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، ایک فرماں بردار اور دوسرے باغی، ایک
مسلم اور دوسرے کافر، اس کی رحمتیں صرف پہلے گروہ کے لیے ہیں اور اُس کا
عذاب دوسرے کے لیے، اُس کے یہاں رشتے داری، خاندان اور نسل کی بنیاد پر کوئی
رُو رعایت نہیں ہوتی جو جیسا کرے گا بھگتے گا۔

قرآن کریم میں ایسے واقعات کا ذکر خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے آپ
حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا حال پڑھ چکے ہیں، اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اُس
کو بھی نبی کا بیٹا ہونے نے کوئی کام نہ دیا۔ اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو
کسی نبی کی بیوی ہونے نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ ان واقعات کو بیان کر کے لوگوں کو یہ
بتایا جاتا ہے کہ نسل اور خاندان پر بھروسہ کرنا یا کسی بزرگ کے بخشوا لینے کی اُمید پر اللہ کی
نافرمانی کرتے رہنا ہرگز درست نہیں ہے۔ جب تک ایمان اور اللہ تعالیٰ کی پوری پوری
اطاعت اور تابعداری نہ ہوگی کچھ کام نہ بنے گا — ایمان اور اسلام کے بعد
بھی انسان سے کچھ نہ کچھ خطائیں ہوتی ہی رہتی ہیں، بھول چوک سے، یا غفلت کی وجہ سے
کوئی نہ کوئی گناہ ہو ہی جاتا ہے ایسے لوگ اگر توبہ کریں اور اپنی غلط روش سے
پلٹ آئیں تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا رحیم اور کریم پائیں گے۔ ایسے لوگوں کے
حق میں اللہ تعالیٰ جس کسی کی چاہے گا سفارش بھی قبول فرمالے گا۔ رہ گئے اللہ کے
باغی اور اُس کے عادی مجرم تو نہ کوئی ان کی سفارش کر سکے گا اور نہ انھیں اللہ
کی پکڑ سے بچا سکے گا — جانتے بوجھتے اللہ کی نافرمانی کرتے رہنا اور بات
ہے اور اتفاقی طور پر کوئی خطا ہو جانا دوسری بات ہے۔
(اس قوم پر عذاب کی تفصیلات آپ ان شاء اللہ آئندہ [illegible])

ایک شخص عالم ربانیؒ و روحانی کے پاس حاضر ہوا، اور عرض کیا۔ یا حضرت میں نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا ہے مجھے آپ کوئی نصیحت فرمایئے۔ کہ میں اُس کو اپنا پیشوا بناؤں۔

عالم ربانی نے فرمایا "کہ اگر تو میری نصیحت قبول کرے، تو میں تجھے چھ خصلتیں بتاتا ہوں، کہ پھر تو جو کچھ کرے گا تجھے نقصان نہ دے گا:

۱۔ جب تو گناہ کرے تو اُسؐ کی روزی مت کھا۔ اُس نے کہا روزی دینے والا تو وہی ہے پھر میں کہاں سے کھاؤں۔ فرمایا یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اُسی کی روزی کھاتا رہے اور اُسی کی نافرمانی کرے۔

۲۔ اگر گناہ (نافرمانی) کرنا ہے، تو اُس کے ملک سے نکل کر کر۔ اُس نے کہا کہ مشرق سے لے کر مغرب تک خدا کے ملک ہیں میں کہاں جاؤں، آپ نے فرمایا کہ یہ خوب نہیں کہ اُسی کے ملک میں رہے اور اُسی سے بغاوت کرے۔

۳۔ جب تو گناہ کرنا چاہے، تو ایسی جگہ میں جا کر کر کہ وہ تجھے نہ دیکھے۔ اُس نے کہا۔ وہ تو چھپے بھیدوں کا جاننے والا ہے اور دلوں کے رازوں پر واقف ہے، اور ذرہ بھی اُس سے چھپا نہیں۔ حضور نے فرمایا کہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ کہ اُسی کی روزی کھائے، اُسی کے ملک میں رہے اور اُسی کے سامنے گناہ کرے۔

۴۔ جب ملک الموت تیری جان قبض کرنے آئیں، تو تو اُن سے کہہ کہ آپ مجھے مہلت دیجئے کہ میں توبہ کر لوں، اُس نے کہا: کہ وہ ہرگز یہ میرا کہنا نہ سُنیں گے، حضرت نے فرمایا کہ جب تجھ میں یہ قدرت نہیں کہ ملک الموت کو روک سکے، اور موت سے پہلے توبہ کر سکے، تو تجھے لازم ہے کہ اس وقت کو غنیمت جان۔

۵۔ جب منکر و نکیر تیرے پاس بغرض امتحان آئیں تو تو دونوں کو اپنے پاس سے دُور کر دینا۔ اُس نے کہا کہ اُن کے مقابلے کا [illegible] یارا کہاں ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا: تو لازم ہے اُن کو جواب دینے کے لیے تیار رہ۔

۶۔ جب [illegible] حکم کرے گنہگاروں کو دوزخ میں لے جاؤ، تو تو اَڑ بیٹھنا کہ میں تو نہیں جاؤں گا۔ اُس نے [illegible] نہ چل سکے۔ آپ نے فرمایا۔ تو پھر لازم ہے کہ تو گناہ نہ کرے۔

[illegible]

جناب نصرت پرچمی

بھُول

ظفر نے کچھ پیسے چپکے سے اپنی جیب میں رکھے اور باقی پیسے اپنی امی جان
سودے کے ساتھ دے دیئے۔ لیکن ظفر کی امی نے اُس کو جیب میں پیسے ڈالتے
ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ظفر ابھی باہر جانے کے لیے مُڑا ہی تھا کہ اُس کی امی نے اُ
سے پوچھا: "یہ تمھاری جیب میں پیسے کیسے ہیں؟" ——— ظفر نے فوراً جواب دیا: "میر
ہیں اور کیسے؟" ——— امی نے پھر دریافت کیا: "کیا یہ تمھارے ابا جان نے دیئے ہیں؟" ——
ظفر نے نفی میں سر ہلا دیا ——— امی نے ذرا سختی سے پوچھا: "پھر یہ پیسے تمھارے پاس کہاں
سے آ گئے؟ میں نے تو تم کو دیئے نہیں تھے۔" "کوئی چوری تو نہیں کی ہے، مل گئے
تو لے لیے۔" ظفر نے ذرا مسکین صورت بناتے ہوئے جواب دیا۔ "وہی تو میں پوچھ رہی
ہوں کہ آخر یہ پیسے تم کو کہاں سے مل گئے؟" امی نے ذرا اور سختی سے دریافت کیا۔
"وہ آپ نے جو سودا لانے کے لیے چونّی دی تھی نا" ظفر نے کہنا شروع کیا: "تو میں
تیرہ پیسے کا سودا لیا جیسا کہ آپ نے کہہ دیا تھا۔ مگر حمید (دکاندار) نے مجھ کو تیرا
پیسے واپس کر دیے ...." "اور تم پیسے لے کر چلے آئے۔ اُس سے پھر کہا بھی نہیں
کہ پیسے زیادہ آ گئے ہیں؟" امی نے بات کاٹتے ہوئے ڈانٹا ——— "نہیں امی جان" ظفر
ذرا سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا: "میں نے حمید سے کہا تھا کہ پیسے آپ نے زیادہ
دے دیئے ہیں، مگر اُس نے مجھے جھنک کر کہا جاؤ جی! ٹھیک ہیں، جھک جھک مت کرو
اور اس کے بعد اُس نے کچھ سنا ہی نہیں، میں گھر چلا آیا، تین پیسے آپ کو دے دیے
باقی پیسے میں نے اپنی جیب میں رکھ لیے۔ اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"بیٹا!" امی نے نصیحت کرنا شروع کیا: "پہلی بات تو یہ ہے کہ تم نے دکاندار کا
نقصان کیا اور اُس کی بھول سے ناجائز فائدہ اُٹھایا۔ دوسری بات یہ کہ تم نے مجھ
کہا کہ پیسے اپنی جیب میں رکھ لیے اور اس طرح چوری کی۔ ایک ہی وقت میں دو قصور
کر بیٹھے تو میرا کیا قصور؟ ——— "اچھا امی جان [illegible]

ابا جی سے کہہ دیں گی" ظفر نے کہا۔ اور جواب کے انتظار میں امی امی کا منہ تکنے لگا۔

"ظفر! تم کو اپنے ابا جی کا اتنا ڈر ہے۔ اللہ کا ڈر بالکل نہیں ہے۔ حالانکہ ڈر صرف اللہ ہی کا ہونا چاہیے' اگر تم اللہ سے ڈرتے تو تم سے ایسی خطا کیوں ہوتی۔ یاد رکھو! میں تم کو تمہارے ابا جی کی سزا سے تو بچا سکتی ہوں یا کچھ کمی کرا سکتی ہوں لیکن اللہ کی سزا سے میں کیا کوئی بھی نہیں بچا سکتا اور نہ ہی کچھ کمی کرا سکتا ہے ——

"لیکن" ظفر نے بےساختہ کہنا شروع کیا: "مجھے معلوم کیا تھا کہ اس طرح سے زائد پیسے لے لینا گناہ ہے ورنہ میں کبھی بھی ایسا نہ کرتا' اب جا رہا ہوں ابھی ابھی پیسے واپس کر دوں گا"

ظفر گھر سے نکلا' اس کا دماغ پریشان ہو رہا تھا' اس کے منہ سے راستے میں کئی بار بےساختہ یہ الفاظ نکل پڑے تھے: "اے اللہ! مجھے معاف کر' آئندہ ایسا کبھی نہ کروں گا" —— اس نے جب حمید کو پیسے واپس کیے تو اس کے جاننے والے کئی لڑکے دکان پر کھڑے تھے' اُن لڑکوں نے کہا بھی: "ظفر! پیسے کیوں واپس کر دیے؟ کون جانتا تھا کہ تم زائد پیسے لے گئے ہو" لیکن ظفر نے فوراً ہی اُن کو جواب دیا: "وہ خدا تو جانتا تھا جو یقیناً ایک دن ہمارے ذرا ذرا سے کاموں کا بدلہ دے گا" —— اور لڑکے اس کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

جناب وحید قیصر صاحب۔ راولپنڈی

دُعا

اے دو جہاں کے والی — رُتبہ ترا ہے عالی
آیا ہوں تیرے در پر — رحمت کی اک نظر کر
سب دُور کر بلائیں — کر عفو سب خطائیں
علم و ہنر میں درجہ — کر میرا سب سے اونچا
میں نیک نام پاؤں — دُنیا کے کام آؤں
ہر امتحاں میں میرے — تو کامیاب کر دے

اے دو جہاں کے مولا
رحمت ہے کام تیرا

اچھی گھڑی

ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہماری ہدایت کے لیے بھیجا تھا۔ آپ جس وقت مبعوث ہوئے اُس وقت ساری دُنیا بُت پرستی اور شرک کی لعنت میں مبتلا تھی۔ اور لوگ ایک خدا کو چھوڑ کر بہت سے جھوٹے خداؤں کی پرستش کر رہے تھے۔ آپ نے آتے ہی لوگوں کو اللہ کا سیدھا راستہ دکھایا اور بہت سے باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی پرستش کا وعظ کہا۔ لیکن ان باطل پرستوں نے آپ کی سچی بات ماننے کے بجائے آپ سے جنگ کی ٹھانی۔ اور آپ کو اور آپ کے بزرگ ساتھیوں کو اس قدر تکلیفیں پہنچائیں کہ جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن آپ کے صحابہؓ کا اونچا حوصلہ اور ایمان دیکھیے کہ اُنھوں نے دین و ایمان کے لیے اپنے مال و اسباب، بھائی بہن، حتیٰ کہ خود اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کی بلکہ دینِ حق کی خاطر اُنھوں نے اپنی جان ہلاکت میں ڈالنا قابلِ فخر سمجھا۔ اور اُنھوں نے اس راہ میں جس قدر مشقتیں اور تکلیفیں اُٹھائی ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف اُنھیں کا حق تھا ورنہ آج تو ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ صحابہؓ کرامؓ دین کے لیے سولی پر چڑھائے گئے، قتل کیے گئے۔ لیکن ان کے ایمانی جوش میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہوئی اور وہ ہر حال میں برابر اللہ کے دین کی اشاعت کرتے رہے۔ صحابہ کی دینی محبت کے اظہار کے لیے یہاں صرف ایک واقعے کا ذکر کیا جاتا ہے ورنہ تاریخ اسلام اس قسم کی سیکڑوں مثالوں سے بھری پڑی ہے —— حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ایک بہت بڑے صحابی تھے آپ کے بچپن کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ نے یہ کہتے ہوئے سُنا کہ قبیلۂ قریش کے لوگوں نے کبھی قرآن نہیں سُنا ہے۔ بہت ممکن ہے اگر سُن لیں تو ان کا دل کفر سے پھر جائے۔ اور اس سے متاثر ہو کر وہ لوگ اسلام قبول کر لیں۔ بات اصل میں یہ تھی کہ ابھی اسلام کی ابتدا تھی اور کفارِ قریش بیچارے کمزور مسلمانوں پر بڑا ظلم کیا کرتے تھے یہاں تک

کافروں کے ڈر سے کوئی آدمی کھلم کھلا اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ نہ کرسکتا تھا اور نہ بلند آواز سے قرآن پڑھنے کی جرأت کرسکتا تھا۔ لوگ گھروں میں چھپ چھپ کر آہستہ آہستہ قرآن پڑھا کرتے تھے۔ کیونکہ قریش والے اپنی طاقت و قوت میں بھی اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ بڑے بڑے قبیلہ کے لوگ اور بڑے بڑے مالدار بھی اُن سے خوف کھاتے تھے۔ اب خود کیجیے جس کی کوئی قوت نہ ہو اور جس کا کوئی مددگار نہ ہو بھلا قریش کے سامنے اس کی کیا چل سکتی تھی۔ ابھی تو حلقۂ اسلام میں سوائے چند غریبوں اور غلاموں کے اور کوئی ایسا نہیں تھا جو اپنی عظمت اور طاقت میں قریش کے مقابل آسکے یا کم از کم اپنے ہی کو قریش کے ظلم سے بچا سکے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی دین کے ساتھ محبت اور اُن کی جواں مردی دیکھیے کہ فوراً ان ظالموں کے سامنے قرآن پڑھنے کے لیے تیار ہوگئے۔ اور فرمایا کہ میں سب کے سامنے جاکر بلند آواز سے خدا کا کلام سُناؤں گا۔ کچھ لوگوں نے آپ کو منع بھی کیا لیکن آپ نے کسی کی بات نہ مانی۔ اور فرمایا کہ اگرچہ میری حفاظت کے لیے دولت اور لشکر نہیں ہے لیکن اللہ کی مدد تو میرے ساتھ ہے۔ وہ ضرور میری مدد کرے گا۔ چنانچہ دوسرے ہی دن صبح کو مقامِ ابراہیم سے قرآن پڑھنے کی آواز آنے لگی، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ۔ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ...... الخ کفارِ قریش تو مسلمانوں پر پہلے ہی سے ظلم کر رہے تھے۔ جب حضرت عبداللہ کو قرآن پڑھتے دیکھا تو ان کا غصّہ اور بھڑک گیا۔ چنانچہ اُنھوں نے حضرت عبداللہ کو مارنا پیٹنا شروع کیا اور آپ کے چہرے پر اس قدر ضربیں لگائیں کہ چہرہ زخمی ہوگیا۔ لیکن آپ کی شجاعت دیکھیے کہ آپ اس حالت میں بھی قرآن پڑھتے رہے ابوجہل اس ظلم میں آگے آگے تھا۔ جب آپ قرآن پڑھ لینے کے بعد مسلمانوں میں آئے تو اُن کو آپ کی حالت دیکھ کر سخت تکلیف ہوئی اور کچھ لوگ آپ کو تسلّی دیتے ہوئے کہنے لگے اسی لیے ہم آپ کو منع کر رہے تھے۔ اگر آپ ہماری بات مان لیتے تو یہ نوبت نہ آتی۔ لیکن اس کے بعد بھی آپ پر کچھ اثر نہ ہوا اور فرمانے لگے اس سے زیادہ اچھی گھڑی آج تک مجھ پر نہیں گذری، میں تو چاہتا ہوں کہ پھر صبح جاؤں اور اسی طرح بلند آواز سے خدا کا کلام پڑھوں ـــــــ کیسی پاک ہستیاں تھیں جنھوں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اللہ کے دین کی اشاعت کی۔ اور سخت سے سخت حالات میں بھی کلمۂ حق سے مُنھ نہ موڑا +

نوٹ: مضمون نگار (صاحبہ یا صاحب ؟) نے مضمون پر اپنا نام نہیں لکھا ہے اس لیے مجبوراً اُن کا نام نہ لکھا جاسکا۔ " اڈیٹر"

آپ کا خط ملا

جناب وحید قیصر صاحب ۔ راولپنڈی

ہمیں افسوس ہے کہ ہماری یادداشت نے ہمارا ساتھ نہ دیا اور آپ کی جو نظم دسمبر ۱۹۶۹ء میں شائع ہو چکی تھی وہ دوبارہ جب ذوالفقار احمد صاحب کے نام سے بدلے ہوئے عنوان کے ساتھ موصول ہوئی تو ہم یہ پتہ نہ لگا سکے کہ یہ نظم دراصل ذوالفقار احمد صاحب کی نہیں ہے بلکہ آپ کی ہے ـــــــ بہرحال آپ کو اس کے لیے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا ہی کرنا چاہیے کہ آپ کی یہ نظم بچوں کے لیے ایسی موزوں ہے کہ یہ جب بھی ہمارے سامنے آئی ہم اسے شائع کرنے پر مجبور ہی ہو گئے۔ البتہ ہمیں تعجب ہے کہ ذوالفقار احمد صاحب سے یہ اخلاقی کمزوری کس طرح صادر ہو گئی کہ کسی دوسرے کی چیز کو انھوں نے اپنے نام سے پیش کر دیا۔ ہمیں تو یہ توقع ہے کہ الحسنات کے پڑھنے والوں میں دیانت اور صداقت کا معیار دوسروں کے مقابلے میں برابر بلند ہو رہا ہے ـــــــ ہمیں اُمید ہے کہ ذوالفقار احمد صاحب اصل واقعے سے ہمیں بھی مطلع کریں گے اور اگر خدا نخواستہ یہ کوتاہی اُن سے جانتے بوجھتے ہو گئی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی اس کوتاہی کو معاف کرانے کے ساتھ ساتھ اپنے بھائی جناب وحید قیصر صاحب سے بھی معذرت چاہیں۔

محترمہ بتول راعقہ صاحبہ ۔ مالور

آپ کا مضمون ملا ـــ ابھی خوب پڑھیے اور بار بار لکھیے، ممکن ہو تو اپنے یہاں کسی سے اصلاح بھی لے لیا کیجیے۔ پھر اپنے ان مضمونوں کو اپنے بیان بزم حسنات میں بھیجیے انشاءاللہ اس طرح جلد ہی آپ بہت اچھے مضامین لکھنے لگیں گی۔ اور ہاں ایک بات اور یاد رکھیے جو کچھ لکھیے اس خیال سے لکھیے کہ اسے پڑھ کر یا سُن کر آپ کی دوسری بہنوں کو کچھ دین کی باتیں معلوم ہو جائیں، ان کی زندگی سُدھر جائے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی آپ کو حاصل ہو۔ جو لوگ نام و نمود کے لیے یا شہرت حاصل کرنے کے لیے لکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے مضامین خوب شائع

رہتے رہیں اور ان کی خوب تعریف ہو۔ اللہ کے بلے سوائے تعریف کے اور کچھ نہیں پڑتا۔

نمشا والماس ادیبہ صاحبہ۔ گجرانوالہ

کشیدہ کاری کے نمونے ملے۔ ابھی ان کی اشاعت الحسنات میں نہ ہوسکے گی جس مقصد کے لیے آپ نے قرآن کی کوئی آیت یا عمل چاہا ہے اس کے بارے میں ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ اس تلاش میں اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ قرآنِ کریم ایک ہدایت نامہ ہے، جو انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس کو ٹونے اور ٹوٹکوں کے لیے استعمال کرنا ٹھیک نہیں۔ آپ کو جس کام میں کامیابی کی خواہش ہو پہلے آپ اللہ کی دی ہوئی عقل سے مدد لے کر یہ فیصلہ کیجیے کہ آیا وہ کام اللہ تعالیٰ کے احکام کی روشنی میں صحیح ہے یا غلط۔ اگر وہ صحیح کام ہو تو اس میں کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا درست ہے۔ اس دعا کے لیے اگر آپ کو اپنے حسب حال کوئی قرآنی آیت مل جائے تو اس کو سوچ سمجھ کر بار بار پڑھنا بہت خیر و برکت کا باعث ہے۔ مثلاً آپ کو علم حاصل کرنے کا شوق ہے، تو اگر آپ وہی علم حاصل کرنا چاہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے تو آپ "رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا"[1] پڑھ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنے اضافۂ علم کی دعا مانگ سکتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر آپ اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگیں۔ دُعا مانگنے سے اللہ تعالیٰ سے بندے کا تعلق مضبوط ہوتا ہے۔ الحسنات کے پُرانے پرچے جو آپ ایک آنہ پرچے کے حساب سے طلب کریں گی وہ آپ کے ہی ہوں گے اُنھیں واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

[1] اے اللہ میرے علم کو بڑھا دے۔

انڈونیشیا

(۱)

ہندوستان سے جنوب مشرق کی جانب چھوٹے بڑے جزیروں کا ایک مجموعہ ہے یہ سب کوئی تین ہزار جزیرے ہیں: سماٹرا، جاوا، بورنیو، سلیبز، ملوا، لمباک اور تیمر وغیرہ بڑے بڑے جزیرے ہیں۔ یہ پورا سلسلہ مشرق سے مغرب تک کوئی ۲۴۰۰ میل میں اور شمال سے جنوب تک ۱۱۰۰ میل میں پھیلا ہوا ہے۔ اس پوری سلطنت کا رقبہ تقریباً ۵ لاکھ اسی ہزار مربع میل اور آبادی ۷ کروڑ بیس لاکھ ہے۔

جس طرح ہندوستان ابھی حال میں ہی مغربی لٹیروں کے پنجے سے آزاد ہوا ہے اسی طرح اس ملک کو بھی ابھی پچھلے دسمبر ۱۹۴۹ء میں ڈچوں نے چھوڑا ہے۔ اور اب یہ آزاد مملکت ہے۔

آپ نے آتش فشاں پہاڑوں کا نام سنا ہوگا۔ وہی پہاڑ جس سے آگ برسا کرتی ہے اور پگھلی ہوئی چٹانیں جسے لاوا کہتے ہیں نکلا کرتا ہے۔ دنیا کے سب سے بڑے آتش فشاں پہاڑوں کا سلسلہ انڈونیشیا کے بیچ سے گزرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کی زمین بہت ہی زرخیز ہے۔ ادھر بارش کی بھی کمی نہیں۔ اسی لیے زرعی پیداوار کی بہت کثرت ہے۔ گرم منطقہ میں پیدا ہونے والی تمام چیزیں مثلاً چاول، مکئی، باجرہ، گنا، ربر، تمباکو، املی، کیلا، اور ناریل بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ پہاڑی ڈھلانوں پر کالی مرچ، جائفل، گرم مسالہ، چاء، قہوہ، کوکو اور سنکونا (جس سے کونین تیار ہوتی ہے) پیدا ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ پورا علاقہ قسم قسم کے پھلوں اور پھولوں سے بھرا پڑا ہے جنگل کی بھی کثرت ہے جہاں بانس کی پیداوار بہت ہوتی ہے۔

کانیں بھی بکثرت ہیں لوہا، کوئلہ، سونا، چاندی، تانبا، مینگنیز، اور مٹی کے تیل کے اچھے ذخیرے موجود ہیں ٹین بھی کثرت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ یہ ملک اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی دولت سے خوب مالا مال ہے۔

اس ملک کی آبادی کے ۸۷ فیصدی سے زائد باشندے مسلمان ہیں۔ یعنی

اس ملک میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۲ کروڑ بیس لاکھ ہے، بقیہ باشندے بودھ مذہب کے ماننے والے یا عیسائی ہیں، ہندو بالکل نہیں ہیں۔ اس دُور دراز ملک میں اسلام کا نُور پہنچانے والے عرب تاجر ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگ عرب میں حضرموت کے علاقے کے رہنے والے تھے۔ ان اللہ کے بندوں نے اپنی زندگی کا مقصد یہی بنا لیا تھا کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو لے کر دُور دراز ملکوں میں جایا کرتے تھے۔ یہ لوگ تجارت بھی کرتے تھے اور تبلیغ بھی۔ انھوں نے ان جزیروں میں اپنی تجارتی کوٹھیاں بنا رکھی تھیں۔ بالکل اجنبی ملکوں میں جہاں کی زبان اور جہاں کے لوگ سب ان کے لیے نئے ہوتے تھے، یہ اللہ کے بندے بے کھٹکے جاتے تھے انھیں اپنی بات کے سچّا ہونے کا جس قدر یقین تھا اُتنا ہی وہ اپنے خدا پر بھروسہ رکھتے تھے۔ جس کے کام کے لیے یہ گھر سے نکلتے تھے۔ ان لوگوں کے اخلاق اور عادت ایسے اچھے تھے کہ نئے ملکوں میں بہت جلد ان کے ہمدرد پیدا ہو جاتے تھے۔ یہ لوگ رفتہ رفتہ چین تک پھیل گئے تھے۔

سب سے پہلے یہ لوگ بارھویں صدی عیسوی سے کچھ پہلے ان جزیروں میں پہنچے، ان کے پہلے مبلغ کا نام عبداللہ عارف تھا (اللہ ان پر اپنی رحمت نازل کرے) انھوں نے پہلے سماٹرا کے جزیرے میں اپنا کام شروع کیا۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے خلفا اس کام کو انجام دیتے رہے یہاں تک کہ پندرھویں صدی عیسوی میں سماٹرا میں مسلمانوں کی ایک عظیم الشان سلطنت قایم ہوگئی۔ اس کے اثرات جاوا اور دوسرے جزیروں میں پھیلنے لگے۔

یہاں ایک خاص بات یہ تھی کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرنے والا کوئی خاص مذہبی طبقہ نہیں تھا بلکہ ہر مسلمان اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کا فریضہ انجام دیتا تھا۔ جزیرے کے مقامی باشندے جو اسلام قبول کرتے جاتے تھے اُن کو کوئی علیحدہ برادری یا قوم کی شکل نہیں دی جاتی تھی بلکہ انھیں اپنے ساتھ ملا لیا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ یہاں مسلمانوں میں طبقاتی یا نسلی اونچ نیچ کی لعنت بالکل نہیں پائی جاتی ہے۔ ہندوستان کی طرح یہاں کے مسلمان سید، پٹھان، بڑھئی، جولاہے، تیلی اور شیخ جیسی برادریوں میں بٹے ہوئے

نہیں ہیں۔ یہاں کے مسلمان آج بھی اپنے آپ کو اسلام کی عالمگیر برادری کا جزو سمجھتے ہیں۔

سترھویں صدی میں جب یورپ کی قومیں علمی اور مادی ترقی میں دُنیا کی دوسری قوموں سے آگے بڑھ رہی تھیں اور دوسرے ملکوں کو اپنی غلامی میں پھانس رہی تھیں ان جزیروں میں بھی اسپین کے باشندے پہنچے۔ لیکن جب اسپین کو یورپ میں شکست ہوئی تو ۱۵۹۵ء میں ایک ولندیزی سپاہی جان پیٹرز نے ڈچ ایسٹ انڈیز کمپنی کے نام سے ایک تجارتی کوٹھی قایم کرلی۔ اس وقت پورے ملک پر مسلمانوں کا پرچم لہرا رہا تھا اور مختلف جزیروں میں ان کی مختلف مسلمان حکومتیں قایم تھیں۔ پہلے پہل مسلمان بادشاہوں نے ان تاجروں کو اچھی مراعات سے نوازا۔ لیکن انھوں نے ہاتھ پاؤں نکالے اور اپنی فوجوں کو اس ملک کے ساحل پر اُتارنے کے ساتھ یہاں کے باشندوں کو عیسائی بنانے کا پروگرام شروع کیا تو دونوں کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ جس میں کبھی مسلمان جیت جاتے اور کبھی ولندیزی۔ لیکن آخرکار ولندیزیوں کا پلّہ بھاری رہا اور ان کی حکومت قایم ہوگئی۔ (باقی)

Reged. No. A -306 "ALHASANAT" RAMPUR, U. P.

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ

بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔

الحسنات رام پور

نمونہ

کون کیوں کے لئے

جلد ۵ — ۱۵ — نمبر ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مہینے میں دوبار شائع ہونے والا

رسالہ

الحسنات

رام پور

(۱۵ جون) مسلمان گھرانوں کی اصلاح کے لیے جو بہت مفید ثابت ہوا ہے ۱۹۵۰ء

مدیر: ابو سلیم محمد عبد الحی

چندہ
سال بھر کے لیے ۲۴ رسالے — پانچ روپے آٹھ آنے
چھ ماہ کے لیے ۱۲ رسالے — تین روپے
فی کاپی — چار آنے

فہرست مضامین

محمد عبد الحی طابع و ناشر نے مرتضٰی برقی پریس رامپور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رامپور (یو۔پی) سے شائع کیا

اسباب

آپ نے اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ پاکستان کے وزیر اعظم لیاقت علی خاں صاحب اپریل کی شروع تاریخوں میں ہندوستان آئے تھے تاکہ یہاں کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے مل کر کوئی ایسی تدبیر سوچیں جس سے دونوں ملکوں میں امن قایم رہ سکے اور اس خونی فساد کا خاتمہ ہوجائے جو پچھلے دنوں پھر زوروں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ چونکہ اب خیر سے دونوں صاحبان یہ چاہتے تھے کہ امن قایم ہوجائے لہذا بغیر کسی دشواری کے دونوں نے ایک معاہدہ پر ۸ / اپریل ۱۹۵۰ء کو دستخط کردیے۔ یہ معاہدہ ایسا ہے کہ اس پر دونوں ملکوں کے باشندے عمل کریں تو فساد کی روک تھام ہوسکتی ہے۔ اور امن قایم ہوسکتا ہے۔

اچھا ذرا یہ تو بتائیے کہ یہ فساد کیوں ہورہے تھے؟ کیا اس لیے ایک انسان دوسرے انسان کے چھرا گھونپ رہا تھا کہ دونوں ملکوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ اور کوئی معاہدہ نہیں تھا؟ اور اب ہمیں اطمینان کرلینا چاہیے کہ اب معاہدہ ہوگیا ہے امن ضرور قایم ہوجائے گا۔ امن قایم کرنے کے لیے یہ معاہدہ کتنا مفید ہے اس کا اندازہ تو آپ خود اس بات سے لگالیں کہ ابھی ہمارے ملک میں بہت سی پارٹیاں ایسی موجود ہیں جو اس معاہدے کو بالکل غلط جانتی ہیں بہت سے اخبارات اس کی سخت مخالفت کررہے ہیں' ان کی دلی خواہش ہے کہ ملک میں مسلمانوں کے خلاف جو نفرت اور دشمنی کے خیالات ہیں وہ دبنے نہ پائیں ان کا فائدہ اسی میں ہے کہ نفرت کی یہ آگ بھڑکتی ہی رہے' ان لوگوں نے اس معاہدے کے خلاف خوب زہر اگلا ہے۔ ملک میں ان کا بڑا اثر ہے خود حکومت کے اندر ایسے لوگ موجود ہیں۔ ابھی معاہدے کی بات چیت ہو ہی رہی تھی کہ حکومت کے دو وزیروں نے احتجاجاً اپنے عہدوں سے استعفیٰ دے دیا۔ ان کے نزدیک

اس طرح صلح کی بات چیت کرنا ہی غلط تھا۔ ان میں سے ایک تو ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی ہیں جو محکمۂ صنعت و رسد کے وزیر تھے اور دوسرے مسٹر کے۔ سی۔ نیوگی ہیں جو محکمۂ تجارت کے وزیر تھے۔

فسادات کی وجہ کچھ اَور ہے۔ جب تک یہ وجہ دُور نہ ہوگی کوئی معاہدہ مستقل امن قایم نہیں کرسکتا۔ کچھ دنوں کے لیے اگر یہ آگ دب بھی گئی تو وہ لوگ جن کا نفع فساد میں ہی ہے اسے پھر بھڑکائیں گے۔ فساد کو دُور کرنے کے لیے، مستقل امن قایم کرنے کے لیے اور انسان کو انسان بنانے کے لیے تو کچھ اور ہی کرنا پڑے گا۔

● یہ دُنیا آپ سے آپ بن گئی ہے۔ اس کا کوئی خدا نہیں ہے۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے آپ سے آپ ہو رہا ہے۔

● نہیں یہ دُنیا آپ سے آپ نہیں بنی ہے۔ اس کا ایک بنانے والا ہے۔ لیکن ہم اُس کے چہیتے ہیں۔ جو چاہیں کریں۔ دوسرے اُسے ناپسند ہیں، چاہے وہ کچھ ہی کیوں نہ بن جائیں اس لیے ہم بھی اپنوں کو دوست رکھیں گے۔ اپنے اپنے ہی ہیں چاہے وہ کیسے ہی ہوں "دوسروں" سے ہمیں دُشمنی ہی رکھنی چاہیے۔ وہ اسی قابل ہیں ــــ کافر ــــ دوزخ کا ایندھن ــــ

● جو ہماری تہذیب اور کلچر کے رنگ میں رنگا ہوا نہیں ہے وہ ہمیشہ ملک کا دُشمن ہی رہے گا۔ ہم جس سماج کو پسند کریں اور جن باتوں کا پرچار کریں اُنھیں بے سوچے سمجھے بلا عذر قبول کرنے والا ہی دیش کا بھگت ہے۔ جو دیش کا بھگت نہیں وہ کبھی اپنا نہیں ہو سکتا ــــ ملکش، پاپی ــ

● ہم کو اگر خدا سے کوئی تعلق رکھنا ہی ہے تو اپنے نجی معاملات میں رکھیں۔ ملکی کاروبار اور انتظام میں ہم پورے آزاد ہیں جیسا مناسب

- "مذہب" ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔ اگر آج کا "ترقی یافتہ" انسان مذہب کو بالکل اُتار دے تو دُنیا بہت کچھ "ترقی" کر سکتی ہے۔
- "مذہب" ہمیں جان سے زیادہ عزیز ہے۔ اس کے نام پر ہم اپنا سب کچھ لٹا دیں گے ——— لیکن مذہب وہی سچا مذہب ہے جو ہمیں باپ دادا سے ملا ہے، باقی سب غلط ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم جس مذہب کو جان سے زیادہ پیار کرتے ہیں اُس کی باتوں کو ماننا آج ہم نے بھی چھوڑ دیا ہے لیکن ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ سچا مذہب ہمارا ہی ہے۔

اوپر جو خیالات بیان ہوئے ہیں انھیں غور سے پڑھیے یہ اور ان جیسے معلوم نہیں کتنے بے بنیاد خیالات ہیں جو انسانوں کے دماغوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب تک اس قسم کے خیالات اکثر لوگوں کے دماغوں میں باقی رہیں گے دُنیا میں کبھی امن قایم نہیں ہو سکتا۔ چاہے اس کے لیے معاہدے کیے جائیں، جنگیں لڑی جائیں، کانفرنسیں ہوں، مُلک بانٹے جائیں یا پھر سے ملا کر ایک کر لیے جائیں ——— فساد کا علاج تو ایک ہی ہے۔

آج انسان کو زندگی کے ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے جو:

- انسانوں کے درمیان اونچ نیچ کو عملی طور پر ختم کر کے ایک انسان دوسرے کے مقابلے میں صرف اس لیے عزت والا نہ ہو کہ وہ زیادہ دولت کا مالک ہے، یا کسی خاص نسل یا خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔
- انسانوں کی زندگی سے غیر ذمے داری کو ختم کر دے، لوگ جو کچھ کریں اس احساس کے ساتھ کریں کہ انھیں اپنے کاموں کا نتیجہ ضرور ملے گا ——— اچھے کاموں کا اچھا بدلہ اور بُرے کاموں کا بُرا۔

- انسانوں کے دلوں میں مالی فائدوں کے مقابلے میں اخلاقی فائدوں کی قدر بڑھا دے۔
- ہر انسان میں قدم قدم پر نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا کر دے اور وہ نیکی کو ہر قیمت پر حاصل کرنے اور بدی سے ہر طرح بچنے کے لیے آمادہ ہو جائے۔
- ایسا مستقل قانون پیش کر سکے جو نہ تو انسانوں کی خواہشات اور پسند کے مطابق بنایا گیا ہو اور نہ جسے انسان اپنی خواہش اور پسند کے مطابق توڑ مروڑ سکیں۔
- اپنا پورا ڈھانچہ کچھ اصولوں پر بناتا ہو، ایسے اصول جنھیں جو چاہے اور جب چاہے قبول کرے۔
- انسانوں کے درمیان کسی قسم کے امتیاز کو جائز نہ رکھتا ہو، کالے، گورے، حبشی، چینی، برہمن، شودر غرض یہ کہ تمام انسان اس کے نزدیک برابر کے حقوق پانے کے حق دار ہوں۔ بشرطیکہ وہ اس نظام کے پیش کیے ہوئے اصولوں کو قبول کرلیں ——— رہے وہ لوگ جن کی سمجھ میں یہ اصول نہ آئیں انھیں بھی یہ نظام اپنے اندر نہ صرف پُر امن طریقے پر باقی رکھنے کا ذمّے دار ہو بلکہ انھیں معقول انسانی حقوق دے سکے۔
- زندگی کو کچھ بنیادی عقیدوں اور کچھ اصلاحی اعمال کی قوّت پر سدھائے اور نتیجے میں ایسا سماج پیدا کرے جو قانون شکنی کے مقابلے میں قانون کی پیروی کو پسند کرنے لگے۔
- سماج سے تنگ نظری، خود غرضی، ہٹ دھرمی، لوٹ کھسوٹ، غرض یہ کہ ان تمام خرابیوں کو جڑ سے اکھاڑنے کی قوّت رکھتا ہو جو دراصل فساد اور بدامنی کی آگ کو بھڑکایا کرتی ہیں۔
- کسی خاص تہذیب، خاص ملک، خاص زبان، خاص نسل، خاص رنگ جیسی چیزوں پر لوگوں کو متحد کرنے کے بدلے صرف ایسے اصول

پیش کر سکے جن کو عملی میدان میں لانے سے عام انسانیت کی بھلائی حاصل ہو اور جنھیں جانچنے اور پرکھنے کا حق ہر شخص کو حاصل ہو۔

- خدا کو مکانوں کے حجروں، مسجدوں اور نجی عبادتوں میں بند کرنے کے بجائے اُس کو ہی مالکِ کائنات تسلیم کرتا ہو اور زندگی کے ہر معاملے کو اُس کی ہدایت اور راہ نمائی کی بنیاد پر طے کرنے کا فیصلہ کر چکا ہو۔
- مذہبی تنگ نظریوں اور تعصب کی بجائے اُس میں رواداری کی ایسی شان موجود ہو جس کے ہوتے ہوئے غیر نفرت کرنے کی بجائے اس نظام کی تعریف کرنے پر مجبور ہوں، چاہے اسے وہ اپنی کسی کمزوری یا مصلحت کی بنیاد پر قبول کریں یا نہ کریں۔

ہمیں اندیشہ ہے کہ کسی ایسے نظام کی تلاش نہ ہندوستان کو ہے اور نہ پاکستان ہی ابھی پوری طرح مطمئن ہے کہ اس کی مشکلات کا حل ایک ایسے نظام کے قیام کے سوا اور کچھ نہیں ہے —— ایسی حالت میں صرف معاہدوں اور سمجھوتوں سے فساد اور خوں ریزی کے وہ سوت بند نہیں ہو سکتے جن سے آئے دن طوفان اُمڈا کرتے ہیں ——

یہ معاہدے صرف عارضی طور پر کچھ سکون پیدا کر سکتے ہیں۔ کاش دونوں ممالک اس سکون کی مدت سے فائدہ اُٹھائیں اور ایک طرف اپنے عوام کی اخلاقی اصلاح کے لیے کوئی مستقل کوشش شروع کریں اور دوسری طرف ملک کے نظام کو کچھ ایسے سوچے سمجھے اصولوں پر چلائیں جن کا اشارہ اوپر کیا جا چکا ہے ——

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝

(سورۂ ہود۔ رکوع ۷)

پھر جب ہمارے فیصلے کا وقت آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو تل پٹ کر دیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر تابڑ توڑ برسائے۔ جن میں سے ہر پتھر تیرے رب کے یہاں نشان زدہ تھا۔ اور ظالموں سے یہ سزا کچھ دُور نہیں ہے۔

(تفہیم القرآن)

تشریح

جب کوئی قوم اس قدر بگڑ جاتی ہے۔ کہ اُس کے سدھرنے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی تو اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ پھر وہ قوم دُنیا سے مٹا دی جاتی ہے۔ تاریخ جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ یہاں کتنی ہی قومیں اُبھریں اور پھر فنا ہوئیں۔ قوموں کے اُبھرنے اور گرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا مستقل قانون ہے۔ یوں ہی آپ سے آپ نہ کوئی قوم ترقی کرتی ہے اور نہ فنا ہو جاتی ہے۔ آپ نے اب تک قومِ لوط کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے اس سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ قوم اخلاق اور عادات میں کس قدر گر چکی تھی۔ اس میں ایسی گندی عادتیں پیدا ہو گئی تھیں جو جانوروں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی اصلاح کی کوشش ہر طرح کر لی۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے قانون

کے مطابق وہ وقت آہی گیا جب ایسی قوم کا مٹا دینا ہی دُنیا کے لیے سب سے بڑے رحم اور کرم کا موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے انصاف، رحم اور کرم کے مطابق یہ فیصلہ ہو گیا کہ اس گندی قوم کو فنا کر دیا جائے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے عذاب بھیجنے کے سیکڑوں طریقے ہیں۔ بہت سی صورتوں کا ذکر تو قرآن میں موجود ہے لیکن اُس کی قدرت اور حکمت کو کون جان سکتا ہے وہ جب کسی قوم کو فنا کر دینے کا فیصلہ کر دے تو اُس کے لیے اسباب اور صورتیں بہت سی پیدا ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب کبھی تو اس طرح آتا ہے کہ ہم اس کے اسباب سمجھ لیتے ہیں، کبھی اس طرح آتا ہے کہ سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ یہ کیا ہوا اور کیسے ہوا۔ اگر کوئی بیماری پھیلتی ہے، کوئی فساد ہو جاتا ہے، کوئی زلزلہ آتا ہے، پانی چڑھ آتا ہے، آندھی آ جاتی ہے، آسمان سے بجلی گر پڑتی ہے یا اسی طرح بربادی اور ہلاکت کا کوئی اور سامان ہو جاتا ہے تو ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا سبب یہ تھا۔ لیکن اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اس طرح بھی آتا ہے کہ ہم کو اس کا کوئی سبب معلوم ہی نہیں ہونے پاتا۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب کی کچھ صورتیں اور بھی ہیں۔ ان پر تو بہت ہی تھوڑے لوگوں کی نظر جاتی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی ہے کہ کسی قوم کی اخلاقی حالت اس قدر بگڑ جائے کہ وہ بگاڑ ان کی بربادی کا سبب بن جائے۔ آپس کی پھوٹ اور دشمنی کو اللہ تعالیٰ نے اپنا عذاب ہی بتایا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ آپس کی نا اتفاقی اور دشمنی کسی قوم کو ہلاک کر دینے میں کیسا کام کرتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی ہے کہ کسی قوم میں ایسی برائیاں پیدا ہو جائیں جو ان کی تباہی کا سبب بن جائیں۔ مثلاً نوجوانوں کی بدچلنی جو انھیں طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کر دیتی ہے اور ان کی طاقت اور صحت کو برباد کر دیتی ہے کسی قوم کی ہلاکت کے لیے یہ عذاب بھی بڑا کارگر ہوتا ہے ـــــ اس سے بھی زیادہ بڑا عذاب یہ ہے کہ کسی قوم کو بدچلنی اور آوارگی کی ایسی چاٹ پڑ جائے کہ اس کی وجہ سے وہ اپنی نسلوں سے نفرت کرنے لگے اور اپنے ہاتھوں اپنی خودکشی کا سامان کرنے لگے، اور اسی طرح کی بہت سی اخلاقی خرابیاں اللہ تعالیٰ کا اپنا

عذاب ہیں جو کسی قوم کو گھلا گھلا کر ختم کرتا ہے۔ ایسی قومیں جو اس طرح کے "سخت دشوار" عذابوں میں مبتلا ہوتی ہیں ان کے لیے ہر وقت یہ مُہلت ہوتی ہے کہ وہ جب چاہیں اپنی اصلاح کرلیں اور موت کے گڑھے میں گرنے سے اپنے آپ کو بچالیں۔

موجودہ دُنیا میں جو قومیں اللہ کی بغاوت کی راہ پر سرپٹ دوڑی چلی جارہی ہیں۔ ان کی مُہلت کی مُدّت جب ختم ہوجائے گی تو ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب غالباً ان تمام صورتوں سے زیادہ ہولناک ہوگا جن کا حال ہم اب تک کی مٹنے والی قوموں کے سلسلے میں جانتے ہیں ـــــــ اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے عذاب کے لیے اسباب باہر سے فراہم ہونے کے بدلے خود ان مفسد قوموں کے اندر سے ہی نہ اُبھر آئیں گے۔ اس قسم کی بربادی کے اسباب میں سے ایک سبب کا علم تو ہمیں اور آپ سب کو ہے ـــــــ ـــــــ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایٹم کی قوّت کو کام میں لانے کی صلاحیت بخشی اگر انسان کا مزاج اصلاح پسند ہوتا تو شاید وہ اس نئی قوّت سے کام لے کر دُنیا کو جنت کا نمونہ بنا دیتا۔ مگر سب جانتے ہیں کہ اس نے اس قوّت سے کس قدر بھیانک بربادی اور ہلاکت کا کام لیا اور آئندہ اس کے حوصلے یہی ہیں کہ وہ اس سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر بربادی کا سامان کرے گا۔

(۳) ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کی قوم پر جو عذاب بھیجا وہ کسی آتش فشاں پہاڑ کے پھٹ پڑنے کی صورت میں تھا ـــــــ آپ کو معلوم ہوگا کہ جب کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹنے کے قریب ہوتا ہے تو پہلے بہت زور کا زلزلہ آتا ہے۔ آس پاس دُور دُور تک ساری زمین ہل جاتی ہے۔ اور پھر ایک دم آتش فشاں پہاڑ کے دہانے سے آگ کے شعلوں کے ساتھ لاوا اور پتھر نکلنے لگتے ہیں یہ آگ کے شعلے بعض وقت ہزاروں فٹ اونچے اُٹھتے ہیں اور آگ میں پکے ہوئے پتھر بہت اونچائی تک ہوا میں اُڑ جاتے ہیں۔ اور جب یہ لوٹ کر زمین پر گرتے ہیں تو پوری بستیاں اس پتھراؤ سے خاک کا ڈھیر ہوجاتی ہیں۔ پگھلی ہوئی چٹانوں کا سیلاب دہانے سے گاڑھے شیرے کی مانند زمین پر بہنے لگتا ہے۔ یہ آگ کا سیلاب جس طرف

نکالتا ہے تمام نباتات جنگل جہاں تک کہ ہر چیز کو جو اس کی زد میں آجائے جلا کر خاک کر دیتا ہے اور زمین پر اس مادّے کی ایک موٹی تہہ جم جاتی ہے — آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ جب یہ لاوا ٹھنڈا ہو کر مٹی کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو اس سے بڑی زرخیز زمین بنتی ہے۔ اس میں کھیتی باڑی بہت اچھی ہو سکتی ہے — غور کیجیے جو چیز ہلاکت اور بربادی کا سبب ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کا سامان موجود ہے۔ اب یہ اپنا اپنا حوصلہ اور توفیق ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں سے سبق حاصل کرے یا سب کچھ دیکھنے کے باوجود بھی اپنی آنکھیں بند ہی رکھے۔

(۴) جب قوم لوط پر عذاب آیا تو زلزلے کے جھٹکوں کی وجہ سے پہلے ان کی ساری بستی تل پٹ ہو گئی، مکانوں کی چھتیں نیچے آ رہیں اور پھر پکی ہوئی مٹی کے پتھر ان پر اس طرح برسنے لگے کہ ہر ہر پتھر بربادی اور ہلاکت کا کام اس بری طرح کر رہا تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر پتھر کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے کہ اسے بربادی کا کون سا کام انجام دینا ہے۔ ہر پتھر ہلاکت کا پیام تھا جو ٹھیک ٹھیک اپنے نشانے پر وہی کام کر رہا تھا جس کے لیے اسے برسایا گیا تھا۔

(۵) قرآنِ کریم میں پچھلی قوموں کے حالات اور واقعات بار بار کیوں بیان ہوتے ہیں۔ اس کا جواب قوم لوط کا حال بیان کرنے کے بعد چند کلموں میں دے دیا گیا ہے:

وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ — اور ظالموں سے یہ (سزا) کچھ دور نہیں ہے۔

جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ صرف تاریخی کہانیاں نہیں ہیں۔ بلکہ عبرت اور سبق کے دفتر ہیں۔ آج بھی جو لوگ ظلم کی راہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اپنے سچے مالک کی بغاوت پر کمر باندھے ہوئے ہیں وہ اس طرح کسی دوسرے پر نہیں بلکہ خود اپنے اوپر بڑا ظلم کر رہے ہیں۔ انھیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ انجام کی یہ بھیانک تصویریں آج بھی اسی طرح سامنے آ سکتی ہیں جس طرح پہلے آتی رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ ظالموں کو بار بار مہلت دیتا ہے۔ انسان کو

اپنی عقل اور اختیار کو کام میں لانے کا پورا پورا موقع عطا فرماتا ہے۔ لیکن اگر اس کے مقررہ قانون کے مطابق اس مہلت کی مدت ختم ہو جائے اور اس قوم کی اصلاح کا کوئی امکان باقی نہ رہے تو پھر اس کے عذاب کو دور نہ سمجھنا چاہیے۔ اللہ کا عذاب ہر بڑی سے بڑی قوت کو ہر آن اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے۔

جناب کپتان حیدر علی صاحب حیدر

الٰہی حکومت

صدا لا و الّا سنانا ہے تجھ کو
رہِ حق جہاں کو دکھانا ہے تجھ کو
ضلالت جہاں سے مٹانا ہے تجھ کو
زمانے سے باطل مٹانا ہے تجھ کو
خدائی کے دعوے مٹانا ہے تجھ کو
صداقت پہ گردن جھکانا ہے تجھ کو
فضاؤں میں ہلچل مچانا ہے تجھ کو
نیا اک جہاں اب بسانا ہے تجھ کو
خدا سے عداوت مٹانا ہے تجھ کو
خدا سے بغاوت مٹانا ہے تجھ کو
خدا تک کا رستہ بتانا ہے تجھ کو
قدم والہانہ بڑھانا ہے تجھ کو
الٰہی حکومت
چلانا ہے تجھ کو

مخمور سلطانہ صاحبہ
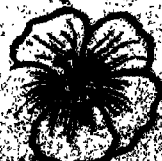
مُرغ کا سالن

"ریاض میرے لال! کہاں جا رہے ہو؟" امّی نے اُسے پاس بُلا کر پوچھا۔
ریاض: "بازار تک جا رہا ہوں۔ نئے سال کے دو کیلنڈر لانے ہیں۔"
امّی: "اچھا لے آؤ لیکن اس بات کا خیال رہے کہ اُس میں تصاویر نہ ہوں کیونکہ جس گھر میں تصاویر ہوتی ہیں۔ وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔"
"بہت اچھا امّی جان! میں ایسا ہی کروں گا۔" ریاض نے جاتے ہوئے کہا۔
آج کچھ زیادہ کام کے باعث امّی تھک چکی تھیں، اس لیے وہ چار پائی پر لیٹ گئیں۔ لیکن فوراً ہی انھیں خیال آیا کہ کہیں ماما مُرغ کا پلاؤ اور سالن تیار کرنے کرتے خراب نہ کردے۔ اس خیال کے آتے ہی وہ اُٹھ کر باورچی خانے کی طرف چلیں، تو دروازے پر ایک غریب ہمسائی کو ہاتھ میں ایک مٹی کا پیالہ لیے ہوئے کھڑے پایا۔
"بی بی جی سلام" ہمسائی نے ماتھے پر ہاتھ دھر کر لجاجت آمیز لہجے میں کہا۔
جواب میں سر ہلا کر امّی تیزی سے باورچی خانے میں چلی گئیں۔
تقریباً ایک گھنٹے بعد باہر نکلیں تو ہمسائی کو اُسی طرح کھڑے دیکھ کر کمال بے پروائی سے بولیں: "کیا بات ہے کیوں کھڑی ہو؟"
"بی بی جی ...." وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔ شاید وہ امّی کا خشمگیں چہرہ دیکھ کر مرعوب ہو گئی۔
"جلدی سے بات ختم کرو میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" امّی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔
"جی" وہ ڈرتے اور جھجکتے ہوئے بولی، "پیسے نہیں تھے، کل سے سالن نہیں پکا سکی ہے۔ میرے بچے بہت رو رہے ہیں۔ تھوڑا سا سالن ہو تو عنایت فرما دیں۔"
"سالن!" امّی نے نفرت سے کہا۔ "میں تمھارے لیے سالن پکاتی ہوں

جاؤ یہاں سے۔ کوئی نہیں ہے یہاں سالن والن۔ بے حیاؤں کو مانگتے ہوئے شرم بھی نہیں آتی۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے کی طرف جانے لگیں۔

یہ سُن کر اس غریب کے دل پر زبردست چوٹ لگی۔ اُس کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ آہ غریبی، اُس نے دل میں سوچا، اس کی وجہ سے کیا کچھ سُننا پڑا وہ مزید ایک لفظ کہے بغیر اُلٹے پاؤں واپس چلی گئی۔

ریاض کی بہن فخر یہ سارا واقعہ کمرے میں بیٹھی دیکھ اور سُن رہی تھی۔ امّی نے جاتے ہی اُس سے کہا: "فخر! تم نے دیکھا، یہ سالن لینے آئی تھی، ان بے غیرتوں کو کسی کے یہاں آتے شرم بھی نہیں آتی، باسی سالن ہوتا، تو شاید میں اسے دے دیتی، تازہ کون دیتا ہے، پھر میں تو آج مُرغ کا سالن اور پلاؤ پکوا رہی ہوں، بھلا یہ کیسے دے دیتی۔ اچھا کیا جو آج جواب دے دیا ہے، پھر آئندہ کبھی آنے کا نام تو نہ لے گی۔" امّی نے مُسکراتے ہوئے فخریہ لہجے میں کہا۔

فخر جو ہمسائی کے حد درجہ غمگین چہرے اور ماں کے بے دردی کے سلوک سے بے حد متاثر ہوئی تھی یہ باتیں سُن کر بھرّائی ہوئی آواز میں بولی: "امّی! مجھے آپ کی رائے سے بالکل اتفاق نہیں ہے آپ نے اُسے جھڑک کر اُس کے دل کو ٹھیس لگائی اور خداوند کریم کو الگ ناراض کیا۔ مجھے آج کچھ کھانے کو نہ دیں۔ لیکن بھائی کو بھی دیں۔ کیونکہ ...."

"نا بیٹی نا" امّی بات کاٹ کر بولیں، تم سے کوئی بات کہے، لو اَور سنو، مجھے ہی سمجھانے لگیں۔ یہ بھی زمانہ آنا تھا کہ بیٹیاں ماؤں کو عقل دیں۔"

دغصّے سے) "تمھارا نہیں کچھ کھانے کو جی چاہتا۔ تو نہ کھاؤ، تمھیں کون زبردستی دے رہا ہے۔ تمھارا باپ لوگوں کے لیے نہیں کماتا پھرتا۔"

فخر یہ سُن کر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔

ریاض کو صحن میں پھرتے دیکھ کر امّی نے اُسے بلایا۔

"بیٹا! کیلنڈر لے آئے ہو؟"

ریاض: "جی ہاں امّی! یہ دیکھیے دیواروں پر بھی لگا دیے ہیں، ان دونوں پر

ایک حدیث بھی لکھی ہوئی ہے۔ پڑھو:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھوں اور [illegible] سے مسلمان ایذا نہ پائیں۔"

دوسری یہ ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "وہ شخص ایمان نہیں رکھتا، جو خود [illegible] پیٹ بھر کر کھالے اور اُس کا ہمسایہ اُس کے پہلو میں بھوکا رہ جائے۔"

یہ سنتے ہی امی شرم سے پانی پانی ہوگئیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن کے متعلق امی کا دعویٰ تھا کہ وہ مجھے دُنیا کی ہر شے سے زیادہ پیارے ہیں۔ انہی [illegible] انہیں کے فرمان کے خلاف امی نے عمل کیا تھا۔"اُف میرے خدایا! میں کتنی بڑی گنہگا[ر] ہوں۔ امی بڑبڑائیں، میں نے اپنی زبان سے اس بے چاری کے دل پر چوٹ لگائی استغفراللہ۔ یہ میں نے کتنا بُرا کام کیا۔ میری ہمسائی دانے دانے کو ترسے اور میں پلاؤ قورمہ اُڑاؤں، اگر وہ کچھ مانگیں، تو ذلت سے دھتکار دوں۔ صرف پانچ نمازیں پڑھ کر اور رمضان میں روزے رکھ کر جنت میں جانے کی اُمید رکھوں [کیا ا]س سے میں بخشی جاؤں گی؟ اس زبردست احساس سے اُن کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ کتنی ہی دیر وہ روتی رہیں پھر یکایک اس محویت کے عالم سے چونکیں۔

"فخر، اری فخر ادھر آ بیٹی" امی نے آواز دی۔

"فخر (آکر) کیا کہا امی جان آپ نے!"

"بیٹی تو واقعی سچ کہہ رہی تھی۔ واقعی آج میں نے ہمسائی کا دل دکھا کر خدا کی ناراضگی مول لی۔ جلدی سے ایک تھال پلاؤ کا بھر کر اور ایک ڈونگہ سالن سے بھر کر اور کچھ روٹیاں اپنی غریب ہمسائی کے یہاں بھیج دو۔"

فخر کو تو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا، وہ حیرت سے بُت بنی ماں کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

"جلدی کرو بیٹی! دیکھ کیا رہی ہو۔ خدا جانے میرے سلوک کی وجہ سے اُس بے چاری کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔"

فخر کو تو جیسے قارون کا خزانہ ہاتھ آگیا ہو، وہ یہ سُن کر خوشی سے پھولے نہ سمائی [او]ر فوراً سب چیزیں ٹرے میں خوب سجا کر ہمسائی کے یہاں بھیج دیں۔

سترھویں صدی کے آخر میں انڈونیشیا پر ولندیزیوں کا قبضہ ہوگیا۔ لیکن یہ لوگ مسلمان حکمرانوں کے برخلاف ملکی باشندوں کے دلوں پہ قبضہ نہ کرسکے۔ وہاں کے رہنے والوں کے دلوں میں آزادی کی آگ برابر سُلگتی رہی۔

۱۸۲۵ء میں ایک زبردست بغاوت ہوگئی۔ یہ پہلے جاوا میں شروع ہوئی اور آہستہ آہستہ پُورے ملک میں پھیل گئی۔ پانچ سال تک یہ کشمکش جاری رہی اور ولندیزیوں کو اس بغاوت کو کچلنے کے لیے بڑی بے رحمی اور درندگی سے کام لینا پڑا۔ تمام جاوی لیڈر چُن چن کر قتل کیے گئے، جہاں جس شخص پر شُبہ ہوا اور اُسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

جب بغاوت دب گئی تو ولندیزیوں نے انڈونیشیا کے باشندوں کو حکومت کے بہت سخت قوانین میں جکڑ دیا۔ ان کے ساتھ ذلیل برتاؤ کیے اور بڑی دردناک سزائیں دیں، ان کی عزت کو ختم کرنے اور انھیں ذلیل کرنے کے لیے عجیب عجیب قانون بنائے گئے۔ اگر کسی باشندے پر کسی ولندیزی کی توہین کا الزام ہوتا تو اُسے جُرمانہ، قید اور کوڑوں کی سزا دی جاتی۔ انتہا ہے کہ اگر کوئی "کالا آدمی" ان فرعونوں سے ڈچ زبان میں بات کرلیتا تو اُسے سزا دی جاتی تھی۔

ولندیزیوں نے اسلام کو بھی نقصان پہنچایا۔ قرآن کریم کی ایسی آیات جن میں عیسائیوں یا اُن کے عقائد کے بارے میں تبصرہ کیا گیا ہے علی الاعلان پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ خاص طور پر جمعہ کی نماز میں اگر کوئی ایسی آیت پڑھتا جو انھیں پسند نہ تھی تو اُسے گرفتار کرلیا جاتا تھا اور قید یا جُرمانے کی سزا دی جاتی تھی۔

ہالینڈ کے ان مہذب لٹیروں نے [illegible]
کہ انڈونیشیا کی ایک بہت بڑی آبادی بالکل مفلسی میں مبتلا ہو گئی تھی۔ ملک
کی تمام دولت کھینچ کھینچ کر ہالینڈ جاتی تھی۔ ایک وقت ایسا آیا کہ ملک کے اصل
باشندوں کی آمدنی گھٹتے گھٹتے تین پیسے فی کس روزانہ تک پہنچ گئی۔

ولندیزیوں نے انڈونیشیا پر تقریباً تین سو سال تک حکومت کی۔ لیکن اس
پوری مدت میں ان کا برتاؤ اہل ملک کے ساتھ اس درجہ خراب رہا کہ یہ ان کے
دلوں میں کوئی جگہ پیدا نہ کر سکے۔ یہ اُن عرب مبلغین کی طرح نہ تھے جو دولت
سمیٹنے اور سلطنت قائم کرنے کی ہوس کے مقابلے میں اخلاق، ایمان، اور انسانیت
کی تعلیم لے کر آئے تھے اور جو ہر اُس "دیسی" کو جو ان کے پیش کیے ہوئے اصول
پسند کر لے اپنا بھائی بنا لیتے تھے۔ اور جس کا نتیجہ کچھ ہی دنوں بعد یہ نکلا کہ انڈونیشیا
میں "دیسی" اور "بدیسی" کا فرق ہی مٹ گیا ــــــ ولندیزیوں سے نفرت کا
پہلا زبردست اظہار ۱۸۲۵-۳۰ء کی بغاوت میں ہوا جس کو ظلم کے ہاتھوں اگرچہ
ظاہری طور پر دبا دیا گیا۔ لیکن نفرت کی آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ ۱۹۰۸ء میں
"بودی اور تومو" ــــــ اعلیٰ تمنا میں ــــــ کے نام سے ایک انجمن بنائی
گئی اور ۱۹۱۱ء میں ایک اور تنظیم بنی جو آخر کار "شرکت اسلام" کے نام سے
مشہور ہو گئی۔ ۱۹۱۹ء میں اس تنظیم نے مکمل سیاسی حیثیت اختیار کر لی اور اس
کی وجہ سے باشندوں میں آزادی کی تمنا اور مظالم کا مقابلہ کرنے کی قوت برابر
بڑھتی رہی۔ اس جماعت کا نصب العین انڈونیشیا کی مکمل آزادی تھا۔

۱۹۲۵ء میں ڈاکٹر سوکارنو کی قیادت میں ایک نیشنل پارٹی نے زور پکڑنا شروع
کیا اور ۱۹۳۱ء تک اس نے آزادی کی جنگ جیتنے کے لیے زبردست کام کیا۔ اس
وقت ڈاکٹر سوکارنو کو جیل بھیج دیا گیا۔ ۱۹۳۳ء میں ملک کی تمام [illegible]
نے مل کر آزادی کی جنگ شروع کر دی جس کے نتیجے میں تمام بڑے بڑے
لیڈروں کو جیل میں ٹھونس دیا گیا۔

[illegible] میں ہالینڈ کو یورپ میں شکست ہو گئی [illegible]
انڈونیشیا کو [illegible] آخر کار ۱۹۴۵ء انڈونیشیا [illegible] اور

[illegible]وں کو بھاگتے ہی۔ انڈونیشیا پر جاپان کا قبضہ ہوگیا۔ انھوں نے انتظام کی آسانی کی خاطر اہلِ ملک کو اپنا ساتھی بنایا اور انھیں فوجی تربیت بھی دی۔

اگست ۱۹۴۵ء میں جاپان کو اتحادیوں کے مقابلے میں شکست ہوگئی اور انڈونیشیا آزاد ہوگیا۔ آزادی کا اعلان ۱۷ اگست ۱۹۴۵ء کو ہوا اور ملک کا انتظام دو قومی رہنماؤں ڈاکٹر سوکارنو اور ڈاکٹر محمد عطا کو سونپ دیا گیا۔ آج کل ڈاکٹر سوکارنو جمہوریہ انڈونیشیا کے صدر اور ڈاکٹر محمد عطا وزیرِ اعظم ہیں۔

ہالینڈ کے بھگوڑے جو جاپان کے حملے کے وقت ملک کو جاپانیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، اب پھر چوری چھپے ملک میں گھسنے لگے اور انھوں نے کوشش کی کہ حکومت پر پھر قبضہ جمالیں۔ جس طرح ایک لٹیرا دوسرے لیٹرے کا اور ایک چور دوسرے چور کا ہمدرد ہوتا ہے اس طرح برطانیہ نے بھی ولندیزیوں کی مدد کی لیکن انڈونیشیا کے باشندے اب اپنی آزادی کی خاطر مرنے اور مارنے کے لیے پوری طرح تیار ہوگئے تھے اور انھوں نے ولندیزیوں کے مقابلے میں ڈٹ کر قربانیاں پیش کیں۔ ولندیزیوں کو مارچ ۱۹۴۷ء میں صلح کرنا پڑی اور معاملہ مجلسِ اقوامِ متحدہ میں پیش ہوا۔ لیکن ان ظالموں نے "پولیس ایکشن" کے نام سے خوب مار دھاڑ کی۔ ولندیزی سپاہی شہروں میں بندوقیں لیے پھرتے تھے۔ مکانوں، دکانوں، مدرسوں اور مسجدوں میں گھس جاتے اور نوجوانوں کو گولی کا نشانہ بنا دیتے۔ عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر ڈالتے۔ قتل و غارت کے اس طوفان سے ملک بھر میں بے چینی پھیل گئی۔ نہتے شہری جنگلوں اور پہاڑوں میں بھاگ گئے اور ولندیزیوں کو ساٹرا اور سرابایا کے ایک حصے پر اپنے پنجے جما دینے کا موقع مل گیا۔

جنوری ۱۹۴۸ء میں ولندیزیوں نے پھر ایک معاہدہ کیا لیکن اس پر عمل ایک دن بھی نہ کیا، جس کی وجہ سے بے چینی بدستور باقی رہی۔ آخر کار

[illegible] ایک طاقت امن قائم کرنے کے وعدے کے [illegible]

ایمان کی قوت

(کہانی)

پہلے زمانے میں بادشاہوں اور سرداروں کی حرکتیں بھی عجیب عجیب ہوتی تھیں۔ ان کو اس میں بڑا مزا آتا تھا کہ وہ لوگوں کے سر اپنے آگے جھکوائیں۔ اور بھئی سچ پوچھو تو انسان کو "خدا" بننے میں مزا بھی بہت آتا ہے۔ آج بھی دیکھ لو' لوگ دوسروں کی مجبوریوں سے کس طرح لطف اُٹھاتے ہیں۔ لوگ گھر پر ملنے آتے ہیں' لیکن انھیں اس میں مزا آ رہا ہے کہ وہ ان کے دروازے پر گھنٹوں انتظار کریں ـــــ سرکاری نوکر ہیں' لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کی ہی تنخواہ پاتے ہیں۔ لیکن جس کا کام کرتے ہیں اس پر احسان جتاتے ہیں' رشوت لیتے ہیں' خوشامد کراتے ہیں۔ ـــــ ملک کے انتظام کے ذمّے دار ہیں' لیکن جب ان کی سواری سڑکوں پر نکلتی ہے تو یہ اندازہ کرتے ہیں کہ کتنی گردنیں ان کے سامنے جھک رہی ہیں اور لوگوں پر کیسا رُعب پڑ رہا ہے ـــــ غرض یہ کہ جہاں جس کو جتنا موقع ملتا ہے وہ دوسروں کا "خدا" بننے سے نہیں چوکتا ـــــ اس مرض سے تو وہی بچے ہوئے ہیں جو اُس سچّے خدا کو اپنا خدا مان لیتے ہیں اور دُنیا میں اُس کا بندہ بن کر رہنا قبول کر لیتے ہیں۔

ہاں تو ـــــ پچھلے زمانے کے ایک ایسے بادشاہ کا ذکر ہے جو بندہ ہوتے ہوئے خدائی کا خواب دیکھا کرتا تھا۔ اس کا نام گلسر تھا۔ یہ سوئٹزرلینڈ میں رہتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنی ٹوپی ایک اونچے بانس پر ٹانگ کر بانس کو ایک سڑک کے کنارے گاڑ دیا اور خود ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اور کچھ سپاہیوں کو ساتھ لے کر وہاں کھڑا ہو گیا۔ اب جو شخص اِدھر سے گزرتا وہ اُس کو حکم دیتا کہ اس کی ٹوپی کو

تمہارا قصور معاف کردیا جائے گا نہیں تو تمہارے لڑکے کی جان تو جائے گی
تمہاری گردن بھی مار دی جائے گی۔"

اللہ کا وہ بندہ اللہ کے بھروسے پر راضی ہوگیا۔ اس نے سوچا
میرا وقت آچکا ہے تو مجھے کوئی نہیں بچا سکتا اور اگر ابھی میری یا میرے
بچے کی موت کا وقت نہیں آیا ہے تو نہ میں مرسکتا ہوں اور نہ میرے بچے
بال بیکا ہو سکتا ہے ——— یہ سوچ کر اُس نے اپنے لڑکے کی طرف
ا ——— لڑکا بھی آخر اُس کا ہی لڑکا تھا۔ فوراً بول اُٹھا: "ابا جان
ۓ بادشاہ کی شرط مان لیجیے میں بالکل خاموش بیٹھا رہوں گا۔ اگر اللہ کو
منظور ہے تو آپ کا نشانہ ٹھیک ہی لگے گا اور میرا کچھ بھی نہ بگڑے گا"
بچے کے ایمان کی قوّت دیکھ کر باپ کا دل اور بھی بڑھ گیا اور اُس نے
اللہ کے بھروسے پر تیر چلایا۔ خدا کا کرنا دیکھو نشانہ ٹھیک سیب پر لگا، سیب
ٹکڑے ہوکر گر پڑا اور بچہ صحیح و سالم ہنستا ہوا اپنے باپ سے آکر لپٹ گیا۔

بادشاہ نے تیر اندازی کا یہ کمال دیکھ کر کہا: "شاباش! جاؤ تمھیں معاف
ا۔ ہمارا شکریہ ادا کرو ———"

یہ سُن کر وہ اللہ کا بندہ بولا: "شکریے کے لائق تو صرف وہ
ذات ہے جس کے قبضے میں میری اور آپ کی جان ہے۔ میرے ساتھ آپ کو
س وقت اُس کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اُس نے آپ کی جان رکھ لی۔"

"میری جان یا تمہاری جان؟" بادشاہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"نہیں آپ کی جان ——— اس لیے کہ میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ
اگر میرا نشانہ خطا ہوا اور میرا بچہ مرگیا تو پھر دوسرا تیر آپ کے سینے کے
پار ہوگا ———"

بادشاہ اس نڈر انسان کا مُنھ تکتے رہ گیا۔ سچ ہے "اللہ سے ڈرنے
والے کسی سے نہیں ڈرتے۔"

غلام مصطفیٰ صادق

میری اپنی کہانی

اب تو خدا کے فضل و کرم سے میں چودہ پندرہ برس کا ہوں اور امی جان کی ہر وقت کی ڈانٹ ڈپٹ سے نجات حاصل کر چکا ہوں لیکن جب میں بالکل چھوٹا سا تھا تو میرے ہر کام پر امی جان مجھے ٹوکا کرتی تھیں۔ میں جو بھی کام کرنا چاہتا تھا نہ معلوم کس چیز کی بنا پر جھٹ بول اٹھتیں "خبردار! اس کام کو مت کرنا ورنہ رات کو تیرے ابا جان آئیں گے تو اُن سے تیری خوب گت بنواؤں گی"

ادھر ابا جان کا قلم اٹھا کر سیاہی سے لکھنے کے لیے بیٹھتا ہی تھا کہ ڈانٹ آ جاتی "ارے تجھے شرم نہیں آتی ہزار بار تجھے کہہ چکی ہوں کہ ابا جان کی سیاہی اور قلم خراب نہ کرو لیکن باوجود روک دینے کے بھی تو اور قلم خراب کر رہا ہے۔ ٹکتا ہے شریر یا وہیں آ کر تیری مرمت کروں۔" امی جان کی اس ڈانٹ پر میں قلم سیاہی کو چھوڑ کر اپنا شغل جاری رکھنے کے لیے گھر میں پڑے ہوئے جست اور پیتل کے برتنوں پر لاٹھی سے متواتر کی چوٹیں لگا کر انہیں بجانا شروع کر دیا کرتا۔ امی جان برتنوں کے بجنے کی آواز سن کر پکار اٹھتیں "ارے شریر ایک شرارت سے باز آتا ہے تو دوسری شرارت اختیار کر لیتا ہے۔" امی جان کا یہ فقرہ سن کر میں حیران رہ جاتا اور دل ہی دل میں سوچنے لگتا کہ میرے ہر کام پر بھلا امی جان ٹوکا کرتی ہیں، مجھے کوئی اچھا کام بتاتی تو وہی کیا کرتا آخر میں اچھا کام کروں تو کیا کروں۔ میرے لیے تو یہی اچھے کام ہیں جو کر رہا ہوں۔ آخر سوچتے سوچتے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ شاید یہ میرا ہی قصور ہوگا، اس لیے یہ کام چھوڑ کر کوئی اور کام اختیار کر لینا چاہیے۔ چنانچہ امی کے ماتحت مکان سے باہر نکل کر آنگن میں مٹی کا ایک چھوٹا سا مکان بنانے لگ جاتا۔ لیکن جونہی ابتدائی گھروندا اٹھاتا امی جان کا بلاوا آ جاتا کہ "ارے نالائق نکما ناشتہ پڑا ہوا ٹھنڈا ہو جاتا ہے میں تیرے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہوں لیکن تو بے کار صبح سے مٹی سے کھیلنے میں لگا ہوا ہے۔ ذرا اپنے ہاتھوں کو تو دیکھ کیچڑ سے لت پت کر رکھے ہیں جلدی آ ہاتھ دھو کر کھانا کھا لے۔" یہ سنتے ہی میرے ننھے سے دل میں آگ سی لگ جاتی اور کڑھتے ہوئے آ کر میں سوچنے لگتا کہ آخر امی جان کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ مجھے جبراً کھانا کھلاتی ہیں جب میں اپنے کام سے فارغ ہوں گا اور بھوک لگے گی تو کھا لوں گا۔ امی جان کو کیا حق ہے کہ مجھے زبردستی کھانا کھلاتی ہیں ہو نہ ہو شاید میری سب سے بڑی دشمن یہی ہیں۔ اسی وقت کسی نہ کسی بہانے سے دو چار نوالے منہ میں ڈال کر اٹھتا اور کلہاڑی لے کر سامنے شیشم کے درخت پر لکڑیاں کاٹنے کی غرض سے چڑھنے لگتا۔ ابھی میں تھوڑا سا درخت پر چڑھنے نہیں پایا تھا کہ امی جان کی نظر میرے اوپر پڑ جاتی اور وہ چلا کر کہنے لگتیں: "ارے شریر [illegible] کیوں [illegible] کر رہا ہے تو نے مجھے صبح سے تنگ کر رکھا ہے آ تو ذرا تیرے ابا [illegible] مجھے [illegible]" [illegible]

جان میری خیر خواہ ہوتیں تو مجھے اچھے کاموں میں مدد دیتیں اور بُرے کاموں سے نرمی کے ساتھ روکتیں یہ ہر وقت کی ڈانٹ ڈپٹ ڈھکی کا کام نہیں تو اور کس کا ہے میں درخت سے نیچے اُتر کر سامنے نلکے کے ساتھ آنگن میں لگے ہوئے پھولوں کے پودوں کو چھیڑنے لگ جاتا "پیاری جان پودوں کو آواز سے کہنے لگتیں" تو اگر ان شرارتوں سے باز نہیں آئے گا تو آج رات کو بلیجے کالے بالوں والے ریچھ کے سامنے پھینک دوں گی اور تجھے اپنے گھر لے جائے گا۔" جب میں پھولوں کے پودوں پھیڑ چھوڑ کر تپائی پر بیٹھ کر ندی پر نہانے کی غرض سے جانے لگتا تو امی جان پکار اٹھتیں "ارے مجید ذرا پکڑنا اس کو میں ابھی آتی ہوں اور اس کے کان کاٹ کر مسجد کے چراغ جلاتی ہوں۔" اب تو میں حد درجہ تنگ آ جاتا اور گھر سے بھاگ کھڑے ہونے کی سوچنے لگتا ماں باپ جو نصیحت کرتے وہ میرے دل پر اثر نہ کرتی کیونکہ انھیں دشمن تصور کیا جائے اُن کی نصیحت کیا اثر کرتی ہے۔ خیر یہ تو تھیں بچپن کی باتیں اب میں اپنی کہانی کو ختم کرکے ناظرینِ الحسنات کے سامنے وہ بُرے اثرات بیان کرتا ہوں جو میری زندگی نے اس ڈانٹ ڈپٹ سے قبول کیے ہیں ——— میں اب تک کسی اُستاد یا کسی بزرگ آدمی کے سامنے اس خیال سے جھجکتا تھا رات کو کہیں اکیلا جانا پڑتا تو مجھے ڈر لگتا تھا درخت پر چڑھنا کھیلنا کودنا تیرنا وغیرہ ہنر تو آج تک مجھے نہیں آتے۔ آخر میں میں اپنی اُن ماؤں اور بہنوں سے جو بچوں کی تربیت کے لیے اُن پر ڈانٹ ڈپٹ کا اوچھا ہتھیار استعمال کرتی ہیں اپیل کرتا ہوں کہ وہ بچوں کو ڈانٹنے اور جھڑکنے کی بجائے ہر اچھے کام میں اُن کی امداد کریں اور غلط کام کرنے پر نہایت سنجیدگی متانت اور نرمی کے ساتھ انھیں نصیحت کریں تاکہ بچے اپنے ماں باپ کو اپنا سچا خیر خواہ سمجھتے ہوئے ان کی ہر نصیحت کو غور سے سنیں اور اس پر عمل کریں۔ بچوں کو سختی کے ساتھ بات بات پر ٹوکتے رہنا اُن کو زندگی بھر بزدل اور کم ہمت بنانا ہے۔

بزمِ حسنات

(۱)

روداد ششماہی اجتماع حلقۂ بزمِ حسنات۔ کراچی گوڑھ مسجد چیل بازار منعقدہ ۲۳ اپریل ۱۹۵۰ء

اجتماع کا آغاز بوقت ۳ بجے ساعت ہوا اور ۵ بجے ساعت کو ختم ہوا۔ اس اجتماع میں شرکاء کی تعداد ۲۰ تھی جن میں (۹) اشخاص نے تقاریر میں حصہ لیا۔ اجتماع کا خلاصہ حسب ذیل ہے: (۱) خواجہ محی الدین امیر حلقہ بزمِ حسنات نے ارکان کا مولوی اصغر علی عابدی صاحب مدیر انوار سے تعارف کرایا۔ (۲) امیر حلقہ نے سابق ششماہی اجتماع کے بعد سے شش ماہی اجتماع تک جتنے اور جس طرح سے کام ہوئے اس پر روشنی ڈالی۔ (۳) قیصر فرید الحکیم صاحب ہمدرد حسنات نے ایک نظم جس کا عنوان "عزم" تھا اور جو رسالہ الحسنات سے اخذ کی گئی تھی پڑھی۔ (۴) ترحمید الحکیم صاحب رکن بزمِ حسنات نے اجتماعی زندگی اسلام کے عنوان پر اظہار خیال کیا جس میں آپ نے بتایا کہ اسلام بغیر جماعت کے نہیں جماعت بغیر امارت کے نہیں امارت بغیر اطاعت کے نہیں اس کے بعد آپ نے بزمِ حسنات کا مقصد پیش کیا۔ (۵) خورشید حسین صاحب رکن بزمِ حسنات نے اسلام اور مسلمان کے عنوان سے جو مضمون الحسنات میں [illegible] ہوا تھا سنایا اس کے بعد آپ نے بزمِ حسنات کا مقصد سمجھایا۔ (۶) رشید انصاری صاحب رکن بزمِ حسنات نے بھی اپنی تقریر میں بزمِ حسنات کے مقصد پر روشنی ڈالی [illegible] کی تشریح کی۔ (۷) عبد المجید [illegible] رکن بزمِ حسنات نے ایک نظم سنائی جس کا عنوان "[illegible]" تھا کے

Reged. No. A-306 "ALHASANAT" RAMPUR, U. P.